بسم اللہ الرحمن الرحیم

سماعُ الموتیٰ

تالیف

ابوالزاہد مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم

مکتبہ صفدریہ

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (قرآن کریم)

مَا مِنْ رَجُلٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (حدیث شریف)

بالجملہ انکارِ شعور و ادراکِ اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست (فتاویٰ عزیزی ص ۸۸ ج ۱)

سماع الموتیٰ

المقلب

باثبات السماع والشعور لجملة اهل القبور

بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ جس میں بے حد کوشش اور خاصی کاوش کے ساتھ قرآن کریم صحیح احادیث، کتب تفسیر، کتب فقہ اور فتاویٰ سے مسئلہ سماع موتیٰ کا مثبت اور منفی پہلو واضح سے واضح تر کیا گیا ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جمہور امت عند القبور سماع الموتیٰ کی قائل ہے اور حضرات فقہاء احناف کا معتدبہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کی اکثریت سماع الموتیٰ کی قائل ہے اور عدم سماع الموتیٰ کے قائلین حضرات کے دلائل بھی نقل کر کے کتاب و سنت اور فقہ کی روشنی میں ان کے واضح جوابات عرض کر دیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام اور خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہ سماع الموتیٰ کے منکر نہیں، بلکہ مقر ہیں اور اُن کی طرف عدم سماع الموتیٰ کی جو روایتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ سب شاذ اور غیر معتبر ہیں۔ الغرض ٹھوس حوالوں کے ساتھ اردو زبان میں بفضلہ تعالیٰ یہ جامع کتاب ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ

وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

طبع ۹/۷ جولائی ۲۰۰۷ء

نام کتاب .... سماع الموتی

تالیف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

تعداد .... ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت .... ۱۱۰/- (ایک سو دس) روپے

مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ دار الکتاب اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ سلطان عالمگیر اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

☆ کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

☆ اقبال بک سنٹر جہانگیر پارک کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور

☆ بک لینڈ اردو بازار لاہور

☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور

☆ مکتبہ فریدیہ اسلام آباد

☆ ادارہ الانور بنوری ٹاؤن کراچی

☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ ظفر اسلامی کتب خانہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ

فہرست مضامین

تصدیقات علماء کرام

(۱) فخر الاماثل عمدۃ المحققین رئیس المحدثین مصنف انوار الباری شرح البخاری (داماد زبدۃ المحدثین رأس الاتقیاء حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ) حضرت مولانا سید احمد رضا شاہ صاحب بجنوری دامت فیوضہم العالیۃ۔

باسمہٖ سبحانہٗ جل ذکرہٗ

مکرم و محترم جناب مستطاب مولانا محمد سرفراز خاں صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا کل ایک عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا ہوں آج سماع الموتٰی کا مطالعہ کیا دل خوش ہوا خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

آپ بڑا کام کر رہے ہیں درازئ عمر اور صحت کے لئے دل سے دعا ہے (اس کے بعد حضرت موصوف نے ایک غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے جس کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ حضرت) بلد ملاقات کا مشتاق ہوں دعاؤں میں یاد کریں آپ کے ساتھ (اجلاس صد سالہ دیوبند کے موقع پر) جو مدرسہ نصرۃ العلوم کے مہتمم (مولانا صوفی عبد الحمید) صاحب تھے ان کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام خیر ختام

احمد رضا عفا اللہ عنہ از بجنور (انڈیا)

۸ر اپریل ۱۹۸۰ء

(۲) عالم جلیل فقیہ کامل رئیس المحدثین محقق العصر نمونۂ سلف استاد العلماء والفضلاء الحاج حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الحدیث المدرسۃ العربیہ الاسلامیہ نیوٹاؤن کراچی وسابق امیر مرکزیہ تحفظ ختم نبوت (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد صفدر صاحب زادکم اللہ الخیر توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جدید تالیف سماع الموتٰی موصول ہوکر باعث شکر گزاری ہوئی جزاکم اللہ تعالیٰ ماشاء اللہ تسکین الصدور کے بعد اس موضوع پر یہ تصنیف مزید سکون صدور کا ذریعہ ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرماکر اور نافع ومثمر بناکر مزید توفیق نصیب فرمائے۔ جستہ جستہ دیکھی ماشاء اللہ عمدۃ ہے (اس کے بعد دو غلطیوں کی اصلاح کی تلقین فرمائی جو بحمد اللہ تعالیٰ اب درست کر دی گئی ہے۔ صفدر) کتابت کے اغلاط کافی ہیں (جن کی کافی حد تک اب درستی کر دی گئی ہے۔ صفدر) امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

محمد یوسف بنوری۔ ۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ

---

(۳) عالم باعمل حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن محمد نذیر اللہ خاں صاحب (فاضل دیوبند) رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی

وَدِيْنِ الْحَقِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُمْ مِنْ خَيْرِ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ وَهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَجَمَاعَةِ الرَّسُوْلِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ مَنِ اتَّبَعَهُمْ فَقَدِ اهْتَدٰى وَمَنْ عَصَاهُمْ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰى لِاَنَّهُمْ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ امّا بعد "ما انا علیہ واصحابی"

کہ نشان ہدایت و نجات ہے سنت رسول و جماعت رسول راہ ہدایت ہے ان کی اتباع ہدیٰ ورنہ اتباع ہویٰ متبعین کا دعوئ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن و سنت کے متبع ہیں مگر انہوں نے قرآن وسنت کو اپنی آراء و اہواء کا تختۂ مشق بنالیا ہوتا ہے حالانکہ تمسک بالقرآن والسنۃ کا مطلب وہی معتبر ہے جو اسلاف امت نے بیان کیا ہے اور متوارث طور پر جہابذۂ علم وفضل سے دیانۃً وامانۃً محفوظ چلا آتا ہے اور اعجاب کل ذی رأیٍ برأیہٖ اور عدم اعتماد علی الاسلاف کی وباء سے آج بھی ایسے حضرات کا ظہور ہوا ہے جو قرآن پاک کی آیات اور احادیث کی روایات کو اپنی اہواء کے مطابق تقریر و تحریر سے نداءِ حق اور دعوۃ الحق و شفاء الصدور کا اعلان کر رہے ہیں اُمّتِ مسلمہ اور اسلافِ اُمّت کے جم غفیر حضرات کو نشانۂ طعن و تشنیع کرتے ہوئے سماع موتیٰ کے قائلین کو مشرک کہتے ہیں اور طلب شفاعت للمغفرۃ عند قبر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین کو بھی شرک میں مبتلا ثابت کرتے ہیں حالانکہ سماع فی الجملہ حق ہے اور خوارج کی طرح وہ آیات نداء لغیر اللہ (من البعید) کو سماع موتیٰ کی نفی کے لیے بے محل و بے موقع استعمال کرتے

ہیں اسی اثناء میں طلب شفاعت للمغفرۃ بعد الموت کو وہ نداء غیر اللہ کے ماتحت داخل کرتے ہیں (جو قطعاً غلط ہے اور حضرات فقہاء کرامؒ کے اقوال اس کے رد کے لیے کافی ہیں۔ صفدرؔ) ضرورت تھی کہ کوئی جلیل القدر شخصیت جس کا علم وعمل دیانت وتقویٰ علمائے کرام میں مسلّم ہو اور اس کی سعی بلیغ سے اس فتنہ کی سرکوبی یا مدافعت کے لیے کوئی کتاب مستطاب لاجواب تحریر ہو جائے چنانچہ مولانا الحاج محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث نے نہایت دیانت وامانت سے سماع الموتیٰ (فی الجملہ) تحریر کی جو نہایت مبرہن ومدلّل ہے حوالہ جات اور ادلہ کاملہ کے ذخائر سے بھرپور ہے طلبہ وعلماء کے لیے ایک بہترین علمی تحفہ ہے نفاسیر اور احادیث وآیات کا بیان اہل السنت والجماعت کی معتبرات سے منقول ہے بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ قرآن واحادیث کا مطلب وہی معتبر ہے جو علماء اہل السنت کرام سے منقول ہے۔ اس کتاب میں اسلاف امت کی تحریرات ومعتبرات کو مدّنظر رکھ کر مسائل کی وضاحت کی گئی ہے اور گمراہ فرقوں کو مسکت (خاموش) کرنے کے لیے تو پیغمبر کی تعلیم بھی حجت نہیں ہوتی مگر صاحب انابت کے لیے وہ راہ ہدایت ہے خداوند کریم مولانا موصوف کے لیے یہ تحریر مایۂ ثواب آخرت بنائے اور ہمیں بھی صراط مستقیم اور راہ ہدایت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

ناکارۂ خلائق حفیظ الرحمٰن محمد نذیر اللہ خان (فاضل دیوبند)
خطیب جامع مسجد مدرسہ حیات النبی گجرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِیَدِہٖ الْحَیٰوۃُ وَالْمَوْتُ وَالنُّشُوْرُ وَالَّذِیْ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ شَرَعَ السَّلَامَ عَلَی الْاَحْیَاءِ وَعَلٰی مَنْ دُفِنَ فِی الْقُبُوْرِ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَہٗ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ اَمَّا بَعْدُ

سببِ تالیف

اس پُرفتن اور پُرآشوب دور میں جس میں مادی قوتوں نے لوگوں کے اذہان و افکار کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے اور ہر آدمی مادی ترقی ہی کا خواہاں اور دلدادہ ہے، ایک مسلمان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بنیادی عقائد اور اصولِ دین پر سختی سے کاربند ہو اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی قبر اور آخرت کو سنوار سکے۔ اس نازک دور میں باریک اور دقیق علمی و تحقیقی موشگافیوں اور فروعی مسائل کو چھیڑنا کسی بھی طرح مستحسن نہیں ہے مگر بعض مجبوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اگر فروعی مسائل میں بھی راجح اور حق پہلو کو عوام کے سامنے نہ پیش کیا جائے تو وہ غلط ڈگر پر چل نکلتے ہیں اور راجح و حق پہلو پر عمل کرنے والوں، کیا حضرات سلف رح اور کیا خلف رح سب کو نظرِ حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں اور ایسے غلط کار لوگ اپنی غیر معصوم رائے کو حرفِ آخر سمجھ لیتے ہیں اور اسکی نشر و اشاعت

کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں کہ عوام حضرات سلفؒ و خلفؒ سے بدظن اور بیزار ہو جاتے ہیں اور ان غلط کار لوگوں کی رائے کو (جس کو یہ لوگ عوام پر اپنی لسانی قوت اور قلم کے زور سے بزور ٹھونسنے کی ناکام سعی اور لاحاصل کوشش کرتے ہیں) اسلامی مسائل کی تحقیق کا خلاصہ اور بزعم خویش توحید کا نچوڑ سمجھنے لگتے ہیں، چونکہ عوام اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ اکثر نقل کو اصل اور پوست کو مغز سمجھ لیتے ہیں اور اسی پر دل میں گرہ لگا کر مخالفین کو کوستے ہیں بلکہ لٹھ لئے لئے انکے پیچھے پھرتے ہیں۔ ناچار حضرات سلفؒ و خلفؒ اور اکابر کا دامن تھامنے والوں کو بھی کچھ کہنا ہی پڑتا ہے اور دفاع کے بغیر عالم اسباب میں اور چارہ ہی کیا ہے؟ مشہور تو یہی ہے کہ تنگ آمد بجنگ آمد۔

کچھ سالوں سے چند مسائل میں سے عدم سماع موتیٰ۔ قبر میں جسم کی طرف عدم اعادہ روح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عند القبر صلوٰۃ وسلام کا عدم سماع، عدم عرض اعمال اور توسل کا شرک ہونا وغیرہ مسائل جمہور اہل اسلام اور اکابر سے کٹ اور ہٹ جانے والے حضرات کے نزدیک سرفہرست ہیں اور ان پر بحث ومباحثہ کا بازار گرم رہتا ہے اور تقریرًا و تحریرًا ان مسائل کی ترویج واشاعت کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور مستقل کتابیں اور رسالے ان مسائل پر ملک کے طول وعرض میں الگ شائع کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کے ایک مہربان (ملک محمد فیروز فاروقی، ایم ایس سی) نے حیاتُ النبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلّم، عرضِ اعمال اور عدمِ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کو اپنی تحقیق انیق کا تختۂ مشق بنایا ہے اور سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر وفات النبی صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھا ہے جس کو اسلامک ریسرچ مشن جھنگ (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ اس کتابچہ میں حوالوں کے نقل کرنے میں جو خیانت اور قطع و برید کی گئی ہے، راقم اثیم نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں ایسے مختصر کتابچہ میں اس کی مثال اور کہیں نہیں دیکھی اور اس میں سر اور دُم بریدہ حوالوں سے جو اپنی پسند کے معانی اور مطالب کشید کیے گئے ہیں وہ اہلِ علم کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ اس کتابچہ میں عدمِ سماعِ موتیٰ کے دعویٰ کے اثبات میں بعض نامکمّل اور ادُھورے مگر مفید مطلب حوالے نقل کر کے مؤلّف مذکور لکھتے ہیں کہ:

یہی مسلک امام مُسلم رح، بیہقی رح، سفارینی رح، قاضی ابو یعلیٰ موصلی رح، فخر الدین رازی رح، بدر الدین عینی رح، ابن الھمام رح، طحطاوی رح، ولی اللہ محدّث دہلوی رح، قاضی خان رح، شاہ عبد العزیز رح، شاہ عبد القادر محدّث دہلوی رح، شاہ اسمٰعیل شہید رح، شاہ محمد اسحاق محدّث دہلوی رح، بشیر الدین قنوجی رح اور خرم علی رح وغیرہم سے منقول ہے (بلفظہٖ وفات النبی ص ۲۹)

ان حضرات میں سے ایک دو بزرگوں کی اپنی کتابیں تو میسّر نہیں ہو سکیں لہٰذا ہم قطعیّت کے ساتھ ان کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتے کہ سماعِ موتیٰ کے بارے ان کا صحیح مسلک اور مؤقّف کیا ہے؟ لیکن بقیہ حضرات رح کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ عدمِ سماعِ موتیٰ کے قائل تھے اور ان کا یہی مسلک

تھا، سفید جھوٹ، صریح بہتان اور خالص افترا ہے۔ آپ اسی پیشِ نظر کتاب میں بخوبی ملاحظہ فرمالیں گے۔ ان حضرات کا مسلک کیا تھا؟ اور کیا ہے؟ پہلے تو صرف سُنا ہی کرتے تھے مگر اب تو مشاہدۃً دیکھ بھی لیا کہ ؏

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

پھر ان اکابر علماء کی عظمت اور قدر اور ان کی آراء اور اقوال کی وُقعت بھی خود اس مؤلف کے قلم سے ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لفظ "منقول ہے" کے حاشیہ میں اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ ان علماء کے نام صرف اس لئے درج کئے گئے ہیں کہ انھوں نے قرآنی مسلک (نہیں بلکہ بزعم مؤلف ان کے اپنے مسلک۔ صفدر) کی تائید و حمایت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ہر بات تسلیم کرنا ہو گی۔ اگر یہ لوگ قرآنی فیصلہ (بالفاظِ دیگر مؤلف کے مسلک۔ صفدر) کے خلاف لکھتے تو ان کے اقوال کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا۔ انتہیٰ بلفظہٖ (حاشیہ ص ۴۹)

غور فرمائیں کہ ان لوگوں کے نزدیک حضرات سلف صالحین رح اور علمائے ربانیین کے اقوال کی کیا قدر باقی رہ جاتی ہے؟ ان لوگوں کے نزدیک تو بس یہ طے شدہ بات ہے کہ اکابر علماء اُمت اور فقہاء ملّت کی جو بات ان کی ناقص سمجھ میں نہ آئے یا نفسِ امّارہ اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو فوراً اس کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

یہی مؤلف عرض اعمال کے مسئلہ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- "عرض

اعمال کا عقیدہ اہلِ تشیع کے ہاں پایا جاتا ہے۔ صوفیوں اور باطنی اماموں کی نوازش ہے کہ اہل سنّت کی کتب میں بھی اسے درج کر دیا اور جعلی حدیثیں بنا ڈالیں حتیٰ کہ اہل سنّت اسے اپنا عقیدہ تسلیم کرنے لگے" (حاشیہ صفحہ ۴۵)

صد افسوس ہے کہ اسلامی مسائل کا بے دردی سے پوسٹ مارٹم کرنے والوں کو اتنا صاف فرق اور واضح تمیز بھی معلوم نہیں کہ اہل سُنت کا عرض اعمال کے بارے میں مسلک اور ہے اور اہل تشیع کا عقیدہ اور ہے۔ اہل سُنت صرف اجمالی طور پر بعض بعض اعمال کے عرض کے قائل ہیں اور اہل تشیع تفصیلی طور پر تمام اعمال کے عرض ہونے کے معتقد ہیں گویا اسلامی مسائل پر ریسرچ کرنے والے ان لوگوں کے نزدیک کُل اور بعض اور اجمال و تفصیل کا کوئی فرق ہی نہیں ہے اور پھر حد کر دی کہ صوفیوں اور باطنی اماموں کو دیمک کے کیڑے بنا کر اور قلم و دوات ہاتھ میں پکڑا کر خفیہ طریقہ سے نظر بچا کر اہل سنت کی کتابوں میں گھسیڑ دیا اور وہ برق رفتاری سے عرضِ اعمال کا عقیدہ اہل سُنت کی کتابوں میں ملتے جُلتے خط سے داخل کرآئے اور غضب یہ ہے کہ ان کی اس چابکدستی سے نہ تو مسند احمد، مسند بزار اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ حدیث کی مستند کتابیں بچ سکیں اور نہ دیگر وہ متداول اور معتبر کتابیں جن میں اہل سُنت کے مسلک کے مطابق عرض اعمال کا عقیدہ درج ہے اور یہ صوفی اور باطنی امام ان کتابوں میں

لہ امام احمد رح المتوفی ۲۴۱ھ، امام طیالسی رح المتوفی ۲۰۴ھ، امام بزار رح المتوفی ۲۹۲ھ۔ یہ سب حضرات چوتھی صدی سے قبل کے ہیں۔

ایسے گھسے کہ جعلی روایتیں بنا کر ان میں گھسیڑ آئے اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی اور حضرات محدثین کرامؒ جو تحقیق اور نقد و جرح کے میدان میں بال کی کھال اُتارنے کے عادی ہیں، نیندِ غفلت میں کچھ ایسے مدہوش ہوئے کہ ان کو کروٹ اور پہلو بدلنے کی سرے سے توفیق ہی نہ ہوئی کہ وہ ان صوفیوں اور باطنی اماموں کو اس دسیسہ کاری اور جعلسازی سے روکتے اور حیرت ہے کہ ان صوفیوں اور باطنی اماموں نے اہلِ سُنت پر کچھ ایسا جادُو کیا اور افسُوں پھونکا کہ وہ بلاچوُن وچرا عرضِ اعمال کو اپنا عقیدہ بنا بیٹھے۔
سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

اس کتابچہ کا تعارف کرانے والے بزرگ (جناب قاری عبدالحمید فارُوقی اے ای۔ای) نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھ کر اس کتابچہ کو مزید چار چاند لگائے کہ:- "تحقیق یہ ہے (سُبحان اللہ تعالیٰ صفدر) کہ چوتھی صدی ہجری میں صُوفیاء اور روایات وضع کرنے والے احبار و رہبان عجمی وسبائی عناصر نے شریعت اسلامی میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے اس قسم کی روایات بیان کیں جن میں کہا گیا کہ قبر میں رُوح واپس بھیجی جاتی ہے اور مُردہ اس قبر میں لوگوں کے سلام سُنتا اور جواب بھی دیتا ہے۔ خوابوں، مکاشفوں اور تصوّف و باطنیت کی حکایتوں کے ذریعہ اس مسلک کو مدلّل کیا گیا اھ (ملاحظہ صفحہ ۱)

جمہورِ اہلِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ قبر میں دفن ہو چکنے کے بعد میت کی طرف رُوح لوٹائی جاتی ہے لیکن اس مسلک کی بنیاد خوابوں، مکاشفوں اور تصوف

دیا طنیت کی حکایتوں پر نہیں بلکہ صحیح مشہور اور مستفیض حدیث پر ہے جس کی بقدر ضرورت بحث بحمداللہ تعالےٰ ہم نے اپنی کتاب تسکین الصدور میں کر دی ہے۔ اور قبر میں مُردے کا سلام سُننا اور اس کا جواب دینا اسی پیشِ نظر کتاب میں صحیح روایات کے ساتھ انشاءاللہ تعالےٰ بیان کر دیا گیا ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ جس طرح ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے یا جس طرح بھینگے آدمی کو زاویۂ نگاہ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اپنی اصلی شکل پر نظر نہیں آتی اسی طرح ان رُوحانی بھینگوں کا حال ہے کہ ان کو صحیح احادیث عجمی اور سبائی عناصر کی سازش نظر آتی ہے اور جمہور علماء ملّت اور فقہاءِ اسلام (جن کی برگزیدہ ہستیوں پر ہمیشہ سے اہل اسلام اعتماد اور فخر کرتے چلے آتے ہیں) کے اقوال ان کو ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل نظر آتے ہیں اور یہ لوگ حضرات سلف صالحینؒ کے اقوال کو کرید کرید کر علانیہ ان پر بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہیں اور بعض بزرگانِ دین رح کے اقوال کو تو خصوصاً اقوالِ بزرگان کی پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے ہدفِ تنقید بنایا ہے جیسا کہ اسی کتاب سے بعض ایسی چیزیں انشاءاللہ تعالےٰ بالکل عیاں ہوں گی اور جمہور کے اقوال پر برسنے کے لئے ان لوگوں نے ایک ایسا محاذ بنا رکھا ہے جس کی حقیقت بقول علّامہ اقبال رح صرف یہ ہے کہ ؎

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دُزدے چند
بہرِ تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند!

ان نظریات کے حامل جملہ حضرات کے طرزِ استدلال میں قارئین کرام کو یہ بات

بخوبی نظر آئے گی کہ یہ حضرات مجمل اور مبہم عبارات کو تو لے لیتے ہیں لیکن ان کتابوں میں مصرح اور واضح عبارات کا نام تک نہیں لیتے یعنی عمداً لوگوں کو دھوکا دینے اور مغالطہ میں ڈالنے کے درپے ہیں۔ فوا اسفا۔

(۲) کراچی سے چند اوراق کا ایک اور کتابچہ طبع ہوا ہے جس کا نام "یہ قبریں یہ آستانے" ہے۔ جس کا اندازِ بیان، دلائل کی ترتیب اور مفید مطلب حوالے اور پھر ان سے نتیجہ اخذ کرنا شفاء الصدور اور ندائے حق (جن کا ذکر خیر آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ) وغیرہ سے چنداں متفاوت نہیں اور ایسا لگتا ہے کہ یہی کتابیں سامنے رکھ کر سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتابچہ جناب کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی ایم بی بی ایس (اور بقولِ خود) فاضل علوم دینیہ اور امیر حزب اللہ نے تالیف فرما کر اُمّت مرحومہ و مظلومہ پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ یہ کتابچہ ۱۹۷۲ء میں مکہ مکرمہ میں المسجد الحرام کے اندر بھی مفت تقسیم ہوتا رہا ہے۔ اس میں بھی عدمِ سماعِ موتیٰ، عرضِ اعمال اور آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام کے نہ پیش ہونے پر خاصا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ صد ۲۱ میں لکھا ہے کہ :۔ "سماعِ موتیٰ کا عقیدہ تو شرک کی جڑ ہے" (بلفظہٖ) اور پھر آگے صد ۱۳ میں " لا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الآیۃ اور اس مضمون کی بعض دیگر آیات سے اپنے رنگ میں استدلال کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ :۔ پس ثابت ہوا کہ قبر کے باسی دُنیاوی زندگی سے بالکل عاری ہیں۔ وہ نہ تو دُنیا والوں کی پکار سُنتے ہیں کہ جواب دیں اور نہ ان میں یہی طاقت

ہے کہ دُعا سُن کر اللہ تک پہنچانے کا وسیلہ نہیں۔ امام ابو حنیفہ رح اور دوسرے ائمہ کا متفقہ فیصلہ یہی ہے، اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں" (بلفظہ) افسوس حیرت اور صدمہ ہوتا ہے ان لوگوں کی اس جسارت اور بے باکی پر کہ وہ ایک اختلافی مسئلہ کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ ایک سیدھا سادھا مسلمان ان کی ایسی مغالطہ آمیز عبارات سے دھوکا کھا سکتا ہے اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو سکتا ہے کہ شاید شرعی حکم ہی یہی ہے حالانکہ اس کو حقیقت سے دُور تک کا واسطہ نہیں اور یہ غلط نظریہ ان لوگوں کا نرا تعصّب اور خالص غلو ہے۔ حضرات ائمہ کرام رح میں سے کسی کا یہ فیصلہ نہیں چہ جائیکہ اُن کا متفقہ فیصلہ ہی یہ ہو، یہ ایک خالص بے بنیاد دعویٰ ہے۔

(۳) راقم اثیم نے ابھی کتاب تسکین الصدور نہیں لکھی تھی کہ سرگودھا سے ایک دوست نے ایک کتاب تحفۃً راقم کو بھیجی جس کا نام شفاء الصدور ہے اس میں موضوعِ بحث عدمِ سماع موتیٰ ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور انہی کے رفیق اور ہم ذہن و مہتمم مدرسہ نے (جو اب دُنیا سے رخصت ہو چکے ہیں) ساتھ ساتھ مفیدِ مطلب اور آزاد ترجمہ بھی اردو میں اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ہے اور اس مسئلہ کے سلسلہ میں دونوں دوستوں کا ذہن ایک سا ہے۔ اس کتاب میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سب کا لُب لباب صرف یہ ہے کہ مُردے نہیں سُنتے، اور اس دعویٰ کے اثبات پر انھوں نے بہت سی

بالکل غیر متعلق آیات اور احادیث سے استدلال بھی کیا ہے جن سے ان کا یہ مدعا ہرگز کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا اور کسی اہلِ علم بلکہ کسی بھی عقلمند کو ان سے ذرّہ بھر شبہ نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ وہ عدمِ سماعِ موتیٰ پر ان کو قطعی حجّت سمجھے۔ ہاں البتہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الآیۃ اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ الآیۃ وغیرہا آیات سے نیز بعض اکابر کی کچھ عبارات سے ضرور کچھ شبہ ہو سکتا ہے اور انہی کی وضاحت ہم نے اس کتاب میں کر دی ہے اور تسکین الصدور میں اس کا وعدہ بھی ہم نے کیا تھا۔ بہر حال سردست ہم انہی دلائل اور اسی ترتیب پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اگر کسی صاحب نے قلم اٹھایا اور ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ طبع دوم میں مزید وضاحت کر دی جائیگی۔ مؤلف مذکور نے غیر متعلق عبارات سے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ پھر غضب کی بات یہ ہے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں ان کے ہمنوا نہیں بلکہ بالکل ان کے برخلاف ہیں۔ اپنے ناخواندہ حواریوں کو وہ بزرگ بھی انھوں نے اپنے کھر دکھائے اور بلا خوفِ تردید بڑی بیباکی سے ان کے نام بھی منکرینِ سماعِ موتیٰ میں درج کر دیئے ہیں جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے جیساکہ اسی پیشِ نظر کتاب سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات بالکل عیاں ہو جائے گی اور یہی طریقہ ان کا ندائے حق میں ہے جو انھوں نے بزعمِ خویش راقم کی کتاب تسکین الصدور کے جواب میں لکھی ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ وَمِنْہٗ وہ تسکین الصدور کے وزنی اور ٹھوس دلائل کا جواب دینے سے قطعًا قاصر اور یقینًا

عاید رہے ہیں۔ ہاں غیر متعلق باتوں کا تذکرہ کر کے کتاب کا حجم بڑھا کر اپنے ناخواندہ سوادیوں کو ضرور یہ باور کرایا ہے کہ یہ اس کا جواب ہے۔ اس میں جو جو باتیں اپنی دانست کے مطابق ہم نے شبہ پیدا کرنے والی سمجھی ہیں ان میں سے بعض کا جواب اسی پیش نظر کتاب اور بعض کا تسکین الصدور طبع دوم میں دے دیا ہے باقی ہر واہی اور لچر بات کا جواب دینا ہم علمی اور تحقیقی سطح سے بہت فروتر سمجھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس میدان میں بھی ان کا حریف کوئی شہسوار کبھی نکل آئے کیونکہ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ اور ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی علم دوست اور سمجھ دار آدمی جمہور کے خلاف پیش کردہ ان کے وساوس داوہام یا محض قیاسات اور منطقیانہ و مغویانہ مغالطات سے ہرگز دھوکا نہیں کھائے گا۔ ضد اور تعصّب کا معاملہ ہی الگ ہے۔ اس کا اس دنیا میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ انتہائی حیرت ہے کہ ایک اختلافی مسئلہ کے سلسلہ میں جو لب ولہجہ اور طرزِ گفتگو انھوں نے اختیار کی ہے بلکہ توسّل عند القبر۔ اور آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں طلب مغفرت کی سفارش کے جواز کے قائلین اور سماعِ موتیٰ کے مقرّین کو جس انداز سے انھوں نے مخاطب کیا اور کوسا ہے اور جس طرح جمہور کا مذاق اڑایا ہے اور جس طرح بلند پایہ حضرات فقہاء کرام رح کو کھلے لفظوں میں کوسا اور ان پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے اور جس طرح مشہور اور متداول کتبِ فقہ اور فتاویٰ کو ہدفِ تنقید

بنایا ہے، وہ صرف انہی کا حصہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ان کا اور اس سلسلہ میں ان کے رہبر جناب مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا اندازِ گفتگو اور سبق ہے۔ زیادہ تفصیل میں جانا تو ہم مناسب نہیں سمجھتے، چند عبارات انہی کے الفاظ میں ہدیۂ قارئین کرام کئے دیتے ہیں تاکہ آپ بھی نمونہ از خروارے ملاحظہ کر لیں۔

حافظ ابن الہمام الحنفی رح پر بے اعتمادی

حافظ ابن الہمام الحنفی رح نے فی الجملہ سماعِ موتیٰ کا اقرار کیا ہے کہ مُردے قرعِ نعال اور سلام سُنتے ہیں (حوالہ اپنے مقام پر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ) مگر ان کی تحقیق سے برہم ہو کر مؤلّف شفاء الصدور لکھتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ امام ابن الہمام رح کا قول فتح القدیر میں ایسا ہے جس سے سماعِ موتیٰ سمجھ آتا ہے صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے کہ محقق ابن ہمام رح صاحبِ ترجیح ہیں (یعنی فقہ کے متعارض اقوال کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے اہل ہیں جو اربابِ فقہ میں ایک بلند مقام ہے۔ صفدر) دراصل بات یہ ہے کہ ان کے قول کی اتباع تب تک ہے جب تک مذہب کے خلاف نہ ہو۔ خلافِ مذہب ہونے کی صورت میں ان کا قول معتبر نہ ہوگا۔ خود ان کے تلمیذ قاسم رح نے یہ بات کہی ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں چونکہ مذہب کے خلاف لکھا ہے لہٰذا یہ قول معتبر نہ سمجھا جائے گا (بلفظہٖ ص ۶۸)

نہ معلوم مؤلّف مذکور کی مذہب سے کیا مُراد ہے؟ اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یا حضرات جمہورؒ کا مذہب مُراد ہے تو ظاہر امر ہے کہ امام ابن الہمامؒ نے نہ تو ان کی مخالفت کی ہے اور نہ عدم سماع ان کا مذہب و مسلک ہے۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں آگے آرہی ہے انشاء اللّٰہ العزیز۔ اور اگر مذہب سے مؤلّف مذکور اور ان کے ہمنوا چند بزرگوں کا اپنا مذہب مُراد ہے تو بلاشبہ امام ابن الہمامؒ اس کے مخالف ہیں مگر جمہور کے نزدیک ان کا قول اس معاملہ میں صرف معتبر ہی نہیں بلکہ حجّت بھی ہے کیونکہ یہ ایک محقق کا قول ہے اور پھر یہ احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق اور حضرات جمہورؒ کے نظریہ کے عین موافق ہے۔ باقی جو بات علامہ قاسمؒ بن قطلوبغا الحنفیؒ (المتوفی ۸۷۹ھ) نے فرمائی ہے تو وہ مؤلّف مذکور نے سمجھی ہی نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ میرے استاد محترم کے تفردات مقبول نہیں ہیں۔ (تفردات شیخی غیر مقبولۃ ہدیۃ المجتنیٰ صفحہ ۲۴) اور یہ سماع موتیٰ کا مسئلہ ان کے تفردات میں شامل نہیں ہے بلکہ اس میں علاوہ صحیح احادیث کے اُمت کی اکثریت اور حضرات فقہاء کرام کا جمِ غفیر ان کے ساتھ اور ان کا ہمنوا ہے لہٰذا حافظ ابن الہمامؒ جیسے صاحبِ ترجیح کی بات کو بلا وجہ ترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ اُن کے مبنی بر دلائل قول کو غیر معتبر قرار دے کر رَد کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر کسی نے مؤلّف مذکور کی طرح سبق ہی یہ پڑھا ہو کہ میں نہ مانوں تو اس کا معاملہ ہی جُدا ہے۔

(۲) مؤلّف مذکور لکھتے ہیں کہ " یہ سُننے اور کلام کرنے کی بات اکثر سُبکیؒ، سیوطیؒ، زرقانیؒ، یافعیؒ، محب الدین طبریؒ، نوویؒ، قاضی عیاضؒ وغیرہ کی ہیں جن میں سے کوئی بھی حنفی مسلک کا نہیں"۔ (بلفظہٖ شفاء الصدور ص۹۶)

اس عبارت سے یہ تأثّر پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرات احناف رح میں سے کوئی اس کا قائل ہوتا تو مؤلّف مذکور ضرور اس کو تسلیم کر لیتے کیونکہ وہ بزعم خویش حنفی مسلک کے مدعی ہیں۔ مگر ان کی شومیِٔ قسمت کہ یہ کہنے والے سبھی بزرگ شافعی اور مالکی ہیں اس لئے ان کا مسلک اختیار کرنے سے معذوری ہے۔ لیکن انشاء اللہ تعالےٰ بحث آگے آرہی ہے کہ حضرات احناف رح کا جمِ غفیر بھی سماعِ موتیٰ کا قائل ہے۔ حضرات مالکیہؒ اور شافعیہؒ ہی اس کے قائل نہیں ہیں پھر تأسّف کی بات یہ ہے کہ انھوں نے حضرات احنافؒ کی بات بھی تو تسلیم نہیں کی۔ اولاً ابھی اوپر حافظ ابن الہمام رح کا رد ان کی تحریر سے گزر چکا ہے، وثانیاً شفاء الصدور کے اسی صفحہ میں حضرت ملا علی ن القاری رح اور علامہ ابن عابدین رح کا حوالہ دے کر اور نام لے کر انھوں نے ایک فقہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ زائر قبر مبارک کے پاؤں کی طرف سے آئے اور سر کی طرف سے نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو دِقّت نہ ہو۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " تو یہ اقوال حجّت نہیں ہیں اور نہ کتاب اللہ و سُنّت رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے اس پر کوئی دلیل ہے۔

فقد دسّہ الخصوم فی کتبھم الاتری انھم صرّحوا بعدم سماع الاموات (بلفظہٖ شفاء الصدور ص۹۶)

بلا شبہ یہ بات ان کی کتابوں میں ان کے مخالفوں نے گھسیڑ دی ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ انھوں نے عدمِ سماعِ موتیٰ کی تصریح کی ہے۔

اس کا نام ہے تحقیق و تدقیق کہ جو بات ان کے ذہن مبارک میں نہ آسکے یا ان کی ایجاد یا اختیار کردہ رائے کے موافق نہ ہو تو اس کو فوراً دشمن اور مخالف معتبر اور متداول کتابوں میں کمال ہوشیاری اور چالاکی سے گھسیڑ آتے ہیں۔ محترم یہ دونوں بزرگ حنفی ہیں۔ ان کی بات تو مان لی ہوتی یا ان کی بیان کردہ بات کا کوئی فقہی اور علمی محل یا کوئی مناسب توجیہ و تاویل بیان کی ہوتی۔ یہ یاد رہے کہ یہ دونوں بزرگ عدمِ سماع کے نہیں بلکہ شد و مد کے ساتھ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ اسی کتاب میں ان کے حوالے آرہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ محترم جب آپنے کسی کی بات ہی تسلیم نہیں کرنی تو حنفی اور غیر حنفی کا سوال پیدا کرنے کا کیا مطلب؟

لطیفہ: بقول مؤلف مذکور یہ الخصوم اور مخالف بڑے ہی ہوشیار اور چابکدست ثابت ہوئے ہیں۔ حضرات احناف رح کی کتابیں تو ان کی دست برد سے کیا محفوظ رہتیں، یہ تو حنبلیوں کی کتابوں میں بھی دسیسہ کاری سے باز نہیں آتے۔ یہی بات انھوں نے حافظ ابن تیمیہ رح الحنبلی رح (المتوفی ۷۲۸ھ) کے مشہور فتاوی اور شیخ بدرالدین البعلی الحنبلی رح (المتوفی ۷۷۷ھ) کے مختصر الفتاوی المصریہ میں بھی گھسیڑ دی ہے پھر ان سے کوئی بچے تو کیونکر؟ اور اپنی کتابوں کو ان سے محفوظ رکھے تو کیسے ہو سکے

نام اللہ تعالیٰ کا - یہ بالخصوص ترسی - آئی - اے سے بھی زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ محفوظ الماریوں کے اندر بند کتابوں میں خوشنویسوں کے قلم لے کر داخل ہو جاتے ہیں اور اصل کتاب جیسی خوشخط عبارتیں زیبِ قرطاس کر آتے ہیں اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی - اور وہ ایسے شاطر ہیں کہ حک و اضافہ کا وہم اور نشان بھی کتابوں میں نہیں رہنے دیتے کہ کسی کو حذف و اضافہ ہی کا شبہ پڑے - چنانچہ حافظ ابنِ تیمیہ رح لکھتے ہیں کہ :-

واستفاضت الآثار بمعرفة المیت اهله وباحوال اهله واصحابه فی الدنیا وان ذلك یعرض علیه وجاءت الآثار بانه یری ایضا وبانه یدری بما یفعل عنده ویسر بما کان حسنا ویتألم بما کان قبیحا اھ

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۴۶ وص ۴۴۷)

مشہور اور مستفیض احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مُردہ اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے احوال کو جانتا ہے جو ان کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے - اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اس کو جانتا بھی ہے - اگر وہ کارروائی اچھی ہو تو اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اگر وہ بُری ہو تو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے ۔

اور شیخ بدر الدین بعلی رح لکھتے ہیں کہ :-

وقد استفاضت الاخبار بمعرفة المیت

بہ تحقیق تواتر سے حدیثیں آئی ہیں کہ مُردہ

بحال اهلہ واصحابہ فی الدنیا وان ذٰلک یعرض علیہ وانہ یرٰی وید ری بما یفعل عندہٗ ولیسّرٗ بما کان حسنًا و یتألم بما کان قبیحًا وروی ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد ان دفن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانت تستتر وتقول کان ابی وزوجی فاما عمر فاجنبی تعنی انہ یراھا

(مختصر الفتاوی المصریہ صـ ۱۹۰)

اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے حالات کو جانتا ہے کیونکہ ان کے اعمال اس پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جو کارروائی اس کے پاس کی جاتی ہے مُردہ اس کو دیکھتا اور جانتا ہے اچھی کارروائی سے اس کو خوشی اور بُری کارروائی سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے دفن کیے جانے کے بعد حضرت عائشہ رضؓ پردہ کرکے اندر جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ پہلے تو میرے والد اور خاوند تھے، اور بہرحال حضرت عمر رضؓ تو اجنبی ہیں۔ ان کی مُراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضؓ ان کو دیکھتے ہیں۔"

حنفیوں کی کتابوں میں تو یہ الخصوص صرف یہی داخل کر سکے کہ میّت دیکھتی ہے مگر تعجّب ہے کہ حنبلیوں کے ان معتبر فتاووں میں انھوں نے اس کے ثبوت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی روایت بھی داخل کر دی ہے۔ اب کوئی کرے تو کیا کرے؟ اور ان دسیسہ کاروں سے بھاگ کر جائے تو کہاں جائے؟ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

عُلمائے نجد

موجودہ زمانے کے نجدی علماء جو اکثر رسوماتِ بدعیہ پر بھی بلا جھجک شرک کا اطلاق کرنے سے نہیں چوکتے، اس بات کو

وہ بھی صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ :-

ومعرفۃ المیت زائرہٗ لیس مختصا بہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ ج ۱ ص ۱۶۶)

میّت کا اپنے زیارت کنندہ کو پہچاننا صرف آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہی سے مختص نہیں ہے، (بلکہ ہر میّت اپنے زائر کو پہچانتی ہے)۔

حضرت عائشہ رض کی جس روایت کی طرف اس عبارت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یوں ہے :-

عن عائشۃ رض قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وانّی واضع ثیابی واقول انما ھو زوجی وابی فلما دُفن عمر رض معھم فواللہ ما دخلتہ الّا وانا مشدود ۃ علیّ ثیابی حیاءً من عمر رض (رواہ احمد فی مسندہ ج ۶ ص ۲۰۲ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۴ وقال الھیثمی رح رواہ احمدؒ ورجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میرے جس گھر میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور میرے والد مدفون تھے، مَیں کپڑوں کا خاص اہتمام کئے بغیر ہی اس میں داخل ہو جاتی تھی اور مَیں یہ کہتی تھی کہ میرے والد اور خاوند ہیں اور جب ان کے ساتھ حضرت عمر رض بھی دفن کئے گئے تو بخدا مَیں حضرت عمر رض سے حیا کرتے ہوئے کپڑے اوڑھ کر (اور خوب اہتمام کرکے) وہاں جاتی تھی۔ امام احمدؒ نے مسند میں یہ روایت درج کی ہے اور امام ہیثمی رح فرماتے ہیں کہ اس کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔

مؤلف مذکور جو تفسیر اور توجیہ اس صحیح روایت کی کرتے یا کر سکتے ہیں، وہی توجیہ حضرات فقہاء احناف رح وغیرہم کی ایسی عبارات کی کر دیں، ہمارا اس پر صاد ہے مگر خدارا حضرات فقہاء احناف رح کی گراں مایہ اور بلند پایہ کتابوں کو الخصوص اور دشمنوں سے تو بچائیں۔ اگر ہماری توجیہ پسند آئے تو اس کو قبول کر لیں۔ وہ یہ کہ ان عبارات میں رؤیت سے رؤیت بصری مراد نہیں ہے بلکہ رؤیت قلبی مراد ہے جس کو علم بھی کہتے ہیں۔ صراح صہ۱۵۱ میں ہے۔ رؤیۃ دیدن بچشم متعدی الی مفعول و دانستن متعدی الی مفعولین اھ یہی لفظ رؤیت آنکھ کے ساتھ دیکھنے پر بھی بولا جاتا ہے اور جاننے پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ پہلی صورت میں ایک مفعول اور دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے تفسیر خازن (ج ا صہ۲۱) اور معالم التنزیل (ج ا صہ۲۱۱) میں اَلَمْ تَرَ کے معنی اَلَمْ تَعْلَمْ کے کئے ہیں اور امام ابوبکر بن خالویہ رح فرماتے ہیں کل ما فی القرآن من الم تر فمعناہ الم تُخْبَرُ الم تعلم لیس من رؤیۃ العین (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن صہ۷)

اور حضرات فقہاء کرام رح کی ان عبارات میں رؤیت سے جاننا مراد ہے۔ کہ جب کوئی زندہ شخص قبر کے پاس آکر سلام و کلام کرتا ہے تو مردے اس کو آواز اور لب و لہجہ سے پہچان لیتے ہیں جیسا کہ نابینا حضرات لوگوں کو آواز سے پہچانتے ہیں مگر نابینا سے بھی اگر کلام کرنا ہوتا ہے تو عادۃً لوگ اس کے پیچھے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ سامنے ہی کھڑے ہوتے ہیں گو اس کو نظر کچھ بھی نہیں آتا۔ لیکن عادت یوں ہی ہے اور متکلم کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر یہ بینا ہوتا تو میں اس کے سامنے ہی

سے آتا، اب بھی ایسا ہی کروں۔ یہی حال اموات کے ساتھ کرنا چاہیئے کہ اگر وہ قبر کے مضبوط پردہ کے نیچے سے اپنی حسّی آنکھوں سے دیکھتے ہوتے تو ان کے پاس آنے والے سامنے سے ہی آتے، اس لئے اب قبر پر سامنے ہی کی طرف سے آئیں نہ کہ پیچھے کی طرف سے۔ اور ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھ کر یوں خیال اور تصوّر کریں کہ گویا وہ دیکھتے ہیں۔ اس کو ایسا ہی سمجھئے جیسا کوئی متادب شاگرد اپنے اُستاد کے مصلّے یا ان کی خاص نشست گاہ پر استاد کی غیر حاضری میں بھی کھڑا ہونے اور بیٹھنے کی ہمّت اور جُرأت نہیں کرتا اس خیال سے کہ یہ میرے اُستاد کا مقام ہے کہ اگر اُستاد محترم موجود ہوتے تو ان کی موجودگی میں یہ جرأت نہ کرتا۔ اب بھی ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھتا ہوں۔ ٹھیک اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رض بوقت زیارت کیا کرتی تھیں۔ پہلے چونکہ صرف آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر رض ہی وہاں مدفون تھے وہ تستّر کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی تھیں، جیسا کہ ان کی زندگی میں نہیں کرتی تھیں بخلاف حضرت عُمر رض کے، کہ چونکہ وہ شرعاً غیر محرم تھے اس لئے جس طرح ان کی زندگی میں وہ ان کے سامنے پردے کا اہتمام کرتی تھیں، بعد از وفات بھی اس کو ملحوظ رکھا۔

راقم اثیم کے نزدیک حضرت عائشہ رض کی یہ صحیح روایت اور اسی مضمون کی اور بعض دیگر روایات اور آثار حضرات فقہاء کرام رح کی عبارات کا ماخذ ہیں اور ایسی ہی روایات پر نگاہ رکھتے ہوئے انھوں نے یہ لکھا ہے اور یہ بات

صرف حضرت ملا علی بن القاری رح اور علّامہ شامی رح ہی نے نہیں کہی جن کو مؤلّف مذکور نے بے اعتمادی کا نشتر چبھویا ہے بلکہ دیگر متعدد حضرات فقہاء احناف رح نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ اور دوسرے حضرات نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ حسن رح بن عمار الشرنبلالی الحنفی رح (المتوفی ۱۰۶۹ھ) آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ یہ بتلاتے ہیں، کہ سلام کرنے والا آپ کے سرِ مبارک اور چہرۂ انور کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور پھر اسے تلقین کرتے ہیں کہ :-

ملاحظًا نظرہ السعید الیك وسماعہ	تو یہ خیال اور لحاظ رکھ کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالےٰ
کلامك وردّہ علیك سلامك وتأمینہ	علیہ وسلّم کی نگاہِ مبارک تیری طرف متوجہ ہے اور
علیٰ دعائك (نور الایضاح ص۱۸۹)	آپ خود تیرا کلام سنتے اور تیرے سلام کا جواب
	دیتے اور تیری دعا پر آمین کہتے ہیں۔

اس کی شرح میں علّامہ سیّد احمد طحطاوی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں:-

ای تلاحظ انہ ناظر الیك (طحطاوی ص۴۰۶)	یعنی تو یہ خیال اور تصوّر کر آپ تیری طرف دیکھتے ہیں۔

اور علّامہ رحمۃ اللہ السندھی الحنفی رح (المتوفی ۹۹۳ھ) اپنی مستند کتاب "لباب المناسک" میں آنحضرت صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے کے آداب میں یہ بھی فرماتے اور بتاتے ہیں کہ :-

متمثلا صورته الكريمة في خيالك مستشعرا بانه عليه الصلوٰة والسلام عالم بحضورك وقيامك وسلامك۔	تم اپنے ذہن اور خیال میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی مبارک صورت کا تصور باندھو یہ خیال اور تصور کرتے ہوئے کہ آپ تیرے حاضر ہونے، کھڑے ہونے اور تیرے کلام کہنے کو جانتے ہیں۔

اس کی شرح میں لفظ مستشعرا الخ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رح (المتوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ صرف اتنا ہی تصور نہ کرنا کہ آپ تیرے حضور، کلام اور سلام ہی کو جانتے ہیں۔

ای بل بجمیع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامك وكانه حاضر جالس بازائك (المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط ص ۳۳۸)	بلکہ یوں تصور کرنا کہ آپ تیرے تمام افعال اور احوال اور سفر کرکے آنے اور کھڑے ہونے کو جانتے ہیں اور یہ تصور کرنا کہ گویا آپ تمہارے سامنے حاضر اور تشریف فرما ہیں۔

ان عبارات میں صراحت کردی گئی ہے کہ روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والا آپ کو صلوٰۃ وسلام عرض کرتے وقت دل میں یہ تصور اور خیال رکھے کہ گویا آپ حاضر ہیں اور سامنے تشریف فرما ہیں اور وَكَانَّهٗ حَاضِرٌ جَالِسٌ بِازَائِكَ کا جملہ اس کی واضح دلیل ہے۔ اہلِ علم اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

علامہ السید نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعی رح (المتوفی ۹۱۱ھ) حضرت امام

محمدؒ بن محمد الغزالی رحؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

وقال فی الاحیاء واعلم انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم بحضورك وقیامك وزیارتك وانہ یبلغہ سلامك وصلوٰتك فمثل صورتہ الکریمۃ فی خیالك واخطر عظیم رتبتہ فی قلبك اھ (وفاء الوفاء ج ۲ ص۴۳۷)	امام غزالی رحؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ (اے زیارت کنندہ) تو جان لے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تیرے حاضر ہونے کھڑے ہونے اور تیرے زیارت کرنے کو جانتے ہیں اور آپ کو تیرا اسلام اور درود پہنچتا ہے۔ سو اپنے خیال اور ذہن میں آپ کی صورتِ مبارکہ کا تصوّر باندھ اور اپنے دِل میں آپ کے عظیم رتبہ کا خیال ملحوظ رکھ۔

اور علامہ سمہودی رحؒ خود اپنا فیصلہ یہ صادر فرماتے ہیں کہ :-

والادب معہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد وفاتہ مثلہ فی حیاتہ فما کنت صانعہ فی حیاتہ فاصنعہ بعد وفاتہ من احترامہ والاطراق بین یدیہ اھ (وفاء الوفاء ج ۲ ص۴۴۷)	آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح ادب سے پیش آ جس طرح آپ کی زندگی میں تھا۔ سو جس طرح تو آپ کی زندگی میں آپ کا ادب کرتا اور آپ کے سامنے سر نیچا کرتا تھا آپ کی وفات کے بعد بھی تو ایسا ہی کر۔

یہ تمام عبارات ذمّہ دار علماءِ ملّت کی ہیں اور اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل

روشن ہیں۔ مؤلفِ شفاء الصدور کس کس کا انکار کریں گے؟

علامہ احمد بن محمد القسطلانی رح (المتوفی ۹۲۳ھ) مواہب اللدنیہ میں اور اس کے شارح علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی رح (المتوفی ۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والا

ویلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر فی مقام الھیبۃ کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاتہ اذ ھو حی ویستحضر علمہ بوقوفہ بین یدیہ وسماعہ لسلامہ کما ھو فی حال حیاتہ اذ لا فرق بین موتہ وحیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالھم ونیّاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذلک عندہ جلی ظاھر لاخفاء بہ باطلاع اللہ تعالیٰ لہ علیٰ ذٰلک الخ (المواھب اللدنیہ مع شرحہ للزرقانی رح ج ۸ ص ۳۰۵)

ادب، خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے اور ہیبت کے مقام پر اپنی نگاہ کو نیچی رکھے جیسا کہ آپؐ کے سامنے آپؐ کی زندگی میں کرتا تھا، کیونکہ آپؐ زندہ ہیں اور اس بات کو ذہن میں حاضر رکھے کہ آپؐ آنے والے کے اپنے سامنے کھڑا ہونے اور اس کے سلام کو سُنتے ہیں جیسا کہ آپؐ کی زندگی کی حالت میں تھا اس لئے کہ آپؐ کی موت و حیات میں اپنی اُمت کے مشاہدہ اور ان کے احوال و نیّات و عزائم اور خیالات کو پہچانتے میں کوئی فرق نہیں اور یہ بات آپؐ کے ہاں بالکل روشن (اور) ظاہر ہے اس میں کوئی خفاء نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس پر اطلاع دیتا ہے۔

اس عبارت سے اہلِ بدعت نے آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے لئے دِلوں کے راز تک کا علمِ غیب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے مگر وہ بے چارے بیبتحضر کا مفہوم ہی نہیں سمجھے۔ استحضار کا یہ معنی ہوتا ہے کہ اپنے ذہن اور خیال میں ایک بات کو حاضر کرے اور ذہن میں پیش نظر رکھے اور اگر خارج اور نفس الامر میں بھی اللہ تعالیٰ کسی کی خلوصِ نیت اور حالت کی آپؐ کو کوئی خبر دے دے جیسا کہ علامہ زرقانیؒ باطلاع اللّٰہ تعالیٰ لہٗ علیٰ ذٰلک سے اس بات کو سمجھانا چاہتے ہیں تو شرعًا اس میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور نہ اس کا علمِ غیب سے کوئی تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صِفت ہے۔

مؤلّف ندائے حق کی باطل تاویل

مؤلّف مذکور حضرت عائشہ رضؓ کی مذکور حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " اور اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں، پھر بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑتا اور آپ کا مقصود اس سے ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ دفن عمر رضؓ سے پہلے تو حجرۂ شریفہ مخصوص تھا۔ بغیر اجازت کے کوئی اندر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر جب حضرت عمر رضؓ دفن ہوئے تو عمر رضؓ کے اقارب اگر السلام علیکم کرنے آئیں تو انھیں کون منع کرے۔ اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ جو اچھی طرح کپڑے لپیٹ لیتی تھیں، تو اقارب عمر رضؓ سے پردہ کرنے کے لئے، نہ کہ حضرت عمر رضؓ کی ذاتِ مدفونہ سے پردہ کرنے کے لئے۔ رُواۃ کے اختصار فی الحدیث سے یار لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھا

کر اموات کے لئے حواس جسد عنصری والے ثابت کرنا شروع کر دیئے۔ الحاصل حدیث مذکور اس بات پر دال نہیں کہ نبی صلعم کا سماع و بصر ثابت ہو۔ جسد عنصری کے کانوں، آنکھوں سے اہلِ دُنیا کی اصوات و ذوات کے بارے" الخ (بلفظہٖ ندائے حق صـ۱۴۱)

الجواب۔ مؤلّف مذکور نے اس صحیح حدیث کا جس رنگ اور جس طرز سے انکار کیا ہے منکرینِ حدیث بھی کبھی ایسا نہ کر سکیں۔ بات صرف یہاں ختم ہوتی ہے کہ "مَیں نہ مانوں" باقی سب بہانے ہیں۔ اور مؤلّف مذکور نے اس پر مطلقاً غور نہ کیا اور نہ اس کا باحوالہ ثبوت دیا کہ حضرت عمرؓ کے دفن سے پہلے حجرہ شریفہ یوں مخصوص تھا کہ بغیر اجازت کے اندر کوئی نہیں جا سکتا تھا؟ اس کا کیا ثبوت اور حوالہ ہے؟ کون اجازت مانگتا تھا اور کس سے مانگتا تھا؟ یہ صحیح روایت تو خود صاف بتاتی ہے کہ جب آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور حضرت ابُوبکرؓ مدفون ہو چکے تھے تو حضرت عائشہؓ اس حجرہ شریفہ میں نہیں رہتی تھیں بلکہ وہ فرماتی ہیں کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحدیث کہ مَیں اپنے اس کمرے میں داخل ہوتی تھی جہاں آپؐ مدفون تھے۔ اور پھر وہ تصریح فرماتی ہیں کہ جب حضرت عمرؓ مدفون ہو چکے تو وہ پردے کا اہتمام کر کے جاتی تھیں اور یہ کارروائی حضرت عمرؓ کے اقارب سے نہیں بلکہ خود حضرت عمرؓ سے حیا کی بنا پر تھی۔ اور "حیاءً من عمرؓ" کے الفاظ اس میں صراحت سے موجود

ہیں۔ پھر مؤلّف مذکور کو یہ ہمت بھی نہیں ہوسکی کہ وہ حضرات محدثین کرام رح کے حوالہ سے یہ بتاتے کہ اصل روایت یہ تھی اور رُواۃ کے اختصار سے اس کا نقشہ یہ بن گیا ہے۔ اور اُلٹا وہ یار لوگوں کو بلا وجہ کوستے ہیں کہ انھوں نے اس حدیث سے ناجائز فائدہ اٹھایا ــــ یار لوگوں نے تو اس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا البتہ مؤلّف مذکور نے اس کی بالکل ناروا اور باطل تاویل کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا ہے اور الحاصل کے بعد جس طرح انھوں نے غلط نتیجہ نکالا ہے، وہ ان کی کم فہمی کا رونا رو رہا ہے۔ جب آنحضرت صلّی اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا جسدِ عنصری محفوظ ہے اور رُوح مبارک کا اس سے قوی تعلّق ہے تو آپؐ قریب سے کانوں سے اہلِ دُنیا کے اصوات کیوں نہیں سُن سکتے اور جسدِ عنصری کی آنکھوں سے قبر اور برزخ کی چیزوں کو کیوں نہیں دیکھ سکتے ؟

(۳) یہی مؤلّف لکھتے ہیں کہ ــ " اگر تو یہ کہے کہ اگرچہ ہم اس بات کی سمعی دلیل تو نہیں جانتے لیکن ہم ان جلیل القدر فقہاء کرام رح پر اعتماد کرتے ہیں کیونکہ وہ جھوٹ تو نہیں کہتے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ دلائل کی بنا پر کہا ہے۔ مَیں یہ کہتا ہُوں کہ ہم نے یہ تسلیم کیا کہ حضرات فقہاء کرام رح جھوٹ نہیں بولتے لیکن خطا اور نسیان تو ممکن ہے۔ مولانا محمد عبدالحی لکھنوی رح فرماتے ہیں کہ بسا اوقات مصنّف فی نفسہٖ معتبر ہوتا ہے مگر اس کی کتاب نامعتبر ہوتی

ہے کیونکہ اس نے اس میں تنقید و تنقیح کا التزام نہیں کیا ہوتا اور اس میں وہ تدقیق و توضیح کے بغیر ہر رطب و یابس جمع کیا ہوتا ہے (مقدمہ عمدۃ الرعایہ صـ۱۲۔ شفاء الصدور صـ۹۷ محصلہ مترجماً)۔"

مؤلف مذکور کی اس عبارت کا ایک ظاہری مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ علامہ ابن عابدین رح اور حضرت ملا علی بن القاری رح وغیرہ کی کتابیں ہی سرے سے نامعتبر ہیں کیونکہ وہ تنقید و تنقیح سے خالی ہیں اگرچہ ان کے مصنف فی نفسہٖ معتبر ہیں اور دوسرا مطلب جو بظاہر مؤلف مذکور کی مراد ہے، یہ ہے کہ ان کتابوں میں یہ مسائل اور جزئیات نامعتبر ہیں اس لئے کہ وہ تدقیق و توضیح سے عاری ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو مؤلف مذکور کے نزدیک ان حضرات کی ان عبارات سے اتفاق مشکل ہے۔ مگر ایک بات فہم سے بالاتر ہے وہ یہ کہ کسی مصنف کا اپنی کتاب میں تنقید و تنقیح کا التزام نہ کرنا خطا اور نسیان کیسے ہوگیا؟ اور ان دونوں باتوں میں جوڑ اور تلازم کیا ہے؟ علاوہ ازیں پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ جس میں صحیح کے پہلو میں ضعیف، اور قوی کے ساتھ کمزور، اور راجح قول کے ساتھ مرجوح اور ناسخ کے ساتھ منسوخ وغیرہ درج ہوتا ہے وہ سبھی کتابیں نامعتبر ہیں اور اس لحاظ سے کتاب اللہ تعالٰے کے بعد صحیحین کے سوا یا معدودے چند اور کتابوں کے علاوہ باقی تمام اسلامی کتابیں عام اس سے کہ وہ حدیث و تفسیر کی ہوں یا فقہ و تاریخ وغیرہ کی سبھی ہی نامعتبر ہوں؟ پھر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے

کہ کیا سبھی حضرات فقہاء کرام رح جو مختلف علاقوں اور زمانوں میں گزرے ہیں خطا اور نسیان پر کمربستہ ہو گئے اور تالیف کے اثناء میں سامنے کتابوں کا انبار ہوتے ہوئے بھی ان کا نسیان نہ گیا اور نہ خطا کے چکر سے نکل سکے۔ یہ ذہن اور نظریہ انتہائی خطرناک اور سخت مضر ہے، اور یہ نظریہ صرف مؤلف شفاء الصدور ہی کا نہیں بلکہ مؤلف اقامۃ البرہان کا نظریہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے، چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

"نشر الطیب مولانا تھانوی رح کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے جو ہر قسم کے رطب و یابس روایتوں سے پُر ہے اس لئے وہ درجۂ استناد سے ساقط ہے"۔ (بلفظہٖ اقامۃ البرہان ص۲۹)۔

یہ صحیح ہے کہ نشر الطیب میں کمزور اور ضعیف روایات بھی ہیں لیکن اس میں قرآنِ کریم کی آیات اور صحیح احادیث اور مستند اقوال بھی تو موجود ہیں۔ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ مؤلف مذکور نے ساری کتاب ہی کو درجۂ استناد سے ساقط کر دکھایا ہے۔ سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ

(۴) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ" ملا علی ن القاری رح اپنی کتابوں میں بہت غلطیاں کر جاتے ہیں۔ اطمینان کے لئے مقدمہ تنسیق النظام اور شرح نخبۃ الفکر پر حواشی عبد اللہ ٹونکی کو دیکھ لو۔ محمد حسن سنبھلی رح فرماتے ہیں کہ ملا علی ن القاری حنفی رح کی بہت عجیب حالت ہے۔ موافق مخالف رطب و یابس صحیح

ضعیف سب نقل کر دیتا ہے۔ حدیثوں کی تنقیح اور ان کا امتیاز نہیں کرتا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اکثر تصانیف عجلت سے لکھی گئی ہیں پھر قاری صاحب کی ہر بات پر اعتماد کرنا درست نہ ہوا خصوصاً جبکہ وہ سبکیؒ اور سیوطی کی تقلید میں کوئی بات لکھ جائیں۔ اسی طرح ابن عابدین نے محمّد بن عبدالوہاب کے بارہ میں سُنی سُنائی بات لکھ دی"۔ (ترجمہ شفاالصدور ص۱۰ و ص۱۱)

مؤلّف مذکور کی مُراد واضح ہے کہ حضرت ملا علی ن القاری رح اور علامہ ابن عابدین الشامی رح کی ہر بات قابلِ اعتماد نہیں ہے اور اس ہر بات سے مؤلف مذکور کی مُراد یہاں پر وہ مسئلہ اور جزئیہ ہے جس میں ان دونوں بزرگوں نے روایات پر اعتبار کرتے ہوئے جمہور اور اکثریت کا ساتھ دیا ہے اور ان کے نامعتبر اور غیر قابل اعتماد ہونے کی وجہ بھی مؤلّف مذکور کے ہاں صرف یہی ہے

(۵) چلیئے سُبکی رح، سیوطی رح، نووی رح، اور قاضی عیاضؒ و زرقانی رح وغیرہ شافعی اور مالکی ہیں، ان کی بات نہ سہی۔ جن اکابر فقہاء احناف رح نے سماعِ موتیٰ کا اقرار کیا ہے مثلاً ابن الہمام رح، علامہ عینی رح، ملا علی ن القاری رح، علامہ آلوسیؒ، بحر العلوم رح، مولانا نانوتوی رح وغیرہ حضرات، تو یہ جملہ حضرات حنفی ہیں اور یہ سب سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ ان کی بات ہی تسلیم کر لیتے یا ان کی بات بھی محال است و جنوں کا مصداق ہے؟ اگر حضرات علماءِ اسلام پر بے اعتمادی کا یہی عالم رہا تو پھر منکرینِ حدیث اور باطل فرقوں کے نظریات بلا روک ٹوک مُسلمانوں میں

سرایت کریں گے اور معاذ اللہ تعالیٰ اسلامی مسائل کا حُلیہ بگڑ جائے گا۔

حضرت ابوُہریرہؓ غیر معروُف الفقہ والعدالۃ ہیں (معاذ اللّٰہ تعالےٰ)

ان حضرات کو اپنی قائم کردہ غیر معصُوم رائے پر اتنا اصرار ہے کہ اجماع اور جمہُور اور مسلّم حضرات فقہاء کرام رح کو کوسنے سے گریز کرنا تو درکنار انھوں نے حضرات صحابہ کرام رضؓ پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے (معاذ اللہ تعالےٰ)۔ کسی کی بات کو اعرابی اور جنگلی کہہ کر ٹال گئے ہیں اور کسی کی بات کو یہ کہہ کر کہ صحابی کی بات حُجت نہیں، اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی تو عدالت ہی کا انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ مؤلّف ندائے حق حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت پر کلام کرتے ہوُئے لکھتے ہیں کہ :۔

" پھر بیہقی کو بھی صرف تمام لاکھ سے زائد صحابہ رضؓ میں سے، جن میں معروف بالاجتہاد والفقہ بھی تھے، ایسی اہم اور ضروری حدیث، جس کا انکار موجب فسق وضلال ہے۔ صرف ایک صحابی غیر معرُوف الفقہ والعدالۃ یعنی حضرت ابوہریرہ ہی سے روایت ملی جس کی روایت عموم قرآنی اور عام قاعدہ کے خلاف ہو تو مسترد کر دی جاتی ہے جیسے ان کی مصرّاۃ والی روایت کو احناف رح نے فرما دیا کہ خلاف قرآن ہے الخ" (ندائے حق صہ ۱۲۵)

حضرت امام بیہقی رح کا تو کمال ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے سماع عند القبر کے بارے میں ایک صحابی کی روایت کی نشاندہی تو کر دی

ہے مگر مؤلف ندائے حق اور ان کی پوری جماعت اس سے یقیناً قاصر رہی ہے اور تاقیامت قاصر رہے گی کہ وہ کسی ایک ہی صحابی سے یا کسی ایک ہی تابعی سے یا کسی ایک معتبر محدث اور فقیہ سے صاف اور صریح الفاظ میں یہ ثابت کر دے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے اگرچہ بعض حضرات فقہاء کرام رح نے یہ تو لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض مجتہد اور فقیہ نہ تھے لیکن خود محققین احناف نے اس کی سختی سے تردید کی ہے۔ ملاحظہ ہو العرف الشذی صد ۳۹۲ وغیرہ) مگر یہ کسی فقیہ نے لکھا ہے کہ وہ معروف العدالۃ بھی نہ تھے اگر حضرت ابوہریرہ رض کی عدالت ثابت نہیں ہے جو ثقاہت راوی کے لئے ایک بنیادی شرط ہے تو ان کی تمام حدیثیں قابلِ رد ہیں۔ اور اس باطل نظریہ کے قائل شاید جناب غلام احمد صاحب پرویز بھی نہ ہوں۔ آخر وہ بھی تو مفیدِ مطلب روایات کو تاریخ کی حیثیت دے کر تسلیم کر لیتے ہیں۔

حضرات فقہاء احناف رح ایرے غیرے نتھو خیرے ہیں اور ان کی کتابیں پوتھیاں ہیں (معاذ اللہ تعالےٰ)

امام ابن الہمام رح، حضرت ملا علی ن القاری رح، علامہ بحر العلوم رح، علامہ رحمۃ اللہ السندی الحنفی رح، علامہ شرنبلالی رح اور حضرت مولانا گنگوہی رح وغیرہ احناف رح نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب زائر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض

کرنے اور طلب دُعا کی التجاء سے فارغ ہو جائے تو پھر حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض سے سلام عرض کرے۔ اور یوں کہے کہ آپ میرے لئے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے میری مغفرت کی دُعا کی سفارش کریں (محصلہ) ان میں سے بعض کے حوالے راقم نے تسکین الصدور طبع اوّل میں عرض کئے تھے اور کچھ طبع ثانی میں موجود ہیں۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین (ابوبکر رض و عمر رض) سے درخواست کہ تم حضور ص کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے۔ یعنی واسطہ در واسطہ، بریلویوں سے ایک قدم آگے۔ وہ تو کہتے ہیں' اے فقیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے (دُعا و التجاء) ہے اور یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں۔ ہماری ابوبکر و عمر کے آگے اور ان کی حضور کے آگے اور پھر حضور کی اللہ کے آگے۔ واہ ری دیوبندیت جدیدہ ترمیم شدہ الیٰ ان قال۔ جیسے وہ (بریلوی) لوگ اپنے مسلک کی تائید میں کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کا قول کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالتے ہیں اگرچہ کتاب و سنّت کے خلاف ہو، ایسے ہی تم نے بھی اپنی تائید میں کتابوں کے حوالے پیش کئے۔ دلائل اربعہ (کتاب و سُنّت اجماع و قیاس مجتہد) میں سے نہ ان کا دعویٰ ثابت اور نہ تمھارا۔ یہود و نصاریٰ بھی توریت و انجیل کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی پوتھیاں پیش کرتے ہیں" اھ (بلفظہٖ ندائے حق صلا۶۷، صلا۶۸) مطلب واضح ہے کہ یہ جلیل القدر حضرات فقہاء احناف رح ایرے غیرے

نتھو خیرے ہیں اور ان کی یہ کتابیں پوتھیاں ہیں اور تم ان کی بات ڈھونڈ نکالنے والے بناسپتی دیوبندی ہو، واہ ری دیوبندیت جدیدہ ترمیم شدہ۔ مگر افسوس ہے کہ مؤلّف مذکور بقول خود اصلی دیوبندیت کے کسی حامی بزرگ سے کتاب و سنّت اور اجماع و قیاس مجتہد سے ایک حوالہ بھی اس کے عدم جواز پر صراحت سے پیش نہیں کر سکے اور نہ تا قیامت پیش کر سکتے ہیں۔ اور خیر سے وہ بایں ہمہ اصلی دیوبندی بنے ہوئے ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

مؤلّف مذکور بلاوجہ محض اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے ہمیں بزور بریلی ہونے کا ناروا طعن دیتے ہیں حالانکہ ہمارے اکابر علماء دیوبند سماع موتیٰ میں روح کے ساتھ جسد عنصری کی مشارکت کے بھی (گو بعض کے نزدیک جسم مثالی سے تلبّس بھی ہو) قائل ہیں۔ اور مولوی احمد رضا خان صاحب صرف روح کے سماع کے قائل ہیں اور جسم مثالی سے یہ تعلّق تسلیم کرتے ہیں اور یہی نظریہ مؤلف ندائے حق اور ان کے ہمنوا دوستوں کا ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں :-

عرض۔ اُم المؤمنین صدّیقہ رضی اللّٰہ تعالےٰ عنہا کا انکار سماعِ موتیٰ سے رجوع ثابت ہے یا نہیں ؟

ارشاد۔ نہیں۔ وہ جو فرما رہی ہیں، حق فرما رہی ہیں۔ وہ مُردوں کے سُننے کا انکار فرماتی ہیں۔ مُردے کون ہیں؟ جسم روح مُردہ نہیں اور بے شک جسم

نہیں سُنتا، رُوح سُنتی ہے، الخ۔ پھر آگے لکھتے ہیں :۔

سماع کے عُرفی معنیٰ ان آلات کے ذریعہ سے سُننا اور یہ یقیناً بعد مرنے کے روح کے لئے نہیں۔ روح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے، اس کے جسم کے کانوں سے سُنتی ہے الخ۔ (ملفوظات حصّہ سوم صد۳۳)

غور کیجئے اور انصاف سے فرمائیے کہ اس مسئلہ میں خانصاحب بریلوی کا ہمنوا کون ہے ؟ مگر دُنیا میں ایسا ہوتا رہا کہ چھاننی لوٹے کو دو سوراخ ہونے کا طعن دیتی ہے۔

(۷) جمہُور کی توہین

مسئلۂ استشفاع عند القبر اور سماعِ موتیٰ کی چونکہ جمہُور اُمّت قائل ہے اور حضرات فقہاءِ احناف رح اور ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی اکثریت اس کی قائل ہے اور مؤلف ندائے حق چونکہ جمہُور کے قائل نہیں ہیں، اس لئے ایک مقام پر جمہور سے برہم ہو کر علمی ہوش کو بالائے طاق رکھ کر خالص جوش میں آکر لکھتے ہیں :۔

" اگر جمہُور کا یہ حال ہے تو ہم ایسے جمہُور کی اتباع سے رہے۔ ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں (ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو جمہور کی معیّت نصیب فرمائے، آمین۔ صفدر) ہم ایسے جمہور کے عاشق نہیں۔ ہمیں تو قرآن و سُنّت و اجماع مجتہدین کافی ہیں۔ (معاف رکھنا یہ سب جمہُور کے ساتھ ہیں بلکہ جمہُور ان پر عامل ہیں اور آپ کے پاس صرف لفظوں کی شعبدہ بازی ہے اور بس صفدر)

یہ جمہور زُنبور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو الخ" (بلفظہٖ نذائے حق صـ۳۰۳) ۔

قارئین کرام ! آپ مؤلف مذکور کا اندازِ گفت گو ملاحظہ کریں کہ اُنھوں نے جمہُور کو کیا کہا ؟ اور کن الفاظ سے یاد کیا ہے ۔ عربی زبان میں زُنبور بھڑ کو کہتے ہیں جو چھوٹی سُرخ رنگ کی ہوتی ہے اور بڑی بھڑ کو کابلی بھِڑ کہتے ہیں جو مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور زہریلا ڈنگ مارتی ہے ۔ مگر سخت افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے جمہور کو بھی زُنبور بنا ڈالا ہے ۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ جب ان کے نزدیک جمہُور کا یہ ادب واحترام ہے تو ما و شما کی ان کے نزدیک کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے اور غور کیجئے کہ ایک جلیل القدر دیہاتی صحابی کے خواب کو (جس کی بحث آگے آ رہی ہے انشاءاللّٰہ تعالےٰ) جس کی تائید خلیفۂ راشد حضرت عمر رضؓ نے حضرات صحابہ کرام رضؓ کی موجودگی میں کی اور جس کی تصدیق حضرات صحابہ کرام رضؓ نے کی مؤلف مذکور نے کس بے باکی اور جسارت سے اس کو کشف خوابیں اور جنگلیوں کا مذہب کہہ کر اس کا تمسخر اڑایا ہے اور کس طرح وہ حدیث وَلَعَنَ اٰخِرُ ھٰذہِ الامۃ اَوَّلَھَا (ترمذی ج۲ صـ۴۴ و مشکوٰۃ ج۲ صـ۵۸۴) کا مصداق بن رہے ہیں ۔ اللّٰہ تعالےٰ ہمیں محفوظ رکھے ۔ آمین ۔

(۸) اور علماءِ سوء بھی ان کو تعلیم دیتے ہیں کہ اگرچہ دُور سے نہیں تو قبر کے اوپر جاکر اگر پکارا جائے اور سفارشیں کروائی جائیں اور درخواستیں بھیجی جائیں تو مُردے

سُنتے جانتے ہیں معاذ اللہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ۔ ایسے غلط عقائد اور شرکیہ خیالات اور بدعیہ حرکات وسکنات سے بچائے۔ اگر اس قسم کے شرع میں جائز ہوتے تو سب سے پہلے صحابۂ کرام رضہ سید المرسلین خاتم النبیین صلعم کی مزار مبارک پر جا کر کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید الانبیاء علیہم السّلام کی قبر مبارک کو ایسے کرتوتوں سے بچا کر رکھا ہے انتہٰی (بلفظہٖ شفاء الصدور ص۱۰۶)

بحمد اللہ تعالےٰ وحسن توفیقہٖ ہم نے استشفاع عند القبر کی کچھ بحث اس پیشِ نظر کتاب میں اور کچھ تسکین الصدور طبع دوم میں کر دی ہے کہ کیا حضرات صحابۂ کرام رض سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ لیکن مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ انھوں نے بیک جنبشِ قلم استشفاع عند القبر کے جواز کے قائلین کو علماء سوء کے زمرہ میں شامل کر دیا ہے اور آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کون کون علماء اس مد میں آتے ہیں یا بالفاظِ دیگر کون اس شاہی فتویٰ کی زد سے بچ سکتا ہے؟ اور ملاحظہ کیجئے کہ کس سینہ زوری سے انھوں نے حضرات فقہا کرام رح کے ایک جائز فتویٰ کو غلط عقائد، شرکیہ خیالات اور بدعیہ حرکات وسکنات میں جا داخل کیا ہے۔

(۹) مؤلف مذکور عنوان یوں قائم کرتے ہیں:۔ "باب پنجم۔ ملحدین و مبتدعین سماعِ موتیٰ الخ۔" (شفاء الصدور ص۱۰۷)

اس عنوان کے تحت انھوں نے بزعمِ خویش بعض فرقوں کی کچھ عبارات بھی نقل کی ہیں لیکن ان عبارات کا سماعِ موتیٰ کے اس پہلو سے ہرگز کوئی تعلق

نہیں۔ جو حضرات فقہائے کرام رح کے درمیان نزاعی ہے۔ یہ سب کچھ مؤلف مذکور کے اپنے سوءِ فہم کا نتیجہ اور ان کی اپنی ذاتی کشید ہے مگر ان کا مقصد ان تمام غیر متعلق عبارات سے صرف یہ ہے کہ سماعِ موتیٰ کا قائل ملحد اور مبتدع ہے جیسا کہ ان کے عنوان سے ظاہر ہے۔ مؤلف مذکور کے اس باطل نظریہ کے تحت آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کون کون حضرات ملحد اور مبتدع قرار پاتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

فضول بھرتی اور اس کا رد

مؤلف ندائے حق نے اپنی کتاب میں صفحہ ۱۴۵ سے صفحہ ۱۵۰ تک لفظ جمہور کا عنوان قائم کر کے خاصی بحث کی ہے۔ جس میں انھوں نے ایک بات تو یہ کہی ہے کہ ادلۃ الشرع تو چار ہیں مگر صاحب تسکین الصدور پانچویں بھی مانتے ہیں جو جمہور ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ کثرت کا کچھ اعتبار نہیں۔ اعتبار قوۃ کا ہے۔ ہمارے استاد مولانا خدا بخش صاحب رح فرماتے تھے، سو سُنار کی ایک لوہار کی اصولی قاعدہ مسلمہ ہے العبرۃ للقوۃ لا للکثرۃ۔ اور خدا کا فرمان ہے فمنھم مھتد وکثیر منھم فاسقون۔ لایستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث وقال ولکن اکثر الناس لا یشکرون وقلیل من عبادی الشکور

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رح محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

الحق حق وان قل ناصروہ والباطل باطل وان کثر ناقلوہ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۵۴)

وقال ابراهیم الخواص لیس العلم بکثرۃ الروایۃ وانما العالم من اتبع العلم واستعملہ واقتدیٰ بالسنن وان کان قلیل العلم (الاعتصام ج ۱ صفحہ ۹۴) قون ان العلماء (اهل العلم والاجتهاد) هم السواد الاعظم وان قلوا والعوام المفارق للجماعۃ ان خالفوا فان وافقوا فهو الواجب علیهم (ج ۲ ص ۲۶۶) کان سفیان الثوری یقول المراد بالسواد الاعظم هم من کان من اهل السنۃ والجماعۃ ولو واحداً کذا فی میزان الشعرانی (ضیاء ص ۳۰۸) قال الملا سعد الرومی فی مجالس الابرار فلابد ان تکون شدید التوقی من محدثات الامور وان اتفق علیها الجمهور فلا یغرنک اتفاقهم علیٰ ما احدث بعد الصحابۃ بل ینبغی ان تکون حریصا علیٰ التفتیش عن احوالهم واعمالهم فان اعلم الناس واقربهم الی اللّٰہ اشبههم بهم واعرفهم لطریقهم اذ منهم اخذ الدین وهم اصول فی نقل الشریعۃ عن صاحب الشرع وقد جاء فی الحدیث اذا اختلف الناس فعلیکم بالسواد الاعظم والمراد بہ لزوم الحق واتباعہ وان کان المتمسک بہ قلیلاً والمخالف کثیراً (ضیاء ص ۳۰۸) عن ابن مسعود رض رفعہ لیس الجماعۃ بکثرۃ الناس من کان معہ الحق فهو الجماعۃ وان کان واحداً (ضیاء ص ۳۱۰) عن ابی الدرداء رض وواثلۃ رض بن الاسقع وانس رض بن مالک قالوا یا رسول اللّٰہ ما السواد الاعظم قال من کان علیٰ ما انا علیہ واصحابی (ص ۳۱۱) قال نعیم بن حماد اذا افسدت الجماعۃ فعلیک ما کانت علیہ الجماعۃ قبل ان تفسد وان کنت وحدک

فانك انت الجماعة حينئذٍ (ص۳۲۱) قال فضیل بن عیاض الزم طرق الھدی ولا یضرك قلۃ السالکین ایاك وطرق الضلالۃ ولا تغتر بکثرۃ الھالکین قال بعض السلف اذا وافقت الشریعۃ ولاحظت الحقیقۃ فلا تبال وان خالف رأیك جمیع الخلق ... قال الکرمانی مقتضی الامر بلزوم الجماعۃ انہ یلزم المکلف متابعۃ ما اجمع علیہ المجتھدون وھم المراد بقولہ وھم اھل العلم (ص۳۳۵) قال القسطلانی فی کتاب الفتن والجماعۃ التی امر الشارع بلزومھا جماعۃ ائمۃ العلماء لان اللہ تعالیٰ جعلھم حجۃ علیٰ خلقہ .... وقال آخرون ھم جماعۃ الصحابۃ..... وقال آخرون ھم جماعۃ اھل الاسلام ما کانوا مجتمعین علیٰ امرٍ واجب علیٰ اھل الملۃ فاذا کان فیھم مخالف منھم فلیسوا مجتمعین (حاشیۃ ص۳۳۵)

حضرت شیخ الہند رحؒ فرضیّتِ جمُعہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

"اس سے اسی قدر مفہوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء فرضیت فی المدینہ کے قائل ہیں اور بعض فرضیّت فی المکۃ کو تسلیم کرتے ہیں مگر یہ قاعدہ کسی کے ہاں مسلّم نہیں کہ درصُورتِ اختلاف جس جانب اکثر ہوں اس کو ہمیشہ دُوسری جانب سے قوی اور راجح مانا جائے گا۔ آپ تھوڑا سا تامّل کریں گے تو بہت سے نظائر ہر ایک مذہب میں آپ کو ملیں گے کہ علماء قولِ اکثر کو مرجوح اور دُوسری جانب کو راجح فرماتے ہیں ..... تو کیا آپ بوجہ غربت اور مخالفتِ جمہور اس قسم کے مسائل کی

تغلیط و تضعیف فرمائیں گے ؟ یا بوجہ قوتِ دلیل اور صحتِ سند ایک جانب کو دوسری جانب پر ترجیح دینا حق فرمائیں گے، خواہ قولِ جمہور ہو یا قولِ غریب

فما هو جوابکم فهو جوابنا (احسن القرای ص۳۸)

ناظرین سمجھ چکے ہوں گے کہ علماء حق کے ہاں جمہور کی کیا حیثیت ہے ؟ جس کا نام لے لے کر عوام کو اہلِ حق کے خلاف ناجائز طریق سے اُکسایا جا رہا ہے، بھڑکایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ جمہور کی نہیں مانتے۔ اکابر کی نہیں ملنتے۔ یا سلف، جمہور اور اکابر کے گستاخ ہیں۔ یہ حربہ بعینہٖ وہی ہے جسے بریلویہ اور شیعہ اہلِ حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ الی ان قال ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

پھر کمال تعجب یہ ہے کہ ناقلین کی نقل نقل در نقل در نقل در نقل پر جمہور کا نام دھر دیتے ہیں۔ یوں تو ہر دوسرے سال جمہور کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ صاحبِ تسکین اور ان کے ہم خیال ہم نوالہ ہم پیالہ پندرھویں صدی میں سلف۔ اکابر جمِّ غفیر اور جمہور اور سوادِ اعظم کہلائیں گے الیٰ قولہ۔ ہمارے اور آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی بھی کئی مسائل میں جمہور کے خلاف تھے سیّد انور شاہ صاحبؒ کی تحقیق کئی مسائل میں جمہور کے خلاف تھی حضرت شیخ الہندرحؒ کی تحقیق بھی کئی مسائل میں مخالفِ جمہور تھی حضرت نانوتویؒ

کی تحقیق کو خود صاحبِ تسکین مان چکے ہیں کہ جمہور کے خلاف ہے۔ متقدمین و متاخرین علماء میں سے اکثر کے تفردات کتب میں درج ہیں۔ اگر جمہور بھی صحیح شرعیہ میں سے کوئی حجت ہوتی تو یہ اکابر اپنا متفرد قول بیان نہ فرماتے اور اس کو اپنا مسلک نہ بناتے۔ اگر یہ جمہور کا قول شرعی حجت ہوتا تو اس کے مخالفین سب موردِ طعن بنتے جس طرح اجماع و قیاس کے مخالفین موردِ طعن ہیں۔ الخ۔" پھر آگے لکھا ہے کہ :۔ " اور اکثر ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ دوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے۔ اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطا ہو چکی تھی تو وہی غلطی نقل نقل در نقل ہوتی چلی آئی اور اسی حسنِ ظن پر آنے والے علماء اپنی اپنی کتب میں درج کرتے چلے گئے حتیٰ کہ وہی غلط قول مشہور ہو گیا جیسے غلط العوام۔ علامہ ابن الہمام رح فرماتے ہیں کثیرًا ما یقلد الساھون الساھین (فتح القدیر ص۲۷) ابنِ نجیم فرماتے ہیں وقد یقع کثیرًا انّ مؤلفا یذکر شیئًا خطأً فی کتابہ فیاتی من بعدہ من المشائخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون لھا واصلھا ناقل مخطیٌ

اب ناظرین سوچیں کہ جس جمہور پر اترایا جا رہا ہے اس کی کیا حیثیت رہ گئی؟ بڑی محنت سے کھودا پہاڑ نکلا چوہا، پھر وہ بھی مرا ہوا۔ اب بھی جمہور کا نام لو گے؟" (ندائے حق ملخصاً ص۱۴۵ تا ص۱۵۱)۔

الجواب :۔ مؤلف ندائے حق نے مجذوبانہ انداز میں یہ جتنے حوالے پیش کئے ہیں، انھیں ایک بھی مفید نہیں بلکہ بعض ان کے سراسر خلاف ہیں، اور

ہمیں ایک بھی مضر نہیں ہے۔ یہ مؤلف مذکور کی کم فہمی اور قلتِ تدبّر کا واضح
نتیجہ ہے کہ خود دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں اور عوام الناس کو کمر باندھ کر دھوکا دینے
کے درپے ہیں۔ ان کا ان عبارات سے اپنے مطلوب پر استدلال بالکل باطل
ہے اوّلاً اس لئے کہ ہم نے نہ تو یہ کہا ہے اور نہ ہمارا یہ مؤقف ہے کہ جمہور
شرع کی پانچویں دلیل ہے۔ ادلۃ الشرع صرف چار ہیں لیکن ان ادلہ اربعہ میں
سے جس دلیل کو جمہور بیان کرتے اور اس پر عمل کرتے چلے آئے ہوں اس کو
کوئی بھی دیانت دار اور منصف مزاج عالم کبھی بھی جمہور زنبور کہہ کر ٹرخاتا
بھی نہیں رہا۔ اور نہ حضرات جمہور کے خلاف ایسے گندے الفاظ کسی نے
زبان و قلم سے نکالے ہیں۔ یہی ہوا ہے کہ جمہور کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھ
کر علمی طور پر دوسرے پہلو کو ترجیح دی ہے۔ وثانیاً اس لئے کہ اگر ایک طرف
محض کثرت ہو اور دوسری طرف قوی دلیل ہو تو سر اور آنکھوں پر ہم اس اصولی
مسئلہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ العبرۃ للقوۃ لا للکثرۃ اور یہی مقام ہے سو
سنار کی اور ایک لوہار کی۔ مگر یقین جانئے کہ مسئلہ سماعِ موتیٰ عند القبور
اس مد میں ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ سماعِ موتیٰ کا اثبات صحیح اور صریح
روایات سے ثابت ہے جس پر جمہور (اور بقول آپ کے زنبور۔ معاذ اللہ تعالیٰ)
کا عمل ہے اور نفیٔ سماعِ موتیٰ کی ایک بھی آیت کریمہ یا صحیح و صریح حدیث
موجود نہیں ہے جس کی مفصّل بحث اپنے مقام میں مذکور ہے لہٰذا قوتِ

دلیل کا فیصلہ بھی جمہور کے حق میں ہے اور جمہور کی اکثریت اور تعامل اس پر مستزاد ہے۔

وثالثاً اس لئے کہ قرآنِ کریم کی جتنی آیات اس مقام پر مؤلف مذکور نے اپنے استدلال میں بیان اور ذکر کی ہیں، وہ بالکل غیر متعلق ہیں کیونکہ پہلی آیت میں ہدایت کے مقابلہ میں جس فسق کا ذکر ہے وہ کفر ہے۔ اسلام اور کفر، توحید اور شرک وغیرہ بنیادی مسائل میں حق متعین منصوص اور محکم ہے لہٰذا حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور مسئلۂ سماعِ موتیٰ کی ہرگز یہ پوزیشن نہیں ہے۔ اس میں قائلین اور مانعین، دونوں طبقے مسلمان اور اہل السنّت والجماعت سے وابستہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک طرف اکثریت اور جمہور ہیں اور دوسری طرف اقلیت اور اُمّت میں گنے چُنے چند افراد ہیں۔ اور دوسری آیت اس لئے کہ خبیث و طیب میں حرام و حلال کا تقابل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مُسلم قوم کی بدقسمتی سے کہیں حرام کی کثرت ہو جائے تو وہ حلال کی قِلّت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ حرام حرام ہے اور حلال حلال ہے۔ اور سماعِ موتیٰ کا مسئلہ نفیاً و اثباتاً اس طرز کا نہیں ہے، وہ ایک اختلافی مسئلہ ہے نہ کہ حرام و حلال کی کوئی حسّی چیز۔ پھر مؤلف ہی از روئے انصاف اور دیانت، یہ فرمائیں (بشرطیکہ یہ دولت ان کے پاس ہو) کہ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کا کون سا پہلو خبیث اور کون سا طیب ہے؟ اور

پھر ان میں سے کون سا گروہ خُشّاع کا اور کون سا طیبین کا ہے ؟ جرأتِ رندانہ اور جسارتِ مجذوبانہ تو ان کو حاصل ہے ہی۔ جس طرح جمہور کو زنبور کہنے سے وہ نہیں چُوکے یہاں بھی تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر بے لاگ اور بے توقف طریقہ سے ضرور خُشّاع اور طیبین کے گروہ کی تعیین کرتے جائیں؟ کیونکہ ؎

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حُور و خیام سے گزُر بادہ و جام سے گزُر

اور تیسری اور چوتھی اس لئے کہ اختلاف اس میں یہ ہے کہ جہاں کسی مسئلہ کے دو پہلو ہوں اور دونوں پر مُسلمانوں کے بڑے بڑے علماء عامل ہوں، تو اکثریت اور جمہور کے پہلو کو دُوسرے پر ترجیح ہو گی۔ مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم اور ایک گونہ عبادت ہے، کیا اس کی ناشکری کا پہلو بھی جائز اور مستحسن ہے تاکہ اس کا تقابل شکرگزاری سے کر کے ووٹوں کی گنتی کر کے اکثریّت اور اقلیت کو متعین کیا جائے؟ اختلاف نری کثرت اور محض قلّت میں نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں ہے جہاں جانبین مُسلمان عُلماء اور خدا پرست ہوں۔ ایک طرف اکثریّت ہو اور دُوسری طرف اقلیّت، تو کس کا ساتھ دینا زیادہ مناسب ہے؟ اور یدُ اللّٰہ علی الجماعۃ کا مفہوم کس پر زیادہ صادق آتا اور کس پر چسپاں ہے : ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

ثالثاً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کی عبارت میں حق و باطل کے الفاظ صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ معاذاللّٰہ تعالیٰ اگر سماعِ موتیٰ کا مسئلہ سرے سے باطل ہے تو آں حضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اس کا ثبوت کیوں فراہم فرمایا؟ اور حضرات صحابہ کرام رض سے لے کر اس وقت تک اُمّت کی اکثریت اس باطل پر کیسے جمی رہی؟ لہٰذا یہ حوالہ بھی مؤلّف کو مفید نہیں ہے۔

ورابعاً حضرت ابراہیم خواص رح کا حوالہ بھی ان کے لئے مفید نہیں بلکہ مُضر ہے اس لئے کہ یہاں افراد کی قلّت اور کثرت کا تقابل نہیں بلکہ ایک ہی شخص میں کثرت روایت اور قلّت علم کی صفت کا بیان ہے۔ یعنی اگر ایک شخص کے پاس کثرت سے روایتیں تو نہیں بلکہ وہ قلیل العلم ہے مگر اپنے علم کے بموجب عمل کرتا اور سُنن کی اقتداء اور پیروی کرتا ہے تو وہی صحیح معنی میں عالم ہے، نہ وہ کہ اُس نے کتابوں کے انبار تو جمع کر دیئے ہوں مگر عمل کا صفر ہو۔ جو کمثل الحمار یحمل اسفارًا۔ کا مصداق ہے۔ اور اس میں اقتدیٰ بالسنن کا جملہ صاف طور پر اس کا مقتضی ہے کہ مثلاً وہ سماعِ موتیٰ کی حدیثوں کا قائل ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے اپنی ناقص رائے اور نارسا عقل کی کسوٹی پر ان کو نہ پرکھے اور نہ ان کی غلط اور دور از کار تاویلات کرے جیسا کہ نیلوی صاحب کا یہ محبوب مشغلہ ہے۔ و رابعاً اس لئے کہ سوادِ اعظم کی تعریف میں علماء اور اہل السنّت والجماعۃ کا تذکرہ ہے اور ان کا تقابل عوام سے ہے۔ جو جماعت صحابہ رض سے الگ اور اہل سنّت کے راستہ کے خلاف ہو

ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ لیکن مسئلۂ زیر بحث میں اہل السنّت اور اہلِ بدعت کا اور علماء اور عوام کا تقابل نہیں ہے بلکہ علماء کا علماء سے اور اہل السنّت کا آپس میں اختلاف ہے۔ اس لئے یہ حوالہ بھی اُن کو سُود مند نہیں ہے۔

وخامسًا مجالس الابرار کا حوالہ بھی غیر متعلّق ہے کیونکہ اس میں ان بدعات اور محدّثات الامور کا ذکر ہے۔ جن پر حضرات صحابۂ کرام رضؓ کے بعد جہالت اور نفس پروری کی وجہ سے اکثریت کا تعامل ہو۔ ایسے مواقع پر سوادِ اعظم اور التزام حق کی پیروی کا سبق دیا گیا ہے۔ اور یہ بات بالکل حق ہے۔ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ حضرات صحابۂ کرام رضؓ کے بعد کی پیداوار نہیں بلکہ اُسی دور کا ہے اور صحیح صریح اور مرفوع احادیث سے ثابت ہے اور بجُز حضرت عائشہ رضؓ کے اور حضرت ابنِ عباس رضؓ کے (اگر معقول طریقہ سے اُن کا قول ثابت ہو جائے تب) جو فہم صحابی حجّت نہیں، کے تحت داخل ہو کر قابلِ عمل نہیں۔ اور خود مؤلّف "ندائے حق" نے ص۱۴۴ و ص۱۴۵ میں فہمِ صحابی کا عنوان قائم کر کے اس پر بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ "راوی صحابی کا فہم معتبر نہیں" — اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ یہ مسئلہ محدثات الامور کی مد میں ہے۔

وسادسًا حضرت ابنِ مسعود رضؓ کی مرفوع روایت بھی مؤلّف مذکور کو سود مند نہیں کیونکہ اس میں حق کا لفظ ہے جو باطل کے مقابل اطلاق ہوتا ہے اور مسئلۂ زیر

بحث میں حق و باطل کا نزاع نہیں بلکہ صواب و خطا کا اختلاف ہے۔ کیوں کہ مختلف فیہا اور اجتہادی اور فروعی مسائل کا اہل حق کے ہاں یہی مقام ہوتا ہے۔ قطعی حق اور قطعی باطل کا معاملہ یہاں نہیں ہوتا۔ اسی طرح سواد اعظم کی تفسیر میں ما انا علیہ و اصحابی کا ارشاد بھی بجا ہے اور ہمارے حق میں ہے کیونکہ سماع موتی کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرام رض سے ثابت ہے بجز حضرت عائشہ رض کے کہ وہ اس میں متفرد ہیں اور فہم صحابی حجت نہیں ہے اس لئے یہ حدیث بھی جمہور کی تائید میں ہے نہ کہ تردید میں نعیم بن حماد کے قول، کہ جب جماعت ساری بگڑ جائے تو اکیلا جماعت ہے، کا یہ مطلب ہے کہ اگر بالفرض ساری جماعت بھی حق چھوڑ دے تو پھر تو اکیلا جماعۃ ہے۔ یہاں نہ کسی نے حق چھوڑا ہے نہ جماعت بگڑی ہے بلکہ حق پر قائم ہے۔ اسی طرح حضرت فضیل رح بن عیاض رح کا قول بھی ہمیں مضر نہیں۔ کیونکہ اس میں ہدایت اور ضلالت کا تقابل ہے اور بصورت گمراہی ہلاک ہونے والوں کا ذکر ہے اور اس کا بھی تذکرہ ہے کہ جب تیری رائے شریعت اور حقیقت کے موافق ہو تو پھر ساری مخلوق کی مخالفت کی بھی پروا نہ کر اور یہ مسئلہ اس رنگ کا نہیں ہے۔ یہ شریعت و حقیقت کے بھی موافق ہے اور اس میں اکثر مخلوق کی موافقت بھی ہے نہ کہ مخالفت۔ اور علامہ کرمانی رح کا ارشاد بھی درست ہے کہ لزوم جماعت کے امر کا مقتضیٰ یہ ہے، کہ مکلف مجتہدین کے اجماعی مسائل کا پابند ہو۔ اور وہی اہل علم ہیں۔ آگے حضرت مولانا

سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ میں اماموں میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ جنھوں نے اس کے خلاف کہا ہے ان کی بات غلط ہے۔ لہٰذا سماعِ موتیٰ کا قائل مجتہدین حضرات کا پیرو ہے۔ اسی طرح علّامہ قسطلانی رح کے ارشاد میں جماعت کے مفہوم سے ائمۃ العلماء، جماعۃ الصحابہ رض اور جماعۃ اہل الاسلام مُراد لی گئی ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں تمام اہل سلام کا اجماع و اتفاق تو نہیں یہ مسئلہ اختلافی ہے لیکن ائمۃ العلماء، جماعۃ الصحابہ رض اور جماعۃ اہل الاسلام کی اکثریت کا یہی مسلک ہے۔

وسابعاً حضرت شیخ الہند رح کا ارشاد بھی یہی صحیح ہے۔ وہ جمہور اور اکثریت کے قول کو تسلیم کر کے راجح و مرجوح کا فرق اور لفظ ہمیشہ تحریر فرما کر اسے بیان فرماتے ہیں جو ایک خالص علمی اور تحقیقی بات ہے۔ حضرت شیخ الہند رح مؤلف ندائے حق کی طرح معاذ اللہ تعالیٰ ہٹ دھرم اور ضدّی نہ تھے۔ مؤلف مذکور تو اس مسئلہ میں سرے سے اختلاف ہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ــ" اور عدم سماعِ موتیٰ پر تمام صحابہؓ کرام کا اجماع ہو گیا" ـــــ" پس مطلب حل ہو گیا کہ سب صحابہ کا عدمِ سماعِ موتیٰ پر اجماع ہے"۔ (ص ۱۵۱) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اور پھر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ جب اکثریت اور جمہور کا قول جو محض قیاسی اور اجتہادی ہی نہ ہو بلکہ اس کا مبنیٰ اور بنیاد صحیح

صریح اور مرفوع احادیث پر قائم ہو تو اس کو کیسے مرجوح قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ بعض حضرات فقہاء کرام رح نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جب مسئلہ اور حادثہ میں حضرات ائمہ رح سے کچھ منقول نہ ہو اور حضرات متاخرین رح میں اختلاف ہو تو اکثر کے قول پر عمل ہوگا چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رح الحاوی (للقاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی الغزنوی رح المتوفی فی حدود ۶۰۰ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:۔

وذکر فی الحاوی انہ اذا لم یوجد فی الحادثۃ عن واحد من ائمتنا جواب ظاہر وتکلم فیہ المشائخ المتأخرون قولاً واحداً یوخذ بہ فان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین ممن اعتمد علیہ کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث وغیرہم ممن یعتمد علیہ الخ (نقد مسئلہ عمدۃ الرعایۃ ص۱۳)

حاوی میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب کسی حادثہ میں ہمارے ائمہ کرام رح سے کوئی جواب ظاہر نہ ہو اور اس میں مشائخِ متاخرین رح نے کلام کیا ہو اور ان کا صرف ایک ہی قول ہو تو اس کو لیا جائے گا اور اگر انھوں نے اختلاف کیا ہو تو پھر اکثر حضرات کا جن پر اعتماد کیا گیا ہو قول لیا جائے گا۔ مثلاً امام ابو حفص رح امام ابو جعفر رح اور امام ابو اللیث رح وغیرہم جو قابلِ اعتماد حضرات ہیں

اور شارح مواقف ایک آیت کی دو تفسیریں نقل کرتے ہیں اور پھر آخر میں فرماتے ہیں:۔ والمعتمد ھو قول الاکثرین (شرح مواقف ص۱۶۷ طبع نولکشور لکھنؤ)

الغرض اختلافی مسائل میں اکثریت اور جمہور کے قول کو اگر معمول بہ نہ بھی بنایا جائے اور کسی معقول اور قوی وجہ سے اس کے مدِمقابل قول کو لیا جائے تب بھی جمہور کو نہ نعوذ کہہ کر ان کو ہدفِ ملامت بنانا بھی تو کسی عالم کا کام نہیں ہے۔

(۳) تامنا مؤلف ندائے حق کا یہ کہنا کہ ناظرین کرام سمجھ چکے ہوں گے کہ علماءِ حق کے ہاں جمہور کی کیا حیثیت ہے الخ۔ سو گزارش ہے کہ ناظرین کرام بحمد اللہ تعالیٰ بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ جمہور کی حیثیت اختلافی مسائل میں بڑی مستحکم ہے اور ان کی خدمات اور حق پسندی قابلِ صد تحسین ہے۔ جمہور کو اہلِ حق کے مقابلہ میں لا کھڑا کرنا اور ان کو اہلِ حق سے نکال دینا اور پھر جمہور کے طریق کو ناجائز سے تعبیر کرنا اور سلف و جمہور اور اکابر کا مذاق اڑانا اور پھر جمہور کو بریلویہ اور شیعہ سے تشبیہ دے کر دلِ ماؤف کی بھڑاس نکالنا اور اس پر موج میں آکر۔ "نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن"۔ چسپاں کر کے جمہور کے منصوص مسلک کو ایک گونہ کفر سے تعبیر کرنا پرلے درجہ کی شقاوت قلبی اور خود رائی ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من سوء الفہم۔

(۹) تاسعًا مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ ناقلین کی نقل نقل در نقل در نقل در نقل پر جمہور کا نام دھر دیتے ہیں۔ یوں تو ہر دوسرے سال جمہور کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا الخ۔ ان کے باطن اور ذہن کی غمازی کرتا ہے کہ جمہور کی کثرت اور تعداد میں اضافہ ہی سے مؤلف مذکور نالاں اور بے بس ہو کر جمہور کو چلی کٹی

سُنا رہے ہیں مشہور ہے کھسیانی بلّی کھمبہ نوچے۔ محترم! اگر گزشتہ چودہ صدیوں میں جمہور اور اکثریت کی معیّت بحمد اللہ تعالےٰ صاحبِ مسکین کو حاصل ہے تو پندرھویں صدی کے لوگوں کو بھی سلف، اکابر، جمِ غفیر، جمہور اور سوادِ اعظم کی پیروی نصیب ہو جائے تو یہ ان کی سعادت اور نیک بختی ہو گی اور جلنے والوں کی حرماں نصیبی ہو گی۔ مگر کوئی کیا کر سکتا ہے جبکہ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

بلاشبہ ہمارے پیر و مُرشد قدس اللہ تعالےٰ سرہ اور حضرت شاہ صاحبؒ اور شیخ الہندؒ اور حضرت نانوتویؒ وغیرہ حضرات نے اپنے علم اور تحقیق کی بنا پر اپنے تفردات کو بھی لیا ہے مگر یقین جانیئے کہ نہ تو انھوں نے جمہور کو زنبور کہا ہے اور نہ اُن کا مذاق اُڑایا ہے اور نہ اُنھوں نے یہ فرمایا ہے کہ علماءِ حق کے ہاں جمہور کی حیثیت کیا ہے؟ محترم! جس ڈگر پر آپ اور آپ کے بعض ضدّی حواری چل رہے ہیں، یہی کُتُبِ اِسلامیہ پر سے کُلّیتہً اعتماد اُٹھانے اور جمہور کو نامعتبر سمجھنے کا وہ راستہ ہے جسے اِسلام کے کُھلے مخالف بھی شاید سرانجام نہ دے سکیں جمہور حجج شرعیہ تو نہیں مگر حجج شرعیہ پر گامزن ضرور ہیں۔ کِسی مسئلہ میں ان کے خلاف قول اختیار کرنے والے حضرات اگر علمی اور تحقیقی طور پر فروعی مسائل میں بزعمِ خود کِسی قوی دلیل کے پیشِ نظر اپنے قول اور رائے پر عامل ہیں تو معذور ہو سکتے

ہیں لیکن اگر وہ محض ہوائے نفسانی اور تحزّب و تعصّب کا شکار ہو کر ایسا کرتے ہیں تو یقیناً وہ موردِ طعن ہیں۔

دعاشرًا مؤلّف مذکور کہتے ہیں کہ اکثر ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دُوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہُوئے اس کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے۔ اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطا ہو چکی تھی تو وُہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آئی الخ۔ سو عرض یہ ہے کہ سماعِ موتیٰ عند القبُور کا مسئلہ نہ کسی پہلے عالم کی خطا اور غلطی ہے اور نہ پچھلوں کی نقل در نقل میں غلطی اور خطا واقع ہوئی ہے یہ مسئلہ اس نبی معصوم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے جن کی بات میں سرے سے غلطی اور خطا کا احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (کیوں کہ جہاں اجتہادی مسائل میں خطا اور زلّت صادر ہوتی رہی وہاں منجانب اللہ تنبیہ نازل ہوتی رہی اور آپؐ کو خطا پر باقی نہیں رکھا گیا مگر اس مسئلہ کی یہ حیثیّت نہیں ہے) حافظ ابن الھمام رح اور علّامہ ابن نجیم رح کے حوالے دُرست اور صحیح ہیں مگر اس مسئلہ سے غیر متعلّق ہیں جیسا کہ بالکل واضح ہے مؤلّف مذکور بزعم خود دُشوار گزار مورچہ سر کرکے یوُں گوہر افشانی کرتے ہیں کہ "اب ناظرین سوچیں کہ جس جمہُور پر اِترایا جا رہا ہے اُس کی کیا حیثیت رہ گئی! بڑی محنت سے کھودا پہاڑ نکلا چُوہا، پھر وہ بھی مرا ہُوا۔ اب بھی جمہُور کا نام لوگے؟" بلفظہٖ ناظرینِ کرام خود انصاف فرمائیں کہ حضرات جمہُور کے ساتھ اس سے

بڑھ کر بھی کیا کوئی تمسخر ہوسکتا ہے؟ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جمہور پر اعتماد کرنا اور ان کی بلند اور مضبوط حیثیت کو تسلیم کرنا اور ان کی علمی اور تحقیقی کارروائیوں پر دل سے یقین کرنا اور اُن کا ساتھ دینا سونے پر سہاگہ ہے اور آپ کی غیر متعلق باتوں کو نقل کرنے سے اُن کی حیثیت میں رتی بھر فرق نہیں آیا اور کوئی بھی خدا ترس اور منصف مزاج عالم جمہور کا دامن نہیں چھوڑ سکتا اور بھلا جمہور کو چھوڑ کر جا بھی کہاں سکتا ہے؟ کیوں کہ جمہور زندہ باد۔ جمہور زندہ باد۔

فائدہ۔ مؤلف مذکور نے بزعم خویش الاعتصام سے مفید مطلب حوالہ تو نقل کر دیا ہے اگر وہ ذیل کا حوالہ بھی نقل کر دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا اور خواص و عوام سب کو اس سے فائدہ ہوتا۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے:۔

اذا ثبت ان الحق هو المعتبر دون الرجال فالحق ایضاً لا یعرف دون وسائطهم بل بهم یتوصل الیه وهم الادلاء علی طریقه انتهی (الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۶ للامام ابراهیم بن موسی الشاطبی الغرناطی المتوفی ۷۹۰ھ)

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اعتبار حق کا ہے رجال کا نہیں تو یہ بات بھی ہے کہ حق ان رجال کے واسطہ کے بغیر پہچانا بھی نہیں جا سکتا بلکہ انہی کی بدولت حق تک رسائی ہوتی ہے اور وہی حق کے واسطہ کے راہ نما ہیں۔

یعنی جو شخص رجال علم کے واسطہ کے بغیر حق تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ ایسے ہی رجالِ علم حق تک رسائی کا ذریعہ اور واسطہ ہیں اور

ان کے بغیر حق حاصل نہیں ہو سکتا ۔ مگر صد افسوس کہ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ظاہر کیئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

عنا ۔ مؤلف مذکور بزعم خویش حضرت امام ابو حنیفہ رح کو منکر سماع موتیٰ تصور کر کے بڑی موج میں آکر لکھتے ہیں کہ :- " دراصل امام موصوف رح کی فطرت سلیمہ اور تحقیق جانتی تھی کہ شرک میں داخل کرنے والا سب سے بڑا گیٹ مسئلہ سماع موتیٰ کا ہے ۔ اگر پکارنے والے اور نذر و نیاز دینے والے کو یقین ہو جائے کہ یہ میری پکار کو نہیں سن سکتا تو پکارے کیوں"؟ الخ بلفظہٖ (شفاء الصدور صا) ۔

اور کتاب شفاء الصدور کا تعارف کرانے والے بزرگ حقیقت بالکل مسخ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ " مثلاً عدم سماع موتیٰ کی بحث میں اس جسم کے سماع کا قول سنا کر حضرت امام ابو حنیفہ رح کی طرف اس قول کی نسبت کرنا یا اختلاف مابین الائمہ رح اس جسم کے بارے کہنا دین پر کتنا ظلم ہے حالانکہ اس جسم کے سماع کا کوئی امام بھی قائل نہیں اور نہ اختلاف کی یہ حقیقت ہے" انتہیٰ (بلفظہٖ شفاء الصدور صا)

آپ اس کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ کریں گے کہ سماع موتیٰ کے سلسلہ میں جسم عنصری کا باقاعدہ تعلق ہے اور کوئی امام بھی سماع موتیٰ کا منکر

نہیں۔ خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہ رح اور اُمّتِ مُسلمہ کی اکثریت سماعِ موتیٰ
کی قائل ہے اور اس گیٹ سے سبھی گزرے ہیں مگر یقین جانیئے کہ ان میں کوئی
بھی مُشرک نہ تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ سب کے سب مؤحد اور متبع سُنت تھے اور یہ
اس امر کی واضح دلیل ہے کہ محض سماعِ موتیٰ کا مسئلہ شرک کا براہِ راست ذریعہ
نہیں ہے۔ یہ اس شرط کے ساتھ شرک کا ذریعہ بنتا ہے کہ جب اس کے ساتھ
شرک وجہالت کی آمیزش ہو جو ایک خارجی امر ہے۔ اور ایک خارجی امر کو ساتھ ملا
کر اس کو شرک بنانے کے بجائے یہ بہت زیادہ قرینِ انصاف ہے کہ حضرات سلف رح
و خلف رح کو شرک کی زد سے بچایا جائے اور ان کی خیر خواہی اور ان سے حُسنِ ظن بھی ضرور
ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

ع۱۱ سماعِ موتیٰ کے بارے میں چونکہ نصوص قطعیہ تو ہاتھ پلّے میں نہیں تھیں
کیونکہ قرآنِ مجید نے تو جہاں بھی تذکرہ کیا تو یُوں فرمایا کہ مُردے نہیں سُنتے۔ (نہ معلوم یہ
کس قرآنِ مجید میں ہے کہ مُردے نہیں سُنتے؟ معاف رکھنا قرآنِ کریم میں تو زندہ
کافروں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ صُمٌّ بُکمٌ ہیں اور نیز آیا ہے کہ فَهُمْ لَا
یَسْمَعُوْنَ ٥ مُردوں کے بارے میں تو کہیں نہیں آیا کہ وہ نہیں سُنتے۔
مؤلّف مذکور کی یہ کتنی کُھلی جسارت ہے کہ وہ قرآنِ کریم میں بھی تحریف کرنے سے
باز نہیں آتے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ فوا اسفا۔ صفدر) تو نہیں سُنا سکتا۔ تمھاری
پکاروں کو نہیں سُنتے۔ پھر احادیث کی طرف دوڑے تو وہاں بھی کچھ نہ مِلا۔

(آپ اسی کتاب میں ملاحظہ کر لینا کہ احادیث میں کچھ ملا ہے یا نہیں۔ صفدر) بغیر معجزات اور خوارق عادات کے تو پھر ابو حنیفہ رح کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے جواب آیا (اس سے ثابت ہوا کہ مُردے سُنتے بھی ہیں اور اندر سے جواب بھی دیتے ہیں۔ صفدر) کہ لعنت ہو اُس پر، جو یہ عقیدہ رکھے کہ مُردے سُنتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے مُردے نہیں سُنتے۔ تو نہیں سُنا سکتا اھ بلفظہ (شفاء الصدور ص۱۰۶)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مؤلف مذکور نے کس طرح حضرت امام ابو حنیفہ رح پر صریح بہتان باندھا ہے اور معاذ اللہ تعالیٰ ان کے ذمہ قرآن کریم کی تحریف لگا دی ہے کہ قرآن میں ہے کہ مُردے نہیں سُنتے۔ اسی کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ سماعِ موتیٰ کے بارے میں صریح اور صحیح روایات اور احادیث موجود ہیں اور خود حضرت امام ابو حنیفہ رح اور دیگر حضرات ائمہ کرام رح اور اسلامی دنیا کی کیسی بڑی بڑی شخصیتیں سماعِ موتیٰ کی قائل ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ مؤلف مذکور کے اس شاہی فتویٰ کے رُو سے یہ لعنت کن کن ائمہ کرام رح اور اسلام کی کن کن عظیم شخصیتوں پر پڑتی ہے (العیاذ باللہ تعالےٰ)

ع۱۲ لیکن موٹی بات — اگر کوئی شخص کہہ دے کہ مثلاً پاکستان کے مُردے شادی بیاہ کرتے ہیں اور گورستان میں رات کو نکل کر (اپنی قبروں سے) جو قریب ہوٹل ہوتے ہیں، ان میں آکر چائے پیتے ہیں۔ حوضوں اور نالابوں میں نہاتے ہیں۔ یا کوئی کہہ دے کہ میں نے کتنی مُردوں کو دیکھا ہے کہ

موٹر سائیکل چلاتے ہیں۔ کیا ایک مولوی مدرّس دیوبندی عاقل بالغ باہوش وحواس یہ بات مان لے گا؟ جس طرح یہ چیزیں محال ہیں، مُردوں کا سماع بھی اسی طرح محال ہے۔ صحیح ثابت نہیں ہے پھر دوبارہ کہہ دیتا ہوں کہ معجزہ خرقِ عادت کرامت کو بحث میں نہ لانا۔ انتہیٰ بلفظہٖ (شفاء الصدور ص۱۰۵)

مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ محال کسی تقدیر اور کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا، لیکن حیرت ہے مؤلف مذکور پر کہ ایک طرف تو وہ باربار لفظ محال بولتے ہیں اور دوسری طرف اہلِ حق کی گرفت کے ڈر سے بچنے کے لئے معجزہ، خرقِ عادت اور کرامت کو مستثنیٰ بھی کر جاتے ہیں۔ جب ایک چیز فی نفسہٖ محال ہے تو ان اُمور کو الگ کرنے کا کیا معنیٰ؟ لیکن مؤلف مذکور بے چارے مجذوب بھی ہیں۔ جب وہ ایک چیز کی طرف اپنے ذہن کو مرتکز کرتے ہیں تو باقی چیزیں ان کے ذہن سے بالکل نکل جاتی ہیں۔ کہنے والوں نے کب یہ کہا ہے کہ عادۃً قبروں سے مُردے نکل کر یہ کارروائیاں کیا کرتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ کرامت اور خرقِ عادت کے طور پر کہیں ایسا ہو اور اس کا واضح اور ٹھوس ثبوت ہو تو اس کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں مؤلف مذکور کا عدمِ سماعِ موتیٰ کو اس پر قیاس کرنا ایک تو نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جو مردود ہے (آگے انشاء اللہ تعالیٰ صحیح حدیثیں آ رہی ہیں کہ مُردے سلام وغیرہ سُنتے ہیں) اور دُوسرا یہ قیاس مع الفارق

بھی ہے۔ اس لئے کہ قبور سے نکل کر ہوٹلوں میں چائے پینا یا حوضوں اور تالابوں میں چھلانگیں لگا کر نہانا اور بیاہ و شادی وغیرہ کرنا خاصی نقل و حرکت کو چاہتا ہے اور عند القبر سماع میں ان کو ایک چھلانگ بھی قبر سے باہر نہیں لگانی پڑتی وہ لیٹے لیٹے ہی سُن سکتے اور سُن لیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے عقلی ڈھکوسلوں سے ثابت شدہ مسائل کا انکار کرنا علم و انصاف سے کوسوں دُور ہے اور دہریوں اور نیز بدمذہبوں کے لئے دینی مسائل میں لب کشائی کے غلط مواقع پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔

ع ۱۳ ان حوالجات میں دیوبندی حضرات کے حوالجات بھی درج کر دیئے ہیں محض اسلئے کہ بعض حضرات ایسے شریف الطبع ثابت ہوئے ہیں کہ محض عناداً کہہ دیتے ہیں کہ اہل دیوبند کا عقیدہ عدم سماع موتیٰ کا نہیں ہے بھلا حنفی مسلک بھی ہو اور سماع موتیٰ کا قائل ہو۔ ع "ایں خیال است و محال است و جنوں" اھ (ملفظہ صد۷)

آپ اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے کہ حضرات احناف میں کتنے جلیل القدر بزرگ فقیہہ اور علماء دیوبند میں کتنے اکابر مسئلہ سماعِ موتیٰ کے واشگاف الفاظ میں قائل ہیں حنفی دیوبندی بھی ہیں اور مسئلہ سماعِ موتیٰ کے بھی قائل ہیں۔ خدا معلوم مؤلف شفاء الصدور علم و تحقیق کی کس دُنیا میں بستے ہیں؟ مؤلف مذکور نے اپنی کتاب میں غیر متعلق اور ادھورے حوالے نقل کر کے اس امر پر سارا زور صرف کیا ہے کہ مُردے نہیں سنتے اور بعض حوالوں میں صراحۃً قطع و برید

بھی کی ہے اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیئے بزعم خویش پہلے ستر۱۷ہ قاعدے بیان کیئے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں ان کی ہمنوائی گا کام آسان ہو۔ چونکہ براہ راست کسی صریح دلیل سے مطابقی طور پر عدم سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ثابت کرنا بڑا مشکل تھا اس لئے ان کو اس کے منوانے کے لئے پہلے ستر۱۷ہ قواعد وضع کرنے پڑے اور ستر۱۷ہ سیڑھیاں لگا کر مدعیٰ ثابت کرنے کی ہمّت کی۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔ فائدہ ہم نے یہ قواعد اپنے اہلِ علم حضرات کی خدمت میں اس لیئے پیش کیئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر مسئلہ عدم سماع موتیٰ کو ان مذکورہ ضوابط و قواعد کے ماتحت سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ شتر بے مہار کی طرح نہ خود چلیں اور نہ کسی کو چلائیں۔ اکابرین کے نام پر دین فروشی شیوۂ اہل حق نہیں ہے۔ انتہٰی بلفظہٖ صد۹۔

اس سے معلوم ہُوا کہ عدم سماع موتیٰ کا شُتر بے چارہ بغیر ستر۱۷ہ لگامیں دیئے چلنے ہی سے رہا۔ ہم مؤلف مذکور سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس مفید نصیحت پر ضرور غور اور عمل کریں کہ اکابرین کے نام پر دین فروشی شیوۂ اہلِ حق نہیں ہے۔ سچ ہے

ع جادُو وہ ہے جو سر پڑھ کر بولے

اس کے بعد مؤلف مذکور نے باب اوّل میں اپنے زعم کے موافق بارہ آیتیں پیش کی ہیں جن سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مُردے نہیں سُنتے۔ لیکن یقین جانیئے کہ ان میں سے ایک بھی ان کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے۔ اصل بات جو قرآن کریم میں ہے اور جس کا مؤلف مذکور کے دعویٰ سے کچھ تعلق ہے۔ وہ یہ ہے :-

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی الآیۃ یعنی بلاشبہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا۔ سماع اور شے ہے جس کے درپے مؤلّف مذکور ہے اور اسماع اور ہے اِس کی بقدر ضرورت بحث اسی کتاب میں اپنے مقام پر انشاء اللہ تعالیٰ آ رہی ہے۔

پھر اس کے بعد مؤلّف مذکور نے باب دوم میں عدم سماعِ موتیٰ کے اثبات پر چودہ حدیثیں پیش کی ہیں اور بہ جبر اور بزور ان سے سیڑھیاں لگا لگا کر اپنا مطلب ثابت کیا ہے لیکن اس کشید سے نہ تو ان کا یہ مدعیٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ ان احادیث میں سے ایک حدیث بھی ان کی صراحت سے دلیل ہے اور خود مؤلّف مذکور کو اس کا گہرا احساس ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"باقی رہا ایک خدشہ کہ ان میں کوئی صریح روایت نہیں جس میں لکھا ہو کہ مُردے نہیں سُنتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایک امر بدیہی کے لئے اگر کوئی دلیل بیان نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں" اھ (بلفظہٖ شفاء الصدور ص۳۵ طبع اوّل)

سوال یہ ہے کہ جب عدم سماعِ موتیٰ اَمرِ بدیہی ہے تو مؤلّف مذکور کو اس پر دلائل جمع اور پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر اکابر علماء کا اس میں اختلاف کیوں ہے؟ کیا ایک بدیہی بات میں بھی اتنا اور اس قدر اختلاف ہوتا ہے؟ اور پھر کیا وجہ ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے یہ بدیہی مسئلہ حل نہیں ہو سکا؟ اور پھر ایک بدیہی مسئلہ میں عامۃ المسلمین کے ذہن کو آپ نے کیوں پریشان کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مؤلّف مذکور نرے مجذوب ہیں۔ ناتمام حوالے جمع کرنے اور بزور ان سے

مطلب کشید کرنے اور غلط بات پر اصرار کرنے کے سوا ان کا کوئی کمال ہی نہیں ہے
مؤلف مذکور اپنی دوسری کتاب ندائے حق ص۱۵۱ میں لکھتے ہیں :۔
" اور اگر حق سمجھا (دلیل عائشہ رض کو) تو یہ صحابہ کا سکوت بطور ندامت کے تھا کہ
کیسے صاف صاف قرآنِ پاک میں سماعِ موتیٰ کی نفی وارد ہے (کسی ایک آیت
کریمہ میں سماعِ موتیٰ کی نفی وارد نہیں چہ جائیکہ صاف صاف ہو۔ اسماع کی نفی
الگ حقیقت ہے، بحث انشاء اللہ تعالیٰ آرہی ہے۔ صفدر) مگر ہمارے ذہن
میں ذھول ہو گیا۔ مارے شرمندگی کے خاموش ہو گئے اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ
اُم المؤمنین رض کے ساتھ ہو گئے اور عدم سماعِ موتیٰ پر تمام صحابہ کرام رض کا اجماع ہو
گیا۔" انتہیٰ (بلفظہٖ)
مؤلف مذکور نے حضرات صحابہ کرام رض کے مسئلہ عدم سماعِ موتیٰ پر اجماع کا جو
دعویٰ کیا ہے یہ سراسر جھوٹ اور خالص افتراء اور نرا بہتان ہے۔ حضرات صحابہ
کرام رض سے لے کر تاہنوز اس مسئلہ میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ لیکن مؤلف مذکور
کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ وہ اپنے باطل دعویٰ کے لئے حضرات صحابہ کرام رض کی
اکثریت کو کس طرح ذھول کا طعنہ دے کر اور ان پر شرمندگی کا داغ لگا کر مطلب
برادی کر رہے ہیں۔ واضح دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جو حضرات
صحابہ کرام رض سماعِ موتیٰ کے قائل تھے، وہ آخر دم تک قائل رہے اور ان میں
سے کسی ایک نے بھی رجوع نہیں کیا اس کے برعکس فتح الباری کے حوالہ سے

یہ روایت آگے بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ کہ حضرت عائشہ اُم المؤمنین رضی سماعِ موتیٰ کی قائل ہوگئی تھیں اور اس مسئلہ میں وہ حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت سے مل گئی تھیں۔

کیا سماعِ موتیٰ معتزلہ کا مذہب ہے؟

مؤلف ندائے حق اپنی فہرست مضامین صد میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ "سماعِ موتیٰ دراصل معتزلہ میں سے ایک گروہ صالحیہ کا مذہب ہے" اور اس عنوان پر وہ اپنی کتاب ص۱۲۷ میں یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:۔

"معتزلہ میں سے صالحیہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ میّت (مُردہ) جانتا بھی ہے اسے قدرت بھی ہے۔ اس کا ارادہ بھی ہوتا ہے۔ سُنتا دیکھتا بھی ہے (شرح المواقف) تو اب اس اعتبار سے سماع الموتیٰ کی اضافت بھی درست ہوگئی اور مُردوں کا سننا بھی درست ہوگیا۔ بس تھوڑی سی تکل مروڑنے کی کسر ہے۔ مذہب اہل السنت والجماعۃ سے ہٹ کر مذہب صالحیہ اختیار کرلیا عقیدہ پختہ ہوگیا عقدہ حل ہوگیا۔ اللہ اللہ خیر سلّا" بلفظہٖ۔

الجواب۔ اس کو کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ مؤلف مذکور کو ماشاء اللہ تعالیٰ سمجھ سے تو کوئی سروکار ہی نہیں۔ بس مجذوبوں کی طرح کچھ کہنے کے عادی ہیں۔ دعویٰ و دلیل میں مطابقت اور بات کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ معتزلہ کے فرقہ صالحیہ نے کیا

کہا؟ اور ان کا ہمنوا کون ہے؟ آیا اہل السنت والجماعت یا مؤلف مذکور اور ان کے حقیقت ناآشنا مگر ضدی اور ہٹ دھرم حواری!

مواقف اور اس کی شرح میں ہے :-

الصالحية اصحاب الصالحي ومن مذهبهم انهم جوّزوا قيام العلم والقدرة والارادة والسمع والبصر بالميّت ويلزمهم جواز ان يكون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات اموتا وان لا يكون الباري تعالىٰ حيًّا وجوّزوا خلو الجوهر عن الاعراض كلها انتهىٰ بلفظه (شرح المواقف ص۵۰۰ طبع نولکشور لکھنؤ)	صالحیہ فرقہ صالحی کے پیروکار ہیں اور ان کا مذہب یہ ہے کہ انھوں نے علم وقدرت اور ارادہ اور سمع اور بصر کا قیام میّت سے جائز رکھا ہے اور ان پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ یہ جائز سمجھیں کہ لوگ ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر بھی مُردے ہوں۔ اور یہ کہ (معاذ اللہ تعالےٰ) باری تعالیٰ زندہ نہ ہو اور انھوں نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ جوہر تمام اعراض سے خالی ہو۔

معتزلہ کے صالحیہ فرقہ کا یہ غیر معقول مسلک ہے کہ قبر میں اعادۂ روح اور زندہ کئے جانے کے بغیر ہی محض بے جان دھڑ اور جسد کو عذاب ہوتا ہے اور منکر ونکیر کے سوال کو وہ سنتا اور جواب دینے کا ارادہ کرتا اور پھر جواب دینے پر قدرت رکھتا اور فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ قاضی عضد الدین ایجی رح اور علامہ سید سند رح ان کے ساتھ علمی مناقشہ کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اگر بغیر احیاء (زندہ کرنے) اور

بغیر اعادۂ روح کے مُردے ان صفات سے متصف ہو سکتے ہیں تو اس کا دُوسرا پہلو اور تصویر کا دُوسرا رُخ یہ نکلتا ہے کہ زندہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں مُردے کہلائیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ جو ان صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے وہ بھی زندہ اور حیّ نہ ہو (معاذ اللہ تعالےٰ) چنانچہ خود مواقف اور اس کی شرح میں سوال وجواب و تعیم فی القبر کی بحث میں تصریح ہے کہ :-

واما ما ذهب الیہ الصالحی من	جس مسلک کو معتزلہ کے صالحی اور ابن جریر
المعتزلۃ وابن جریر الطبری وطائفۃ	طبری اور کرامیہ کے ایک گروہ نے اختیار کیا
من الکرامیۃ من تجویز ذلک التعذیب	ہے کہ وہ مردوں کو بغیر زندہ کرنے کے عذاب
علی الموتٰی من غیر احیاء فخروج عن	جائز قرار دیتے ہیں تو یہ غیر معقول ہے کیوں کہ
المعقول لان الجماد لاحسّ لہ فکیف یتصور	(بغیر روح کے) نرے دھڑ میں حسّ نہیں تو
تعذیبہ اھ (مواقف مع الشرح ص۶۱۷)	اس کو سزا اور عذاب دینے کا تصوّر کیسے؟

معتزلہ کا صالحیّہ فرقہ یہ کہتا ہے کہ قبر میں مردہ کو زندہ نہیں کیا جاتا اور نہ اسکی طرف اعادۂ روح ہوتا ہے (اور یہی مسلک مؤلّف ندائے حق اور ان کے حواریوں کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صالحیّہ فرقہ نرے بے رُوح جسم کے عذاب کا قائل ہے اور بغیر احیاء اور اعادۂ روح کے وہ اس کیلئے علم، سمع اور قدرت وغیرہ ثابت کرتا ہے اور مؤلّف مذکور روح اور جسد مثالی سے اس کارروائی کو وابستہ کہتے ہیں) مگر مؤلّف مذکور اپنی کم فہمی کی وجہ سے عوام کو یہ غلط تاثّر دے رہے ہیں کہ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ

صالحیہؒ کا ہے اور پھر اہل السنّت والجماعۃ سے جن الفاظ سے وہ تمسخر کر رہے ہیں وہ بھی بالکل عیاں ہے۔ اس کو کہتے ہیں کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا اور وہ بھی مرا ہوا۔ سبحان من بیدہ ملکوت کل شئ

مسئلہ سماع موتیٰ اختلافی ہے

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مبارک دور اور خیر القرون کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک یہ مسئلہ اختلافی چلا آرہا ہے کہ قبروں کے پاس اگر کوئی شخص اہل قبور کو سلام وغیرہ عرض کرے تو مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ سماع موتیٰ کا قائل ہے جس میں حضرات صحابۂ کرام رضؓ کے علاوہ حضرات مالکیہؒ، شافعیہؒ اور حنبلیہؒ کا جم غفیر اور حضرات احناف رحؒ کا معتدبہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی اکثریت شامل ہے۔ (غیر مقلدین حضرات کا اس مسئلہ میں آپس میں خاصا اختلاف ہے۔ قاضی شوکانیؒ، امیر یمانیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ اور مولانا وحید الزمان خان صاحبؒ وغیرہ حضرات شدّومد کے ساتھ سماع موتیٰ کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ اور ان کے بیشتر تلامذہ اس کے منکر ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ نذیریہ وثنائیہ) جن کے کچھ ضروری حوالے اسی کتاب میں اپنے مقام میں ذکر ہوں گے اور ان میں سے ہر فریق کے ضروری دلائل بھی اس کتاب میں بیان کر دیئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا انکار یا تو بڑے جاہل اور ضدی سے سرزد

ہوگا اور یا کسی مجذوب سے، ورنہ کوئی بھی حقیقت شناس دیانتدار عالم اور خداخوف مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ہم اس مقام پر مسئلہ کی وضاحت کے لئے فقیہ دوراں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور بعض دیگر اکابر کی چند عبارات اور حوالے عرض کرتے ہیں تاکہ اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا پہلو بالکل نمایاں اور روشن ہو جائے اور مؤلف ندائے حق کا یہ بالکل باطل نظریہ کہ "یہ وہم ہے سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا۔ قطعاً نہ تھا" ص ۱۵۳) کلیۃً مردود ہو جائے۔

(۱) حضرت مولانا گنگوہی رح مسئلہ سماعِ موتیٰ کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

الجواب۔ مسئلہ سماعِ موتیٰ کا قرن اوّل میں مختلف ہوا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلّد کی کوئی ترجیح کی جانب اگر کوئی میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔ سو مسلک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مثل طریقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر حمل کر کے کہ اصل موضوع لہٗ ہے۔ حدیث میں۔ جو شرح قرآن ہے مناسب تاویل مناسب ہے جبتک قطع معنی حدیث یہ لم حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرھن ہے پس آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی قطعی خاص اور احادیث سماع ظنی اخبار احاد سے تخصیص کس طرح

درست ہو سکتی ہے۔ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات وصم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنی وجہ شبہ کے حقیقۃً ہوتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ میّت اور اصم میں صلاح سماعت نہیں لہٰذا معنی عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا؟ (دوسرے حضرات کے نزدیک اس تشبیہ کی مُراد حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ کی عبارت ھلک اور علامہ بدرالدین لعینی رح کی عبارت ھلک میں اور اسی طرح دیگر اکابر کی عبارات میں دوسرے طریق سے ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔ صفدر) البتہ مشبہ میں یہ ہی مُراد ہے لہٰذا حسبِ قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے چونکہ فخرِ عالم (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی زبان سے مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْھُمْ سُنا تھا تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی۔ سو جو کچھ معنی انھوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر (آیت مذکورہ کی۔ صفدر) تخصیص کریں ہو سکتا ہے ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو خود حدیث میں تاویل کی اور آیت کو بحال خود رکھا اور جمع کر دیا۔ الحاصل راجح مذہب عدم سماع کا ہے۔ حسبِ قواعد پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے اور زیادہ بسط کی گنجائش نہیں۔ اگر بغور مطالعہ فرماؤ گے، تو توقع ہے کہ اصل مُراد کو آپ تصدیق فرما دیں۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم۔

(لطائف رشیدیہ صہ ۸ وصہ ۹)

(۲) ترمذی شریف پڑھاتے وقت حضرت گنگوہی رح نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رح (المتوفی ۱۳۳۴ھ) نے کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے جس کا نام الکوکب الدری ہے۔ اس میں حدیث السلام علیکم یا اھل القبور کی تفسیر میں حضرت گنگوہی رح فرماتے ہیں کہ :۔

" اس حدیث کے ظاہر سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ ان میں حضرت عمر رض اور حضرت عبداللہ رض بن عمر رض بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا استدلال اور روایات سے بھی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ میّت کے پاس جب دو فرشتے منکر و نکیر حاضر ہوتے ہیں تو اس وقت وہ قبر سے واپس آنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتی ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میّت کے دفن ہونے کے بعد فرشتوں کے جلدی آنے سے کنایہ ہے، حقیقت مراد نہیں ہے اور جو حضرات سماعِ موتیٰ کا انکار کرتے ہیں وہ اس خطاب کے صحیح قرار دینے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ سلام فرشتوں کے واسطہ سے میّت کو پہنچتا ہے۔ اور جو حضرات سماعِ موتیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں حضرت عائشہ رض حضرت ابن عبّاس رض اور حضرت امام ابوحنیفہ رح ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کیونکہ جب کفّار کو عدم سماع میں مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ مُردے نہیں سُنتے ورنہ یہ تشبیہ درست نہیں ہوتی۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ وَمَا رَمَيْتَ

اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کے قبیل سے ہے تو یہ تام نہیں کیونکہ اس بنا پر بعد کا یہ ارشاد اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیَاتِنَا الآیۃ صحیح نہیں ہوتا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت و اقتدار پہلی جزو میں ہے اسی طرح دوسری میں بھی ہے۔ پس کیسے صحیح ہوگا کہ ایک نوع آں حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے لئے ثابت کی جائے اور دوسری کی نفی ہو۔ باقی سماعِ موتیٰ کے ثابت کرنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہو کر مقتولینِ بدر کو خطاب کیا تھا اور یہ صاف طور پر سماعِ موتیٰ پر دال ہے تو اس کا جواب مُنکرین نے یہ دیا ہے کہ یہ آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان مقتولوں کی رُوحیں ان کے جسموں میں لوٹا دیں تاکہ وہ آں حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا خطاب سُن لیں اور یہ ان کی زجر و توبیخ اور ان کے عذاب کے اضافہ کے لئے تھا۔ اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ نے اُن سے اس لیے خطاب کیا تاکہ زندہ مُشرکینِ قریش کا غصّہ اس سے اور بڑھے۔ اور آپ نے حضرت عمر رضؓ سے جو یہ فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں جانتے۔ یہ تفسیر حضرت عائشہ رضؓ نے کی ہے سو یہ بھی سماع کی دلیل نہیں ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ سماع کا انکار کیا جائے اور ہمارے نزدیک یہی بات زیادہ صحیح ہے اور بحث اس مسئلہ میں طویل ہے۔ یہ اِس کا موقع نہیں ہے۔"

(الکوکب الدری ج ۱ ص ۳۱۹ مترجماً)۔

(۳) قبوُر سے اس طور دُعا کرنا کہ اے صاحبِ قبر اس طرح میرا کام کر دے، تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے (یعنی اس کو پکارے اور اس سے مُراد مانگے۔ ہمارے پیر و مُرشد رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رح المتوفی ۱۳۶۳ھ تفسیر بے نظیر ص۴۸ میں بحوالۂ حافظ ابن تیمیہ رح تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے ہیں، وہ مُشرک ہیں"۔ اس سے بھی یہی صوُرت مُراد ہے) اور یہ بات کہ تم میرے واسطے دُعا کرو۔ تو اس باب میں اختلاف ہے۔ مُنکرینِ سماعِ موتیٰ اس کو لغو ناجائز کہتے ہیں اور مجوّزین سماع جائز جانتے ہیں اور یہی بندہ نے پہلے بعض سائلین کے جواب میں لکھا ہے۔ بندہ مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں کرتا لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں"۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہٗ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۲۳ طبع جید برقی پریس دہلی)۔

(۴) استعانت کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دُعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کردے یہ باتفاق جائز ہے خواہ عند القبر ہو خواہ دُوسری جگہ۔ اس میں کسی کو کلام نہیں۔ دُوسرے یہ کہ صاحبِ قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو۔ یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دُور کہے (حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح المتوفی ۱۰۲۵ھ۔ فرماتے ہیں" و دُعا از آنہا خواستن حرام است"۔ مالا بد منہ ص۸۱

یعنی مُردوں سے مُراد مانگنا حرام ہے) اور بعض روایات میں جو آیا ہے اعینونی عباد اللہ تو وہ فی الواقع کسی میّت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اِس باب سے نہیں ہے۔ اس سے حُجّت جواز لانا جہل ہے معنی حدیث سے (یہ حدیث حضرت عُتبہ رضؓ بن غزوان، حضرت ابنِ عباس رضؓ اور حضرت ابنِ مسعود رضؓ سے مرفوعًا مَروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ج ۱۰ صہ ۱۳۲ اور ابن سنی صہ ۱۶۲ اور حصن حصین صہ ۱۶۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے) تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دُعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے۔ اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوّز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مُقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاءؑ علیہم السّلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہائے نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے اور جس کو قاضی (ثناء اللہ) صاحبؒ نے منع لکھا ہے وہ دوسری نوع کی استعانت ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ مسئلہ مخلوط ہو رہا ہے

(کہ میّت سے مُراد مانگنا اور اس سے دُعا کی التجاء کرنا ایک سمجھ لیا گیا ہے جیسا کہ مؤلّف نداۓ حق وغیرہ نے یہی سمجھ رکھا ہے)۔ اور سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی صحابہ رضؓ کے وقت سے مختلف فیہ ہے۔ سلام کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا۔ بہرحال یہ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں بحث مناسب نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹، ص ۱۰۰)

اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے عند القبر سماع کا اتفاقی اور اجماعی ہونا صراحت سے مذکور ہے اور عند القبر استشفاع کے جواز کی بھی بحوالہ حضرات فقہاء کرام رح تصریح موجود ہے نیز مُردوں سے جائز و ناجائز استعانت کا فرق اور حکم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

(۵) اور تفصیل یہ ہے کہ استمداد تین قسم ہے۔ ایک یہ کہ اہلِ قبور سے مدد چاہے۔ اس کو سب فقہاء رح نے ناجائز لکھا ہے۔ دُوسرے یہ کہے' اے فلاں خدا سے دُعا کرو کہ فلاں کام میرا پُورا ہو جائے۔ یہ مبنی اُوپر مسئلہ سماع کے ہے۔ جو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اُن کے نزدیک دُرست، دُوسروں کے نزدیک ناجائز۔ اسی کو شیخ (عبدالحق محدّث دہلوی رح شرح مشکوٰۃ بزبان عربی یعنی اللمعات) نے لکھا ہے وان الاستمداد باھل القبور فی غیر النبی والانبیاء علیہم السلام فقد انکرہ کثیر من الفقہاء الخ انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ دُعا مانگے الٰہی بحرمت فلاں میرا کام

پورا کر دے۔ یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے اقوال علماء میں اختلاف ہے کہ استمداد لفظ مشترک ہے۔ کسی نے کسی کو لیا کسی نے کسی کو، قول ہر ایک کا اپنے معنیٰ و مراد پر صحیح ہے۔ فقط محمد حسن عفی عنہ مدرّس مدرسہ گلاوٹی مدرّس اوّل۔ الجواب بہذا التفصیل صحیح رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج۲ ص۸)۔

اِس عبارت میں بحرمت فلاں کے الفاظ سے توسّل اور دُعا کو بالاتفاق جائز بتایا ہے اور لفظ استمداد کے اشتراک کا تذکرہ اور اس کا الگ الگ شرعی اور فقہی حکم بھی صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔

(۶) سوال۔ میّت قبر میں سُنتی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اموات کے سُننے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک سُنتی ہے، بعض کے نزدیک نہیں سُنتی۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ ج۳ ص۱۱۳)

حضرت مولانا گنگوہی رح کے ان صریح ارشادات سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے عند القبور سماع کا مسئلہ اتفاقی اور عام اموات کے سماع کا مسئلہ اختلافی ہے۔ اور یہ اختلاف حضرات صحابہ کرام رض کے وقت سے لے کر تا ہنوز بدستور چلا آ رہا ہے۔ اگر عدم سماعِ موتیٰ پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا تھا جیسا کہ مؤلّف شفاء الصدور اور ندائے حق کا یہ بے بنیاد اور سراسر باطل دعویٰ ہے تو پھر علماءِ مِلّت کا اِس مسئلہ میں اختلاف

کیوں ہُوا؟ اور کیوں ہے؟ کیا تمام حضرات صحابہ کرام رض کے اجماع کے بعد بھی حضرات فقہاء کرام رح کو اختلاف کی کوئی گنجائش ہے؟ الغرض مسئلۂ سماعِ موتیٰ کے اختلافی ہونے کا انکار کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے، علمی طور پر انتہائی بددیانتی ہے۔

مُفتیٔ اوّل دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رح (المتوفی ۱۳۴۷ھ) نے سماعِ موتیٰ کے بارے میں مختلف فتوے دیئے ہیں جن میں سے بعض فتووں کا تعلق عدم سماعِ موتیٰ سے ہے۔ اور ان کا یہ فتویٰ بھی ہے:-

سوال نمبر ۳۱۸۹/۱۔ بروئے مذہب احناف بزرگانِ دین کے مزارات پر جا کر یہ عرض کرنا کہ آپ مقبولِ خداوندی ہیں، آپ ہمارے لئے دعا کر دیجئے کہ ہماری فلاں مُراد پوری ہو جائے۔ یہ جائز ہے یا نہ؟

سوال نمبر ۳۱۹۰/۲۔ امام صاحب رح کے نزدیک بزرگانِ دین بعد وفات زائرین کی باتیں سُنتے ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۳۱۹۱/۳۔ کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب موصوف رح نے کسی شخص کو کسی قبر پر اہلِ قبر سے کچھ عرض و معروض کرتے دیکھا اور فرمایا کہ تو ایسے سے التجاء کرتا ہے جو سُن بھی نہیں سکتا۔

سوال نمبر ۳۱۹۲/۴۔ اگر کوئی آیت یا حدیث امام صاحب رح کے قول کی تائید میں ہو تو وہ بھی تحریر فرمایئے۔

الجواب (اتا ۴) سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رض کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں (یعنی مسئلہ یمین۔ صفدر) جن سے عدم سماعِ موتیٰ معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب رح سے کوئی تصریح اس بارہ میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وغیرہ سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث ما انتم باسمع منھم الخ اور حدیث سماعِ قرعِ نعال سے ہے۔ اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔ پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے جبکہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے۔ اور دلائل فریقین موجود ہیں اور جبکہ سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی ہوا کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرما دے۔ یہ بھی مختلف فیہ ہو گا۔ البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے .... کہ یا اللہ! اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما انتہیٰ بلفظہٖ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل۔ جلد پنجم، ص۴۶۱ طبع دیوبند)۔

اس فتویٰ سے یہ امور بصراحت معلوم ہوتے ہیں:۔

(۱) یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رض سے تا ہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔ (۲) اور فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں۔ (۳) فقہ حنفی کی کتب میں بعض مسائل سے عدم سماعِ موتیٰ

معلوم ہوتا ہے (۴) لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رح سے اس بارہ میں کچھ منقول نہیں۔
(یعنی فتاوی غرائب کا جو حوالہ منکرین سماعِ موتیٰ حضرت امام صاحب رح کی طرف
نسبت کرتے ہیں وہ بے اصل ہے)۔(۵) بزرگوں کے طفیل اور وسیلہ سے دُعا
مانگنا درست اور صحیح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں کہ جواہر القرآن صـ۹۰۲ تا صـ۹۰۵ تفسیر سُورۂ روم
وہاں ہم نے لکھا تھا کہ :-

"سماعِ موتیٰ کا مسئلہ زمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے
یہ مسئلہ اعتقاداتِ ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا
مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی و تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر
و تحقیق کی گنجائش ہے۔ اُمّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے علماء کے
درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ کچھ علماء کرام کی یہ رائے
رہی ہے کہ مُردے سُنتے ہیں جبکہ دُوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بنا پر
سماعِ موتیٰ کی نفی کی ہے۔ علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل
ہیں جن پر انھوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں استوار کی ہیں، جو
سماعِ موتیٰ کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے
ہے جبکہ قائلین سماعِ موتیٰ بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں"۔ صـ۶۷
نیز لکھتے ہیں کہ "جواہر القرآن میں ہم نے اپنا جو موقف تفصیل سے بیان کیا ہے

اِس کا حاصل یہ ہے کہ سماعِ موتیٰ کا تعلق احوالِ برزخ سے ہے اور احوالِ برزخ کا علم وحی سے سوا ممکن نہیں۔ اس لئے ضابطہ تو یہی ہے کہ مُردے نہیں سُنتے لیکن جن احوال میں مُردوں کے سُننے کی بعض احادیث میں صراحت ہے۔ وہ اپنے احوال و موارد کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور اس سے عموم احوال میں سماعِ موتیٰ پر استدلال صحیح نہیں ہوگا" (جواہر القرآن صـ۹۰۴) ہمارے موقف کی اس توضیح سے یہ بات روشن ہے کہ ہم نے سماعِ موتیٰ کی مطلقاً نفی نہیں کی اھ (اقامۃ البرہان صـ۶۸)

یعنی جو چیز مؤلّف شفاء الصدور اور ندائے حق کے نزدیک شرک کی جڑ ہے اور بقول ان کے سماعِ موتیٰ کے قائلین پر جو لعنت ہوتی ہے اس میں مؤلّف جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان بھی سواتی برادران کے ہمنوا ہیں اور کیوں نہ ہوں۔

ے تھیں میری اور رقیب کی راہیں جُدا جُدا
آخر کو ہم دونوں دَرِ جاناں پہ جا ملے!

ہزار افسوس اگر بات یہیں تک محدُود رہتی کہ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ اختلافی ہے اور ہر فریق کو اپنی علمی اور تحقیقی صوابدید کے مطابق دلائل و براہین کے رُو سے جو پہلو راجح اور صحیح نظر آتا ہے اسے قبول اور اختیار کر لینے کا حق ہے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور ہمیں بھی اس مسئلہ میں کاوش کرنے کی قطعاً ضرورت پیش نہ آتی۔ مگر جب دُوسری طرف سے یہ غلو اختیار کیا گیا کہ یہ

مسئلہ سلف میں اختلافی ہے ہی نہیں جیسا کہ مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا، قطعًا نہ تھا الخ (ص۱۵۳) اور یہی غالی مجذوب حضرت امام ابوحنیفہ رح پر خالص بہتان تراشتے ہوئے ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ لعنت ہو اس پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مُردے سُنتے ہیں الخ (شفاء الصدور ص۱۰۶) تو ہمیں بھی اس سلسلہ میں کچھ لکھنا پڑا اور در حقیقت شفاء الصدور کے اسی لعنتی حوالے نے ہمیں کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہے جس کا وعدہ ہم نے تسکین الصدور میں کیا تھا۔ اور اب تو اس مسئلہ میں اس حد تک غلوّ اختیار کر لیا گیا ہے کہ الامان و الحفیظ۔
انجمن اشاعۃ التوحید والسُّنّۃ کے سرگرم اور نوجوان رُکن مولوی سعید احمد صاحب چتوڑ گڑھی (جن کی اس جماعت کے بقیہ حضرات صرف مصلحۃً تردید کرتے ہیں لیکن اس جماعت کے امیر جناب سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری دھڑلے کے ساتھ ان کی پوری پشت پناہی کر رہے ہیں) نے صاف اعلانیہ کہا اور ڈنکے کی چوٹ یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر النبی الکریم کا قائل ہے وہ بلاشک قطعی کافر ہے۔ میرے پاس قرآن مجید کی ساٹھ آیتیں اور پانچ سو حدیث کا ثبوت ہے الخ (بحوالہ دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف ص۴ مولانا عبد العزیز شجاع آبادی)۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ کس قدر ناجائز غلوّ ہے اور قرآن مجید اور احادیث پر کیسا صریح اور صاف بہتان ہے اور یہ لا استثناء ۱۳۷۴ھ سے قبل کی ساری

اُمّت کی تکفیر ہے۔ ہاں اگر اس خانہ ساز کفر سے کوئی بچ سکتا ہے تو سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری، جو چودھویں صدی میں اس بدعت ضلالہ کے مُوجد ہیں، اور ان کے چند حواری۔ باقی ساری اُمّت معاذ اللہ تعالیٰ کافر ہے (العیاذ باللہ تعالےٰ ثم العیاذ باللہ تعالےٰ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ) اور خود اسی جماعت کے بعض منصف مزاج بزرگوں کو ان کا رَد لکھنا پڑا۔ (حضرت مولانا عبد العزیز صاحب مؤلّف دعوت الانصاف شجاع آبادی انجمن اشاعت التوحید والسُّنّۃ کے امیر ہیں) اور مولوی احمد سعید صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی قبر مبارک کے نزدیک پڑھا ہوا صلوٰۃ و سلام نہیں سُنتے۔ نہ تحت الاسباب اور نہ فوق الاسباب جو شخص سماع صلوٰۃ و سلام عند القبر کا قائل ہے، وہ بلا تاویل کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔ نیز جو شخص اس مسئلہ کو فروعی کہتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ اگر سماع عند القبر کا قائل صدیق اکبرؓ بھی ہوں تو وہ بھی کافر ہیں۔ بلفظہٖ (دعوت الانصاف صد ۲۳ وصد ۲۴)۔

قارئین کرام! ان الفاظ کو بغور بار بار پڑھیں اور پھر از روئے انصاف یہ فرمائیں کہ اس شاہی فتویٰ کی زد سے اس اُمّتِ مرحومہ کا کوئی بھی مُسلمان کُفر کی زد سے بچ سکتا ہے؟ اگر حضرت صدیقِ اکبرؓ کُفر کے اس ایٹم بم سے نہیں بچ سکتے تو اور کون بچ سکتا ہے؟ ہزار افسوس اور صد ہزار حیرت اور تاسّف ہے

انجمن اشاعۃ التوحید والسُنّۃ کے ذمّہ دار بزرگوں پر کہ وہ اندرونِ خانہ خفیہ میٹنگیں کرکے مولوی احمد سعید صاحب کی وارفتہ زبان پر پابندی تو لگانے کی فکر کرتے ہیں اور انھیں نرمی کا سبق تو سکھاتے ہیں اور انھیں معتدل رَوَیّہ اختیار کرنے کی تلقین تو کرتے ہیں لیکن یہ سارا کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی ان کو علانیہ اپنی جماعت سے نہیں نکالتے اور بعض ان کو اپنے جلسوں میں بلاتے اور ان کی ہمّت افزائی کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ معاف رکھنا کیا سمجھ دار عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب نہیں کہ یہ کارروائی ہاتھی کے دانت ہیں، کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔

سدًّا للذریعہ سماعِ موتیٰ کا انکار

یہاں یہ بات بھی بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ جو حضرات سماعِ موتیٰ کے مُنکر ہیں وہ علاوہ اُن دلائل کے جنکو وہ اپنے خیال کے مطابق اپنے دعویٰ پر پیش کرتے ہیں (جن کا تذکرہ حسبِ ضرورت انشاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں ہوگا) ان کے نزدیک یہ مصلحت (یا خطرہ) بھی پیشِ نظر ہے کہ اگر سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ثابت اور رائج ہوگیا تو یہ جہالت اور دین سے دُوری کا دَور ہے، شرک و بدعت کے سیاہ اور گھنگھور بادل اطرافِ عالم پر چھائے ہوئے ہیں اور مختلف علاقوں پر کم یا زیادہ برستے بھی ہیں۔ علماءِ سوء اور پیرانِ بدکردار کی بددیانتی اور نفس پروری اظہر من الشمس ہے اور رقمیں بٹورنے

کے لئے حضرات اولیاء کرام رح کی قبور پر عرسوں اور قوالیوں کی بھرمار ہے۔ جن کی شب و روز خوب اشاعت ہوتی رہتی ہے اور جاہل قبر پرستوں کی بھی کوئی کمی نہیں اور خود غرض مجاور اور دین و شریعت سے بے نیاز فقیر و ملنگ ہمہ وقت قبور کے چمکانے کی لگن اور دھن میں سرمست رہتے ہیں، اندریں حالات اگر سماعِ موتیٰ محقق اور ثابت ہو جائے تو بدفطرت اور مشرک و مبتدع لوگ اس کو اور زیادہ ہوا دیں گے اور عوام النّاس میں مزید گمراہی پھیلائیں گے اس لئے سماعِ موتیٰ کے مسئلے کا سرے ہی سے انکار کر دیا جائے کہ نہ یہ ثابت ہو اور نہ اس پر شرک و بدعت کے غلط ثمرات اور اثرات مرتّب ہوں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چنانچہ مؤلّف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں کہ "سماعِ موتیٰ کا عقیدہ اگرچہ بذاتِ خود شرک نہیں لیکن شرک کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لئے بھی عوام اہلِ اسلام کی خیر خواہی اور بہتری اسی میں ہے کہ سدًّا للذریعہ وصونا للعقیدہ سماعِ موتیٰ کا انکار کیا جائے" صلا

یہ خدشہ صرف انہی حضرات کو لاحق نہیں جو سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں بلکہ اُن کے پیشِ نظر بھی ہے جو شد و مد کے ساتھ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح (المتوفی ۱۲۹۷ھ) جن کی سماعِ موتیٰ کے بارے میں عبارت آگے آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ، تحریر فرماتے ہیں:۔ "مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا پکارنا جدا جدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیالِ خام میں اولیاء کو قادر اور متصرف یعنی غنی محتاج الیہ سمجھتے ہیں تو اگر اس زمانہ میں اس امکانِ استماع کا

بھی چرچا کیا جائے تو اس عمل سے نفع دینی تو کچھ متصوّر نہیں البتہ فوتِ مضامینِ شرکیہ کا گمان غالب ہے اس لئے یوں مناسب ہے کہ عوام کو فقط طریقۂ مسنونہ زیارتِ قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کی اطلاع نہ ہونے دی جائے ورنہ اس علم امکان سے ترقیِ مدارج تو معلوم کیونکہ ضروریاتِ دینی میں سے نہیں البتہ مواخذۂ نقصان مذکورہ کا **احتمال** ہے" اھ۔ (جمال قاسمی صنا طبع قاسمی دیوبند)۔

اور حکیم الاُمّت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح (المتوفی ۱۳۶۲ھ) جن کا سماعِ موتیٰ کے بارے میں حوالہ آگے آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ، ارشاد فرماتے ہیں :- "غرض اس طرح جانبین میں کلام **طویل** ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے۔ البتہ عوام کا سا اعتقادِ اثبات کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں، یہ صریح ضلالت ہے اگر اس کی اصلاح بدونِ انکارِ سماع کے نہ ہو سکے تو انکارِ سماع واجب ہے" (التکشف ص۳۲۷)

عبارت صاف ہے کہ اگر عوام کو غلط عقیدہ سے بچانے کا کوئی اور حل نہ ہو تو پھر انکارِ سماع واجب ہے یہ وجوب ایک **خارجی** دلیل سے ہے اور مجبوری کی وجہ سے ہے جیسا کہ قرآنِ کریم کا جہراً اور سراً پڑھنا موجبِ اجر اور باعثِ ثواب ہے لیکن اگر اس سے نمازیوں کی نماز میں فرق آتا ہو تو بلند آواز سے پڑھنا جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص۱۲ه)۔ اور اگر لوگوں کے دنیوی امور میں خلل پڑتا ہو اور وہ قرآنِ کریم کی طرف توجہ نہ کر سکتے ہوں تو بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ ج ۱ ص۳)۔

اگر اس بالا مصلحت (یا خطرہ) کا یہ پہلو دیکھا جائے جو اُوپر عرض ہُوا تو مُنکرینِ سماعِ موتیٰ کے خدشات اور خطرات بے جا نہیں ہیں کیونکہ جہالت کی وجہ سے شرک و بدعت عام ہے اور علماءِ سوء اور پیرانِ بداطوار گلے پھاڑ پھاڑ کر عوام النّاس کو ورغلانے میں شب و روز کوشاں ہیں اور جہلاء کا طبقہ بزرگانِ دین اور شہداءِ کرام کے مزاروں پر حاضر ہو کر ان سے مُرادیں مانگتا اور نذرانے پیش کر کے یُوں سودا بازی کرتا ہے کہ گُگڑّ لے اور پُتّر دے۔ اور یہ گمراہ ٹولہ توحیدِ خالص کے انمول موتی اور قیمتی جواہر پارے ہر قبر بلکہ ہر تودۂ خاک پر نچھاور کرتا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی اس مذمُوم اور مُشرکانہ کارروائی کا رونا مولانا حالیؔ مرحُوم نے یُوں رویا ہے۔

کرے غیر گر بُت کی پُوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جُھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کُشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خُدا کر دکھائیں
اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں[۱]

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

---

[۱] یعنی ان سے مُرادیں مانگیں۔ اور اس کا شرک اور ناجائز ہونا پہلے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے۔

الغرض اس خدشہ اور خطرہ کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے لیکن اس پہلو کے ساتھ ساتھ ذیل کے امور بھی کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں اور ان سے بھی پہلو تہی کرنا مناسب اور روا نہیں ہے۔

(الف) سماعِ موتیٰ کا مسلک اختیار کرنا نہ شرک ہے اور نہ براہ راست شرک کا ذریعہ ہے۔ شرک کا ذریعہ یہ تب بنتا ہے جب بد عقیدتی اور روحِ شریعت سے ناواقفی ساتھ شامل ہو۔ سب سے پہلے عوام کے عقیدہ کی درستی کی فکر کرنی چاہیئے اور ان کو قرآن کریم، حدیث شریف اور روحِ شریعت سے واقف کرنا چاہیئے اور اسلامی تعلیم کو خوب واضح کرنا چاہیئے اور اس کی احسن طریقہ سے نشر و اشاعت کرنی چاہیئے۔ مسئلہ سماعِ موتیٰ سے انکار کرکے اس موہوم ذریعۂ شرک پر بزعمِ خود کاری ضرب لگانا بالکل آخری مرحلہ کی بات ہے جبکہ اور کوئی صورت ممکن ہی نہ ہو۔

(ب) بزرگانِ دین رح اور شہدائے کرام رح جب دنیا میں زندہ تھے، اور مصیبت زدہ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تکالیف اور پریشانیوں کا تذکرہ بھی ان سے کیا کرتے تھے اور وہ بزرگ اور شہید اس دنیا کی تکلیفی زندگی میں خود اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنتے بھی تھے۔ آخر غور فرمایئے کہ انھوں نے ان پریشان حال لوگوں کی باتیں سننے کے بعد بھی کیا کر دیا؟ اور وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ کیا نفع وضرر ان کے قبضے میں تھا؟ یا معاذ اللہ تعالیٰ ان کو خدائی

اختیارات حاصل تھے ؟ یا اولاد اور رزق تقسیم کرنے کا محکمہ ان کے سپرد تھا؟ یا کسی بھی رنج و غم سے نجات دینا ان کے بس میں تھا ؟ جب حاجت مندوں اور تکلیف زدہ لوگوں کی فریاد سن چکنے کے بعد بھی وہ اپنی دُنیوی زندگی میں کچھ نہ کر سکے تو اب قبر سے باہر کی آواز سن کر آناً فاناً وہ کس کو بادشاہی مرحمت کر دیں گے ؟ یا کم از کم قعرِ مذلّت سے نکال کر بامِ عروج اور عزّت کی گھاٹیوں پر پہنچا دیں گے ؟ یا رزق و اولاد کے دروازے لوگوں پر کھول دیں گے ؟ یا صحت و تندرستی کی دولت سے انھیں مالا مال کر دیں گے ؟ یا آپس کی ناچاقی اور دشمنی کو دوستی میں بدل دیں گے ؟ یہ بات کسی بھی صاحبِ فہم سے مخفی نہیں کہ سُن لینے اور مراد پوری کر دینے میں کوئی تلازم نہیں کہ جب بھی کوئی بات سُن لے تو سُنانے والے کی قلبی تمنّا اور مراد پوری ہو جایا کرے ۔ ان دونوں چیزوں میں نہ تو شرعی تلازم ہے اور نہ منطقی اور عرفی ۔

(ج) دوسروں کا تو قصّہ ہی چھوڑیئے ۔ جب خود ان بزرگوں پر دنیا میں بے پناہ مصائب و آلام آئے اور وہ خود تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہوئے تو کیا انھوں نے خود اپنی مصیبتیں اور صعوبتیں دُور کر دیں ؟ اور کیا وہ اپنے لئے خوشی اور راحت کے دروازے کھول گئے ؟ جب وہ اپنے لئے کچھ نہ کر سکے تو بھلا وہ دوسروں کے لئے کیا کر سکتے تھے ؟ یہاں تو افضل البشر سیدِ ولدِ آدم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی کو بھی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا (پ ۲۹۔ الجن۔ ۲) تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا بُرا اور نہ راہ پر لانا۔

اور نیز متصرف فی الامور اور خالق کائنات نے آپ سے یہ اعلان بھی کروایا کہ:۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ الاٰیۃ۔ (پ ۹ الاعراف ۲۳) تو کہہ دے میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ بُرے کا مگر جو اللہ چاہے۔

جب فخر عالم سردارِ دو جہاں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو دُوسروں کا کیا پُوچھنا؟ ع

قیاس کُن ز گلستانِ من بہار مرا

ان بزرگانِ دین کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ اہلِ مصائب کی تکالیف کو سُن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دامنِ سوال پھیلاتے اور دستِ عجز اٹھاتے اور بڑھاتے اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہوتا تو ان کی دُعا قبول فرما لیتا اور حاجت مندوں کا کام پُورا کر دیتا اور اُن کو اُن کی مُراد دے دیتا۔ اس کی مرضی نہ ہوتی تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی بزرگ ترین ہستی سے بھی فرما دیتا:

وَلَا تَسْئَلْنِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الاٰیۃ (پ ۱۲۔ ھود۔ ۴) سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں

پھر اس قادرِ مطلق حیّ و قیوم اور فعال لما یرید ہستی کا کسی نے کیا بگاڑا؟ اور کیا کسی کو یہ پوچھنے کی ہمت بھی ہوئی کہ اے پروردگار یہ کام کیوں نہ ہوا؟

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۔ یعنی اُس سے نہیں پوچھا جا سکتا جو کچھ وہ کرتا ہے اور مخلوق سے پوچھا جا سکتا ہے۔ (پ - الانبیاء - ۲)

جب بُزرگانِ دین اِس دُنیا کی زندگی میں زندہ رہ کر اور اپنے کانوں سے لوگوں کی تکالیف کو سُن کر کسی کی تکلیف دُور نہ کر سکے اور نہ کسی کو راحت اور شادمانی عطا کر سکے تو پھر کیا یہ دعویٰ دُرست اور یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اِس دُنیا میں بھی کسی کی بات کو نہیں سنا کرتے تھے؟ اور اگر سُنا کرتے تو ضرور وہ مصائب و آلام سے لوگوں کو نجات دے دیتے؟ یقیناً یہ کہنا غلط ہوگا۔ اصل بیماری کا یہ علاج اور مداوا ہرگز نہیں جو سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ اصل بیماری عوام النّاس کی قرآن وسُنّت سے جہالت اور رُوحِ شریعت سے بے خبری اور بے پرواہی ہے۔ اور گندم نما جَو فروش مولویوں اور زرپرست پیروں کی بددیانتی اور خُودغرضی ہے کہ وہ لوگوں کو شرک و بدعت کے جام بھر بھر کر پلاتے ہیں اور بدعقیدہ لوگ فرطِ محبّت کے ساتھ ذوق و شوق سے پیتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت شرک و بدعت کا مسئلہ سماعِ موتیٰ سے براہِ راست ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ یہ اس کی پیداوار اور اس کا ثمرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات سلف صالحین رح جو سماعِ موتیٰ کے قائل تھے، پکّے موحد اور صحیح معنی میں متبع سُنّت تھے۔ ان حضرات کے بارے میں اس کا ادنیٰ ترین وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ شرک و بدعت کے مرتکب یا اِس کے مروّج یا مداہن فی الدّین تھے۔ اس لیے جہاں آجکل

کے لوگوں کے ایمان اور عقیدہ کو بچانا ان کی خیر خواہی اور بہتری ہے وہاں سماعِ موتیٰ کے قائلین حضرات کو جہلا کے اس وہم اور فتویٰ سے بچانا بھی نہایت ہی ضروری ہے کہ سماعِ موتیٰ کا مسلک اختیار کرنا شرک ہے تاکہ کوئی کوڑ مغز یہ نہ سمجھنے لگے کہ وہ حضرات مشرک تھے یا کم از کم شرک کی ترویج کا وہ سبب بنے۔ (معاذ اللہ تعالےٰ) وہ حضرات اسلام کا اصل سرمایہ ہیں جن پر اہل اسلام کو ہمیشہ کے لئے فخر ہے اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے دینی اور مذہبی لحاظ سے بہترین نمونہ ہیں۔ وہ حضرات نہ صرف یہ کہ خود خالص توحید اور اصل سُنت پر کاربند تھے بلکہ داعئ توحید و سُنت اور ماحئ شرک و بدعت بھی تھے۔ جن کی مبارک سعی سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں کو اسلام و ایمان جیسی عظیم دولت نصیب ہوئی اور وہ خود بھی ایمان کی عظیم تر دولت سے مالامال تھے اور حقیقت میں ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرے اور اُس کے قہر و غضب سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہے اور راحت و تکلیف دینے والا صرف اُسی کو سمجھے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب پروردگار کے ہاتھ اور قبضہ میں ہے۔ اس کے بغیر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ ہستی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر ہرگز قادر نہیں ہے۔ ع

ہوتا وُہی ہے جو منظورِ خُدا ہو

(د) لفظ استمداد، دُعا خواستن، دُعا مانگنا اور پکارنا وغیرہ الفاظ

تفصیل طلب ہیں۔ اگر ان الفاظ سے قائل کی یہ مراد ہو کہ صاحبِ قبر اور مُردہ کام کرتا اور مراد پوری کرتا ہے، تو یہ خالص شرک ہے۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ قائل اس کو سفارشی بناتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ تو اللہ تعالٰے سے میرے لئے دعا کر۔ یہ بات مسئلہ سماعِ موتیٰ پر متفرع ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے اس کے متعلق ضروری بحث گزر چکی ہے۔ ان دونوں کو گڈمڈ کر دینا اور ایک بنا دینا علم و تحقیق سے کوسوں دور ہے اور اتنی واضح بات کو ملحوظ نہ رکھنا اور نظر انداز کر دینا علماء کو زیب نہیں دیتا۔ الغرض اللہ تعالٰے کے سوا کسی سے مُراد مانگنا اور اس کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص زندہ بزرگ سے بھی اولاد مانگے یا صحت و تندرستی مانگے یا ایسی چیز طلب کرے جو عالمِ اسباب میں اس کے بس و اختیار میں نہیں ہے تو یہ بھی شرک ہے۔ اور اسی طرح دفن ہونے سے پہلے مُردہ کی چارپائی کے پاس حاضر ہو کر اُس سے مُراد مانگے تب بھی شرک ہے۔ چنانچہ علامہ محمدؒ بن احمدؒ بن عبدالہادی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ولو جاء انسان الی سریر المیّت یدعوہ من دون اللہ ویستغیث بہ کان ھذا شرکا محرما باجماع المسلمین (الصارم المنکی ص۲۸۰)

یعنی اگر کوئی شخص میّت کی چارپائی کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسکو پکارے اور اُس سے مدد مانگے تو مسلمانوں کے اجماع اور اتفاق سے یہ شرک اور حرام ہوگا۔

غرضیکہ جو چیز شرک ہے وہ زندگی میں بھی شرک ہے اور مرنے کے بعد دفن سے پہلے بھی شرک ہے جبکہ میّت کی چارپائی سامنے ہے اور مُردہ نظر بھی آتا ہے اور دفن کے بعد بھی شرک ہے اور وہ اسی صُورت میں ہے کہ اس سے اپنی حاجت اور مُراد طلب کرے اور مانگے۔ رہی استمداد کی وہ صُورت جو توسّل اور شفاعت کی مد میں ہے وہ نہ تو زندگی میں شرک ہے نہ دفن سے قبل اور نہ دفن کے بعد۔ اس صُورت میں مُراد اور حاجت صِرف پروردگار سے طلب کی جاتی ہے۔ ہاں درمیان میں اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول اور برگزیدہ بندے کا واسطہ اور سفارش ہوتی ہے اور سفارش کرانے والا یہ سمجھتا ہے کہ مشکل کُشا، حاجت روا اور قاضی الحاجات صِرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندہ کے بس میں یہ اُمور نہیں ہیں۔ وہ تو صرف دُعا کرتا اور سفارش کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رح (المتوفی ۱۲۳۹ھ) قبر کے پاس توسّل اور استمداد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود را ازجناب عزت الٰہی بتوسّل روحانیت بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردۂ او را برآوردہ گرداں حاجت

اور اس استعانت کی صُورت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالےٰ کے مقرّب اور مکرّم بندہ کی روحانیت کے توسّل سے اللہ تعالےٰ سے طلب کرتا ہے کہ اے پروردگار اس بندہ کی برکت سے کہ تو نے اس پر اپنی رحمت کر کے اس کو نوازا ہے، میری

مرا یا ندا کند آں بندہ مقرّب و مکرّم
را کہ اے بندۂ خدا و ولی وے شفاعت
کن مرا و بخواہ از خدائے تعالیٰ مطلوب
مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست
بندہ درمیان مگر وسیلہ و قادر و
معطی و مسئول پروردگار است
تعالیٰ شانہٗ و دروے ہیچ شائبہ
شرک نیست چنانکہ منکر وہم کردہ
و آں چناں است کہ توسّل وطلب
دُعا از صالحان و دوستان خدا در
حالتِ حیات کند و آں جائز است
بالاتفاق. پس آں چرا جائز نباشد و
فرقے نیست در ارواح کاملان در
حین حیات و بعد از ممات مگر در
ترقیٔ کمال اھ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۰)

(حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے یہ پوری
عبارت مائۃ مسائل ص ۳۶، ص ۳۷ میں نقل کی ہے)

حاجت کو پورا کردے یا یوں صدا بلند کرتا ہے
کہ اے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے
اور اللہ تعالیٰ کے وَلی، میرے حق میں آپ
سفارش کریں اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب
کے پورا کرنے کی التجاء کریں تاکہ وہ میری حاجت
کو پورا کردے۔ سو اس صورت میں بندہ
درمیان میں صرف واسطہ ہے۔ قادر دینے
والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف
اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے اور اس صورت
میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا
جس طرح منکر کا وہم ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے
جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک
بندوں سے ان کی زندگی میں کوئی توسّل کرے
اور دُعا کی درخواست کرے اور یہ صورت
بالاتفاق جائز ہے۔ پس ایسا توسّل بعد از وفات
کیوں جائز نہ ہوگا؟ اور کامل لوگوں کی ارواح
زندگی اور موت کے بعد کوئی فرق نہیں بجز
اسکے کہ مرنے کے بعد کمال میں مزید ترقی ہوجاتی ہے

ایک طرف ان حضرات کی تحقیق ملاحظہ کریں اور دوسری طرف مؤلف ندائے حق کی سُنیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔ "آمدم بر سرِ مطلب توسّل بذات المیت یا بدعاء المیت یا بذات النبیؐ بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑے گا یا سکوت اختیار کرنا پڑے گا۔ بلا کھٹک کھلے طور پر کسی شرعی قاعدہ کی رُو سے جواز کا فتوےٰ نہیں دیا جا سکتا" اھ ص۱۰۸) مطلب بالکل واضح ہے کہ اکابر کی ایک نہیں سُننی' اپنی مرضی کرنی ہے۔

(۳) جو حضرات سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ مُردے دُور دراز سے بھی سُنتے ہیں۔ وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ قبر کے پاس اگر سلام وکلام کیا جائے تو وہ سُنتے ہیں۔ دُور دراز سے عدمِ سماع پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ دُور سے سُننے کا مسئلہ غیر اللہ کے بارے میں عقیدہ علمِ غیب اور حاضر و ناظر پر متفرع ہے اور ان کا کُفر ہونا واضح دلائل سے اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے ازالۃ الریب اور تبرید النواظر وغیرہ میں ان پر مبسوط بحث کر دی ہے۔ اور دُور دراز سے بزرگوں کی رُوحوں کو حاضر سمجھنا اور اُن کے لئے لوگوں کے حالات کا علم ثابت کرنا حضرات فقہاء کرام اور خصوصًا حضرات فقہاء احناف رح کے ہاں صریح کُفر ہے۔ چنانچہ علّامہ زین العابدین ابن الحنفی رح (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

قال علماء نامن قال ارواح — ہمارے علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ

المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴ طبع مصر)

کہے کہ بزرگوں کے ارواح حاضر ہیں اور وہ جانتے ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

اور اسی کے قریب الفاظ ہیں امام حافظ الدین محمّد بن محمّد الخوارزمی الحنفی رح (المتوفی ۸۲۷ھ) کے (ملاحظہ ہو فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ طبع مصر ج ۶ ص ۳۱۶) اور نیز حضرت مولانا محمّد عبدالحی الکھنوی الحنفی رح (المتوفی ۱۳۰۴ھ) کے (ملاحظہ ہو مجموعۂ فتاویٰ عبدالحی ج ۱ ص ۳۵ و ج ۳ ص ۵)۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُور دراز مقامات سے حضرات اولیاء کرام رح اور مشائخ کو پکارنا اور عقیدہ یہ رکھنا کہ وہ ہمارے مصائب و حالات سے واقف ہیں اور ہمارے پاس حاضر و ناظر ہیں، کفر ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قریب و بعید اور دُور و نزدیک کے اس بنیادی اور واضح فرق کو نظر انداز کر دینا (جیساکہ مؤلّف شفاء الصدور اور ندائے حق نے کیا ہے۔ مؤلّف مذکور ص ۱۰۶ کا بقیہ ص ۲ میں لکھتے ہیں۔ "پھر مُردے کا سماع ثابت کرنا یہ ندا للغیب نہیں تو کیا ہے؟" بلفظہٖ) اور خلط مبحث کرنا اہلِ علم کی شان کے سراسر خلاف ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ ہر ایک کو اختلافی مسائل میں محلِ نزاع سمجھنے کی توفیق بخشے۔

غائبانہ پکار اللّٰہ تعالےٰ کے بغیر کسی بھی ہستی کے بارے یہ عقیدہ رکھ کر اس کو پکارنا کہ دُور دراز سے وہ ہماری پکار سُنتی اور ہماری حاجت روائی کرتی ہے، ممنوع اور شرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص یا رسُول اللّٰہ کے الفاظ مدد طلب کرنے کے لئے بولتا ہے تب بھی شرک ہے۔ ہاں اگر یہ

الفاظ محبت اور عقیدت کے طور پر اس طور پر پیش کرتا ہے کہ یہ بھی فی الجملہ درود شریف کے الفاظ ہیں اور فرشتے ان کو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کردیں گے تو درست اور صحیح ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب الحنفی رح (المتوفی ۱۲۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

سوال بست و چہارم اگر اہلِ مشرق بگویند یا رسول اللہ یا اولیاء اللہ و اگر اہلِ مغرب بگویند یا رسول اللہ بر اینہا شرع چہ حکم فرماید مشرک یا کافر، یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ، یا مکروہ یا حرام؟

جواب - در ندا کردن غائب میان نبی و غیر نبی فرق است۔ اگر نبی را ندا خواہد نمود برائے ایصال صلوٰۃ یا سلام ظاہراً جواز است بدو جہت یکے آنکہ در حدیث شریف وارد است کہ ملائکہ از طرف حق تعالیٰ مقرر اند ہر کہ بر نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ یا سلام می فرستد ملائکہ نزد پیغمبر صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم می رسانند۔ دوم آنکہ در التحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ

چوبیسواں[۲۴] سوال اگر اہلِ مشرق کہیں یا رسول اللہ یا اولیاء اللہ اور اسی طرح اہلِ مغرب یا رسول اللہ کہیں۔ شریعت ان پر کیا حکم لگاتی ہے؟ وہ لوگ مشرک ہیں یا کافر ہیں یا یہ گناہ صغیرہ یا کبیرہ ہے؟ یا مکروہ یا حرام ہے؟

جواب - غائب کے ندا کرنے میں نبی اور غیر نبی کا فرق ہے۔ اگر کوئی نبی کو ندا کرتا ہے صلوٰۃ وسلام کے پہنچانے کے طور پر تو ظاہراً یہ جائز ہے دو وجہ سے۔ اوّل یہ کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کے لئے صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے فرشتے اسکو آپ تک پہنچا دیتے ہیں

پس بنا بریں اگر کسی یا رسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است و در حق دیگر اشخاص سوائے نبی ایں قسم وارد نشدہ پس ندا در حق غیر نبی ممنوع است و محظور خواہد بود بدلیل عموم آیات نصوص قرآنی کہ تلاوت نمودہ خواہد شد و اگر غیر خدا را بایں اعتقاد میگوید کہ ہر وقت کہ من ندا می کنم او می شنود و یا قدرت در انجاحِ حاجات می دارد یا در عالم متصرف است یا شرکت تدبیر در کارخانجات الٰہی میدارد پس دریں صورت شریک گردانیدن است بخدا۔ برائے دفع ایں امر پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث شدہ ہیچکس را در علم غیب و قدرت مطلقہ و تصرف در امور عالم شریک با خدائے تعالیٰ نباید ساخت پس ایں قسم ندا کردن غیر خدا را موجبِ شرک و کفر است

دوسرا یہ کہ اَلتحیات میں سلام کے پہنچانے کے لئے (اَلسَّلَامُ عَلَیکَ کے ساتھ) خطاب وارد ہُوا ہے پس اس بنا پر اگر کوئی شخص درود و سلام پہنچانے کی غرض سے یارسول اللہ کہتا ہے تو یہ جائز ہے اور نبی کے علاوہ اور لوگوں کے بارے اس طرح وارد نہیں ہُوا اسلئے ایسی ندا غیر نبی کے لئے ممنوع ہے اور اس سے روکنا چاہیئے اس لئے کہ قرآن کریم کی عمومی آیات اور نصوص جنکی تلاوت کی جائیگی وہ اس نہی کی دلیل ہیں اور اگر کوئی شخص غیر خدا کو اس اعتقاد سے پکارتا ہے کہ جب بھی مَیں ندا کروں گا وہ سُنتے ہیں یا حاجات پُورا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں یا جہان میں متصرف ہیں یا کارخانہ خداوندی میں تدبیر کی شرکت رکھتے ہیں سو ایسی صورت میں غیر خدا کو خدا تعالیٰ کا شریک بناتا ہے اور اسی چیز کے مٹانے کے لئے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے کہ کسی کو بھی علمِ غیب اور قدرت مطلقہ اور جہان کے کاموں

چنانچہ آیاتِ قرآنی واحادیث رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم و روایات فقہیہ پر اینہا دال انذ اھ۔ (مائۃ مسائل صـ۳۸، صـ۳۹)

کے تصرّف میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے سو غیرِ خدا کو اس طرح ندا کرنا موجبِ شرک وکفر ہے چنانچہ قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی احادیث اور فقہی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں الخ۔

اس کے بعد انھوں نے اس مضمون کی آیات، احادیث اور فقہی عبارات نقل کی ہیں۔

(و) اختلافی مسائل میں ائمہ دین رح اور علماءِ اسلام کا یہ طریق چلا آرہا ہے کہ وہ اس پہلو کو جو اُن کے نزدیک راجح ہوتا ہے دلائل و براہین سے مبرہن کر دیتے ہیں اور علمی اور تحقیقی طور پر دُوسرے فریق کو متانت سے جوابات دیتے ہیں لیکن نہ تو ان کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ نفس مسئلہ کے نزاع واختلاف کا انکار کرتے ہیں لیکن مُسلم قوم کی بدبختی اور قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی اعجاب کل ذی رأی برأیہ بھی ہے اور اسی کے مطابق مؤلّف ندائے حق وغیرہ کا انداز ہی سب سے نرالا ہے۔ پہلے تو انھوں نے مسئلہ سماعِ موتیٰ کے اختلافی ہونے کا سرے سے انکار کیا اور پھر جو حضرات ان کے ساتھ شریک نہیں بجبر اور سینہ زوری سے اُن کو اپنی کاغذی کشتی پر سوار کر کے اپنا ہمنوا کر دکھایا جو ہرگز ان کے ساتھ نہیں (جیسا کہ انشاءاللہ تعالیٰ آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے) اور عدم سماعِ موتیٰ کا تو قصّہ ہی چھوڑیئے اُنھوں نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبرِ مبارک کے قریب سے طلبِ شفاعت کو بھی بیک جنبشِ قلم شرک قرار

دے دیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اختلافی مسائل میں یہ طریقہ علم و انصاف سے کوسوں دُور ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی بعض عبارتیں بطور نمونہ عرض کر دیں تاکہ قارئین کرام اُن کی علمی تحقیق اور دیانت اور فقاہت فی الدّین کا بخوبی اندازہ لگا سکیں۔

(۱) الاستفتاء اب کیا فرماتے ہیں سواتی برادران (یعنی ابوالزاہد محمد سرفراز، وصوفی عبدالحمید۔ صفدر) اس بارے میں کہ جو شخص انبیاء کو خصوصًا نبی اکرم صلعم کو قبر کے پاس جا کر پکارے اور کہتا ہے :- الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ ادع اللہ لی یارسول اللہ اسئلك الشفاعۃ واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلمًا علی ملتك وسنتك السلام علیك یارسول اللہ من فلاں بن فلان (بین السطور لکھتے چلو علم غیب بھی ثابت ہو گیا۔ معلوم نہیں کہ کسی کے پیغام پہنچانے سے علمِ غیب کیسے ثابت ہو گیا؟ صفدر) ینتفع بك الی ربك وغیر ذٰلك وہ آیا مُشرک ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا حسین علی رح نے تو امام ابن تیمیہ رح کے حوالہ سے لکھا ہے وہ مُشرک ہیں اھ (بلفظہٖ ندائے حق ص۲۹۷، ص۲۹۸)۔

الجواب : یہ جتنے الفاظ ہیں یہ سب حضرات فقہاء احناف رح وغیرہم کے ہیں جو مختلف عبارات سے درجِ ذیل کتابوں میں ہیں :-

فتح القدیر ج۲ ص۳۳۸۔ فتاوی عالمگیری طبع مصر ج۱ ص۲۸۲۔ نور الایضاح ص۱۹۱ طحطاوی ص۴۰۶۔ کتاب الاذکار ص۱۸۴۔ شرح شفاء لعلی ن القاری رح ج۳ ص۵۲۰۔

زبدۃ المناسک صنٓ۶ مولانا گنگوہیؒ اور فتاویٰ رشیدیہ (جس کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں) وغیرہ جن کے باقاعدہ حوالے تسکین الصدور میں درج ہیں۔ یہ سواتی برادران کی ایجاد نہیں بلکہ یہ حضرات فقہاء کرام رحؒ کے فرمودات ہیں اور امام ابن تیمیہؒ اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحؒ نے جس پکارنے کو شرک لکھا ہے وہ بالکل بجا اور درست ہے کہ صاحبِ قبر سے اپنی حاجت اور مراد طلب کرے صاحب قبر سے مراد مانگنے کا اور اس کی دعا اور توسّل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مراد مانگنے کا اصولی طور پر فرق ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے علاوہ ازیں حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگردوں اور متوسلین نے بالآخر اس مسئلہ میں شدت اور غلو سے بھی کام لیا ہے اور دوسرے حضرات ان کی رائے کے پابند نہیں ہیں۔

بے مثل جواب

مؤلف ندائے حق نے حضرات فقہاء کرامؒ کی واضح عبارات کا جو جواب دیا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔ "بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضورؐ سے دعاء استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس" (انتہیٰ بلفظہ ندائے حق صنٓ۳۱۱)۔

حضرات علماء کرام اور طلبۂ عظام نے روایتی اور درایتی، عقلی اور نقلی بے شمار جوابات ملاحظہ فرمائے ہوں گے لیکن مؤلف ندائے حق کا یہ انوکھا اور نرالا

اور مجذوبانہ جواب ان کے معلومات میں اضافہ کرے گا۔ جو اس قابل ہے کہ اس کو سنہری حروف میں لکھ کر چڑیا گھر کے بڑے گیٹ پر آویزاں کیا جائے کہ انسانوں کے علاوہ بلبلیں اور طوطے وغیرہ جانور بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔

قارئین کرام! اندازہ فرمائیں کہ جب ایسی معتبر کتابوں میں باغی گھس گئے (جو ممکن ہے کوریا یا ویتنام سے آئے ہوں یا ماؤ ماؤ سے تعلق رکھتے ہوں) تو پھر ان درسی، مشہور اور متداول و معتبر کتابوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ نہ معلوم ان میں باغیوں نے کیا کیا شگوفے کھلائے ہوں گے۔ ہاں اگر یہ حوالے فتاویٰ عزائب (یا العزائب فی تحقیق المذاہب) کے ہوتے تو پھر کیا مجال ہے کہ باغیوں کو اس میں گھسنے کا موقع مل سکتا ہے مگر شومئے قسمت کہ یہ تو فتح القدیر، عالمگیری، نورالایضاح وغیرہ معتبر کتابوں کے حوالے ہیں۔ پھر یہ کتابیں باغیوں کی دست برد سے کیسے اور کیونکر بچ سکتی ہیں۔ شائد مؤلف مذکور دل ہی دل میں سُر تال سے یہ پڑھتے ہوں گے۔

تیرا جواب تو مَیں تھا میرا جواب نہ تھا۔

سبحان اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۲) نیز جو شخص بہاول حق یا معین الدین اجمیری یا داتا گنج بخش یا شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو دور و نزدیک سے پکارے وہ مشرک ہے یا نہیں؟ اگر مشرک ہے تو اس میں کیا فرق ہے کہ نبی اکرم ؐ اور ابوبکر و عمر کو پکارے تو موحد، اگر ان تین کے علاوہ اوروں کو پکارے تو مشرک؟ یا نزدیک و دور کا فرق کرتے ہو تو پھر فرمائیے کہ

جو حضرت اسمٰعیل ؑ کی مزار پر کھڑے ہو کر پکارے یا لات بزرگ کی قبر پر کھڑے ہو کر پکارے اور دعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو کہ میرا فلاں کام ہو جائے، یہ شرک تھا یا نہ۔ اھ صد ۲۹۸

پہلے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع عند القبر میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیگر بزرگوں کے ساتھ اس سوال میں شریک کر کے اس کا فرق پوچھنا نری جہالت ہے۔ پھر پکارنے کا یہ معنی کرنا کہ دعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو الخ۔ سماع موتیٰ کے قائلین کے ہاں درست اور صحیح ہے اور منکرین کے ہاں لغو ہے جیساکہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے اور اس طرح سے دعا کرانا شرک نہیں ہے جیساکہ فتاویٰ عزیزی کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے۔ باقی دور و نزدیک کا فرق اس مسئلہ میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے مگر اس سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر دینا کسی بھی ذی عقل و شعور کو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہاں مجذوبوں کا معاملہ ہی جدا ہے۔

(۳) اب اگر قبر کے پاس جا کر صلحاء شہداء صدیقین اور انبیاء کو پکارنا اور ان کا شفعائنا عند اللہ ہونا محقق اور ثابت ہوتا اور یہ اعتقاد شرک نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ استثناء فرما دیتے۔ لیکن اس اہم استثناء سے خدا کے سکوت کی

کیا وجہ؟ پھر اس قسم کی احادیث متواتر یا مشہور کیوں نہیں؟ پھر صحاح ستہ والوں نے کیوں نہیں لیا اھ صـ ۲۹۹

اس استدلال میں مؤلف مذکور نے جس سطحی ذہن سے کام لیا ہے اس کا علم وتحقیق سے کوئی واسطہ ہی نہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا بلا وجہ حجم بڑھانے اور وقت پاس کرنے کے لئے یہ دلیل پرویز صاحب یا اُن کے کسی خوشہ چین سے مستعاد لی ہے۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے رائے لینے کا محتاج نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بیان اور ارشاد فرمایا ہے وہ بالکل بجا ہے۔ معاملہ صرف سمجھنے کا ہے۔ غائبانہ طور پر کسی کو سفارشی بنانا تو اس شفعائنا عنداللہ کی مد میں آتا ہے لیکن زندگی میں کسی کو دُعا کے لئے سفارشی بنانا یا بعد از وفات قبر کے پاس سے کسی سے دُعا کی درخواست کرنا اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ و السّلام سے طلبِ شفاعت کرنا اس مد میں نہیں آتا۔ اگر یہ اس آیت کا مصداق ہوتا تو یہ آیت کریمہ حضرات فقہاء کرام رح کے سامنے بھی تھی جنھوں نے ایمان وتقویٰ کی دولت کے ساتھ دین کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کی ہے وہ ہرگز عندالقبر شفاعت اور توسّل کی اجازت نہ دیتے۔ اور بڑے بڑے ائمہ کرام رح اور علماء ملّت جو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں، بزرگانِ دین کی قبور پر دُعا کی اجازت نہ دیتے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نزدیک اسے طلبِ سفارش اور دُعا کرانا اس آیت کے مفہوم

میں ہرگز شامل نہیں ہے اور نہ شرک ہے۔ شرک اسی صورت میں ہے کہ دور سے یہ کارروائی کی جائے جس سے علم غیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو شرک کی جڑ اور بنیاد ہے۔ پھر مؤلف مذکور کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بے شمار حلال و حرام اور عبادات و احکام وغیرہ کے مسائل ایسے ہیں جو قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور مشہورہ سے ثابت نہیں ہیں اور نہ صحاح ستہ والوں نے ایسی احادیث کی تخریج کی ہے لیکن حضرات فقہاء کرام رح اور محدثین عظام رح ان پر بھی کاربند ہیں اور صحاح ستہ سے خارج اور صحیح حدیثوں کو بھی وہ لیتے ہیں جو اصول اور قواعد کے مطابق صحیح ہیں اور ان کو وہ مسترد نہیں کر دیتے۔ الحمدللہ تعالیٰ کہ یہ مسئلہ سواتی برادران کی ایجاد و اختراع نہیں ہے بلکہ سواتی برادران دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی حضرات فقہاء کرام رح اور اپنے اکابر کے دامن سے وابستہ اور ان کے خوشہ چین ہیں ؎

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم ۔۔۔ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حضرات فقہاء کرام رح کے اس فتویٰ کی اصل

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلبِ دعا اور استشفاع نہ فرض ہے اور نہ واجب اور نہ سنّتِ مؤکدہ بلکہ حضرات فقہاء کرام رح کے فتویٰ کے رو سے صرف جائز ہے۔ اس میں بھی بعض فقہاء کرام رح کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رح اور اس مسئلہ میں

ان کے پیروکار اور بعض دیگر حضرات جواز کے بھی قائل نہیں ہیں۔ باقی حنفی، مالکی اور شافعی وغیرہ مسلک والے حضرات اکثر اس کے جواز کے قائل ہیں اور ظاہر بات ہے کہ ایسے فروعی مسئلہ کے لئے کسی قطعی دلیل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بلکہ فی الجملہ اس کا جواز مطلوب ہوتا ہے اور اس کا اصل جواز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے ہے جس پر خلیفۂ راشد حضرت عمر رضہ کی مہرِ تصدیق ثبت ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عمر رضہ کے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی۔ گاؤں کا رہنے والا ایک شخص (اعرابی) آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبرِ مبارک پر حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ حضرت آپ کی امّت نہایت تکلیف میں ہے اور اس کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہے۔ آپ اللہ تعالےٰ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔

آپ کی قبرِ مبارک کے پاس دُعا کر کے یہ شخص چلا گیا۔ رات کو خواب میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اس شخص سے ملے اور یہ فرمایا کہ عمر رضہ کے پاس جاؤ اور اس سے میرا سلام کہو اور یہ خبر دے دو کہ انشاء اللہ تعالیٰ بارش ہوگی اور عمر رضہ سے کہہ دو کہ وہ عقلمندی کو لازم پکڑے۔

صُبح ہوئی تو وہ شخص حضرت عمر رضہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا یہ سارا ماجرا اُن کو سُنا دیا۔ یہ خبر سُن کر (مارے خوشی کے) حضرت عمر رضہ رو پڑے اور فرمایا: کہ میرے رب جو چیز میرے بس میں ہے اسکے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں

کی"۔ (محصلہ طبری ج ۴ ص ۹۸۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۰۱۔ شفاء السقام ص ۱۳۰ اور وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۱) اور یہ روایت ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رح نے اپنی کتاب تحریراتِ حدیث ص ۲۵۵ میں بھی نقل کی ہے۔ طبری ج ۴ ص ۹۹ اور البدایہ والنہایہ وغیرہ کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ خواب دیکھنے والے یہ اعرابی بزرگ حضرت بلال رض بن الحارث المزنی (المتوفی ۶۰ھ) جلیل القدر اور مشہور صحابی تھے۔ انھوں نے جس وقت یہ خواب حضرت عمر رض کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں تمھاری طرف جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا سفیر اور قاصد ہوں تو حضرت عمر رض نے فرمایا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا؟ فرمایا (البارحۃ) کہ گزشتہ رات پھر حضرت عمر رض نے یہ واقعہ حضرات صحابہ کرام رض کے مجمع کے سامنے پیش کیا۔

فقالوا صدق بلال رض (طبری، والبدایہ والنہایہ وغیرہ) تو انھوں نے کہا کہ بلال رض سچ کہتے ہیں۔

یہ واقعہ ۱۷ھ کے آخر یا ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے (طبری والبدایہ) اور مؤرخ عبدالرحمٰن بن خلدون رح (المتوفی ۸۰۸ھ) اس کو حتمی طور پر ۱۸ھ کا بتاتے ہیں (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۹۹) حافظ ابن کثیر رح۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رح اور علامہ سمہودی رح تینوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲ و فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸ و وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۱) حافظ ابنِ کثیر رح وغیرہ نے اس کی پوری سند بھی نقل کی ہے۔ اس صحیح روایت سے مؤلف ندائے حق کا یہ مطالبہ

بھی پورا ہو گیا کہ آپ اپنے مطالعہ کے زور سے ذخیرۂ احادیث میں سے ایک حدیث ایسی دکھادیں جس میں یہ ہو کہ صحابہ کرام بعد وفات النبی آپ سے استشفاع واستغفار کراتے تھے۔ اھ (ندائے حق ص۱۳۶) الغرض یہ واقعہ صحیح سند کے ساتھ تاریخِ اسلام کی ان معتبر کتابوں میں بالسند مذکور ہے جن میں احادیث کا خاصا ذخیرہ ہے۔

اس واقعہ اور صحیح روایت سے ذیل کے فوائد صراحت کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں:۔

(۱) یہ واقعہ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے تقریباً آٹھ سال بعد کا ہے جس میں بکثرت حضرات صحابہ کرام رض موجود تھے۔

(۲) خواب دیکھنے والا کوئی مجہول اور محض اعرابی اور جنگلی شخص نہ تھا جیسا کہ شفاء الصدور ص۱۰۲ اور اقامۃ البرہان ص۲۹۵ میں ان کو صرف اعرابی کہہ کر گلو خاصی چاہی ہے اور ندائے حق ص۳۰۳ میں تو یہ لکھ کر حضرات فقہاء کرام رح کی ہنسی پھبتی اڑائی ہے کہ "یہ جمہور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو" الخ بلکہ یہ واقعہ جلیل القدر اور مشہور صحابی حضرت بلال رض بن الحارث المزنی کا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

(۳) قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر اس طرح طلب دعا اور استشفاع شرک اور بدعت نہیں ورنہ ایک جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

(۴) یہ واقعہ نرے خواب ہی کا نہیں تاکہ یہ کہہ کر اس کو ٹال دیا جائے۔

جیسا کہ ہمارے کرمفرماؤں نے یہ کیا ہے) کہ خواب پر مدارِ دین نہیں بلکہ اس خواب کو بیداری میں خلیفۂ راشد حضرت عمر رضؓ کی تائید اور تصویب حاصل ہے۔ اگر سُنّۃ الخلفاء الراشدین رضؓ کی مَد میں ہو کر اس کارروائی کو سُنّت کا درجہ حاصل نہ ہو تو استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہو سکتا ہے؟ اور حضرات فقہاءِ کرام رحؒ نے بھی تو جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے گو بعض حضرات نے منکرین کے ردِّ عمل کے طور پر اس کی تاکید بھی کر دی ہے مگر فرض اور واجب تو نہیں کہا۔

(۵) اس واقعہ کی تائید و تصویب میں تنہا حضرت عمر رضؓ ہی متفرد نہیں بلکہ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضؓ نے بھی بلا نکیر اس کی تائید فرمائی ہے۔ فَقَالُوْا صَدَقَ بِلَالٌ رضؓ۔

(٦) یہ واقعہ کسی نصّ اور شرعی قاعدہ سے متصادم نہیں ہے۔ اگر اس سے کسی نصّ یا کسی شرعی اصل پر زد پڑتی تو حضرات صحابہ کرام رضؓ اور علی الخصوص حضرت عمر رضؓ اس کو رَدّ کر دیتے اور یہ فرما دیتے کہ یہ واقعہ قرآنِ کریم کی فلاں اور فلاں آیت یا آیات کے خلاف ہے اس لئے یہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح قرآنِ کریم کی سمجھ اُن حضرات کو حاصل تھی وہ بعد میں آنے والوں کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ جب حضرات صحابہ کرام رضؓ نے اس واقعہ کو قرآنِ کریم کی کسی نصّ کے خلاف نہیں سمجھا تو سمجھ لیجئے کہ اب اگر کوئی شخص اس واقعہ کو قرآن کریم کی کسی نصّ کے خلاف سمجھتا یا بتاتا ہے تو یقیناً وہ غلطی پر ہے اور اسکا نظریہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۷) اور اس واقعہ کی صحت کے لیے اُمّت کی اکثریت کا تعامل بھی ایک واضح قرینہ ہے جس پر ہر مسلک اور ہر طبقہ سے متعلق کروڑوں حضرات اب تک اس پر عمل پیرا ہیں اور حضرات فقہاء کرام رح کا فتوائے جواز بھی ساتھ شامل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ع

زبانِ خلق کو نقّارۂ خدا سمجھو

اعتراض: مؤلّف ندائے حق راقم کی تالیف راہِ سُنّت کی متعدد عبارات سے بزور اپنا مطلب کشید کرتے ہوئے اور اپنے حواریوں کو خوش کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ "حضرت شاہ محمّد اسمٰعیل رح صاحب شہید فرماتے ہیں. متبادر از لفظِ سیرت کہ مضاف بقومے باشد ہمیں است کہ آں سیرت در ایشاں مُروّج باشد نہ آنکہ کسے از ایشاں بطریق ندرت بر آں سیرت باشد. (آگے چل کر فرماتے ہیں) نیز بفتوائے ارأس العلماء (راقم کے پاس جو نسخہ ہے اس میں رئیس العلماء کے الفاظ درج ہیں. صفدر) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کہ استمداد را بمعنی طلبِ دُعا از اموات از جنس بدعات شمردہ اند باوجود آنکہ صاحبِ استیعاب روایت کردہ کہ در زمانِ حضرت عمر رض اعرابی طلبِ دُعاءِ استسقاء از مزارِ مبارک جناب رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نمودہ پس باوجود تحقیق ایں امر مذکور در آں قرن بنا بر آنکہ مُروّج دراں قرن نہ گردیدہ از بدعات شمردہ اند (ایضاح الحق الصریح فی احوال المیّت والضریح ص۷۰ تا ص۷۱ (ومع ترجمہ اردو ص۱۳۱) ندائے حق ص۱۱۹)

الجواب: اس واقعہ کو بدعت کہہ کر اس سے دستگاری حاصل کرنا درست نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ واقعہ نرے اعرابی کا نہیں ہے بلکہ اس کو بلانکیر حضرات صحابہ کرام رض اور بالخصوص حضرت عمر رض کی تائید حاصل ہے۔ دکھیا حضرات صحابہ کرام رض کا یہ واقعہ سن کر اس کی تصدیق و تائید کرنا اور خلیفۂ راشد حضرت عمر رض کی تصویب بدعت ہو گی؟ و ثانیاً جس طرح حضرت عمر رض نے رمضان مبارک میں مسجد نبوی کے اندر الگ الگ جماعتوں میں نماز تراویح پڑھنے والوں کو ایک ہی قاری اور امام پر جمع کر دیا تھا اور پھر یہ ارشاد فرمایا تھا: نعمت البدعۃ ھٰذہٖ یعنی یہ بدعت اور ایجاد کیا ہی اچھی ہے۔ ظاہر امر ہے کہ اس مقام پر لفظ بدعت صرف لغوی طور پر بولا گیا ہے اسی طرح اس عبارت میں بھی بدعت سے نو ایجاد مراد ہے نہ کہ وہ شرعی بدعت جس کی تردید احادیث صحیحہ اور شرعی دلائل سے ثابت ہے۔ کیونکہ اگر یہ شرعی بدعت ہوتی تو حضرات صحابۂ کرام رض اور خلیفۂ راشد رض اس کی ہرگز تائید و تصویب نہ فرماتے۔ ان کی تائید ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ بدعت لغوی ہے نہ کہ شرعی۔ و ثالثاً ایسا لگتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید رح نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رح کی اصل عبارت (یہ بات تحریر فرماتے وقت) ملاحظہ نہیں کی بلکہ اپنے حافظہ پر بھروسہ کر کے ان کا حوالہ دے دیا ہے۔ ہم حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رح کی اصل عبارت مع ترجمہ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:-

سوال:- از انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام و اولیاء کرام رح و شہداء عظام و
صلحاء عالی مقام بعد موت شان
استمداد باین طور کہ یا فلاں از حق
تبارک و تعالیٰ حاجت مرا بخواہ و
شفیع من شو و دعا برائے من بخواہ
درست است یا نے ؟

جواب:- استمداد از اموات
خواہ نزدیک قبور باشد یا غائبانہ
بے شبہ بدعت است۔ در زمان
صحابہ رض و تابعان رح نبود لیکن اختلاف
است در آں کہ بدعت سیئہ است
یا حسنہ ؟ و نیز حکم مختلف می شود
باختلاف طرق استمداد اگر استمداد باین
طریق است کہ در سوال مذکور است
پس ظاہراً جواز است زیرا کہ دریں
صورت شرک نمی آید مانند استمداد

سوال:- حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام و اولیاء کرام و شہداء عظام و صلحاء
عالی مقام سے بعد وفات کے اس طور سے
استمداد درست ہے یا نہیں کہ اے فلاں
بزرگ اللہ تعالیٰ سے میری حاجت روائی
کے لیئے آپ عرض کریں اور میری سفارش
کریں اور میرے لئے دعا کریں۔

جواب:- استمداد اموات سے بلاشبہ
بدعت ہے خواہ قبر کے پاس استمداد کی
کی جاوے یا غائبانہ ہووے۔ صحابہ رض اور
تابعین رح کے زمانے میں یہ امر نہ تھا لیکن
اس میں اختلاف ہے کہ استمداد کرنا بدعت
حسنہ ہے یا بدعت سیئہ ہے اور طریقہ
استمداد کے مختلف ہونے سے استمداد کے
بارہ میں حکم بھی مختلف ہوتا ہے تو اگر استمداد
اس طریقے سے کیا جاوے جو سوال میں مذکور
ہے تو ظاہراً جائز ہے اس واسطے کہ اس صورت

از صلحاء بدعا و التجاء در حال حیات و اگر
بنوعِ دیگر است پس حکم آن موافق آن
خواہد بود و در حدیث برائے روان شدن
حاجت ایں قدر آمدہ است عن عثمان
بن حنیف رضی اللہ تعالےٰ عنہ قال
ان رجلاً ضریر البصر اتی النبی
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال
ادع اللہ ان یعافینی فقال ان
شئت صبرت فھو خیر لک قال
فادعہ قال فامرہ ان یتوضأ
فیحسن الوضوء ویدعو بھذا
الدعاء اللھم انی اسئلک و اتوجہ
الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ
انی اتوجہ بک الی ربی لیقضی لی حاجتی
ھذہ اللھم فشفعہ فیّ رواہ الترمذی
وکذا فی المشکوٰۃ (فتاوی عزیزی
فارسی ج ۱ ص ۸۸ و ص ۸۹)

میں شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بزرگوں سے
بحالتِ حیات استمداد کرنا اس طور سے جائز
ہے کہ ان سے عرض کیا جاوے کہ درگاہِ الٰہی میں
میری حاجت روائی کے لئے آپ دُعا و التجا کریں اور
اگر اموات سے استمداد کسی دُوسرے طریقے سے
ہو تو اس طریقے کے موافق حکم ہوگا اور حدیث شریف
میں حاجت روائی ہونے کے لئے اس قدر آیا ہے
یعنی روایت ہے حضرت عثمان بن حنیف رضؓ سے کہ
ایک شخص نابینا خدمت میں پیغمبر صلے اللہ تعالیٰ علیہ و
سلّم کی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ دعا کریں اللہ تعالےٰ
سے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا بخشے تو آنحضرت
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر تمھاری خواہش
ہو تو دُعا کروں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو اور یہ تمھارے
لئے بہتر ہے تو انھوں نے عرض کیا کہ آپ دُعا کریں
تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اُن کو حکم دیا کہ
وضو کرو اور احتیاط سے وضو کرو اور یہ دُعا کرو.
اللّٰھمّ آخر حدیث تک یعنی اے پروردگار سوال

کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری جانب بذریعہ

حضرت محمد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کہ آنحضرت صلّی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلّم مبعوث رحمت کے لئے ہوئے ہیں

مَیں متوجہ ہُوا آپ کے ذریعے سے اپنے پروردگار

کی طرف تاکہ پروردگار میری یہ حاجت پُوری فرما دیوے

اے پروردگار آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی

شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ روایت کیا

اس کو ترمذی نے اور ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں

ہے۔ (ترجمہ اردو فتاویٰ عزیزی ج۱ صا۱۸۷ ، صا۱۸۸)

اس تفصیلی عبارت سے معلوم ہُوا کہ استمداد کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح اس کو جائز کہتے ہیں۔ جب یہ صُورت ان کے نزدیک جائز ہے تو پھر یہ بدعت سیئہ کیسے ہو گی؟ واضح بات ہے کہ ان کے نزدیک یہ صُورت بدعت حسنہ کی ہے اور ہم نے راہ سُنت میں بقدر ضرُورت اس پر بحث کی ہے کہ جو حضرات بدعت حسنہ کا اطلاق کسی جائز امر پر کرتے ہیں تو وہ چیز اصل میں جائز اور ثابت ہوتی ہے۔ صرف تعبیر کا فرق ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رض بن الحارث کا یہ واقعہ حضرت شاہ صاحب رح کے پیشِ نظر نہیں ہے ورنہ وہ بدعت کا لفظ بھی گو حسنہ ہی سہی ، ہرگز نہ بولتے۔ حضرت عثمان رض بن حنیف کی مذکور حدیث کا

ماخذ اور اس کی دیگر روایتی اور درایتی بحث ہم نے تسکین الصدور میں کر دی ہے۔

مسئلہ استشفاع

آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب مغفرت کی سفارش کرانے کا ثبوت بہت سے حضرات فقہاء کرام رح سے ثابت ہے (جیسا کہ مولانا گنگوہی رح نے اجمالاً ان کے حوالہ سے اس کا جواز نقل فرمایا ہے) اور ذیل کی کتابوں میں (جنکی بقدر حاجت عبارتیں ہم نے تسکین الصدور میں عرض کر دی ہیں) ان کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیری، رسائل الارکان ربحر العلوم رح، وفاء الوفاء، نور الایضاح طحطاوی، لباب المناسک المسالک المتقسط، کتاب الاذکار للنووی رح، الایضاح فی مناسک الحج لہ، اور شرح شفا ملا علی ن القاری رح وغیرہ۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

وقد اطبق الائمۃ الحنفیۃ علی سُنیتہ زیارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وزیارۃ صاحبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما والسلام علیہم وطلب الشفاعۃ منہم الخ (المنحۃ الوھبیۃ ص۱۲ طبع استنبول)	بلا شبہ حضرات ائمہ حنفیہ رح کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم اور آپ کے دو ساتھیوں (حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض) کی زیارت کرنا اور ان کو سلام کہنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا مسنون ہے۔

اس طلب شفاعت کا نہایت اخلاص و عقیدت کے ساتھ ذکر حضرت مولانا گنگوہی رح نے اپنی کتاب زبدۃ المناسک ص۱۴۱ میں بھی کیا ہے۔ فقہی طور پر ایسے فرعی

مسئلہ کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ثبوت درکار ہے؟

گلو خلاصی ہمارے کرمفرماؤں نے حضرات فقہاء کرام کی ان صریح عبارات سے رستگاری اور گلو خلاصی کے لئے ایک طریق تو یہ اختیار کیا ہے کہ ان کو قرآن کریم کی ان آیات سے جا ٹکرایا ہے (معاذاللہ تعالیٰ) جن میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے مگر اہل علم جانتے ہیں کہ عند القبر طلب دعا اور استشفاع کے وہ آیات ہرگز منافی نہیں ہیں۔ اگر استشفاع کی اس صورت میں کسی بھی قرآنی آیت سے تعارض پیدا ہوتا تو حضرات فقہاء کرامؒ کا دینی طور پر نہایت ہی محتاط طبقہ ہرگز اس کی اجازت نہ دیتا۔ یہ طریق محض عوام کو کچھ دکھانے یا الجھانے کے لئے ان حضرات نے اختیار کر رکھا ہے اور مسئلہ زیر بحث سے ان آیات کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا مختصر طریق جو انھوں نے اختیار کیا ہے، علم دوست احباب کے سامنے اس کو نہ پیش کرنا بھی ایک گونہ ظلم اور بخل ہوگا۔ مؤلف ندائے حق کا یہ حوالہ مع جواب کے پہلے گزر چکا ہے "بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضورؐ سے دعا استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس" بلفظہ۔ اور مؤلف "اقامۃ البرھان" کا جواب بھی اس سے کم درجہ کا نہیں ہے۔ وہ فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اگر فتاویٰ رشیدیہ کے مرتب سے

یہاں سہو نہیں ہوا اور یہ الفاظ واقعی حضرت گنگوہی رح ہی کے ہیں تو اسکے بارے میں باادب گزارش ہے کہ اصولی طور پر اس دلیل سے اتفاق مشکل ہے" اھ (اقامۃ البرہان صـ۲۹۴) ۔ عرض ہے کہ یہ عبارت واقعی حضرت گنگوہی رح کی ہے ۔ اس لئے کہ حضرت رح نے زبدۃ المناسک میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور وہ حضرت رح کے اپنے ہاتھ مبارک کی لکھی ہوئی کتاب ہے ۔ اس میں کسی مرتب کا کوئی دخل نہیں ہے"۔ یہ جواب تو فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت کا انھوں نے دیا ۔ اب ان کا وہ جواب بھی ملاحظہ کریں جو بقیہ حضرات فقہاء کرام رح کو دیا ہے ۔ " باقی رہا فقہاء کا لکھ دینا تو یہ جواز کے لئے کافی نہیں کیونکہ یہ قول متأخرین کا ہے ۔ اور ان کو مذہب میں ایک نیا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں ۔ قبر مبارک تو امام ابوحنیفہ رح اور صاحبین رح کے زمانے میں بھی موجود تھی مگر انھوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی اس لئے ان متأخرین کا قول حجت نہیں"۔ اھ (اقامۃ البرہان صـ۲۹۵)

محترم ! حضرت بلال رض بن الحارث المزنی اور حضرت عمر رض اور دیگر وہ حضرات صحابہ کرام رض جنہوں نے صدق بلال رض کہہ کر اس واقعہ کی تصدیق کی ۔ یہ تو متأخرین میں سے نہیں ہیں ۔ اور کیا ان حضرات کا قول بھی جواز کے لئے کافی نہیں ہے ؟ اور پھر حضرت امام ابُوحنیفہ رح اور حضرات صاحبین رح کا مسلک آپ زیادہ جانتے ہیں یا حافظ ابن الہمام رح ، حضرت ملاعلی بن القاری رح

مرتبین فتاویٰ عالمگیری اور علّامہ بحر العلوم رح وغیرہ حضرات؟ اور پھر یہ بھی بتایا جائے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح اور حضرات صاحبین رح سے بصراحت کس کتاب کے حوالہ سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی؟ بات تو صرف اتنی ہے کہ ان حضرات نے ایک رائے قائم کر رکھی ہے اور یہ اس کو کسی قیمت پر چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں خواہ اس میں ان کی جمہور سے ٹکر ہو یا متاخرین سے متقدمین سے معرکہ ہو جائے یا دیگر طبقہ کے حضرات فقہاء کرام رح سے۔ خود حضرات فقہاء احناف رح سے اختلاف ہو یا اپنے ہی دیوبندی اکابر سے۔ بہر کیف بقول ان حضرات کے ان کا ان سے اتفاق مشکل ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اعجاب کل ذی رأی برأیہ بھی ہے اور اس پرفتن دور میں ہم نے ایسے بہت سے لوگوں کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ ان لوگوں کا علمی اور تحقیقی طور پر فرض ہے کہ وہ اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق متقدمین سے بصراحت یہ ثابت کر دیں کہ عند القبر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور حضرات صاحبین رض سے استشفاع درست نہیں۔ باقی رہے حافظ ابن تیمیہ رح، حافظ ابن القیم رح، علامہ ابن الہادی رح اور امام ابن رجب رح وغیرہ حضرات، تو ایک تو یہ متاخرین میں شامل ہیں۔ ان کا قول بلا دلیل حجت نہیں۔ پھر اس مسئلہ میں یہ فریق ہیں لہذا مجوزین کے نزدیک ان کی بات حجت نہیں ہے جبکہ وہ جمہور ہیں اور قرآن و حدیث ان کا مستدل

توسّل اور عند القبور طلبِ دُعاء کا منظّم طور پر انکار

خیر القرون سے دُور ہونے کے بعد عموماً مُسلم قوم قرآن و سُنّت سے غفلت کی وجہ سے بہت کچھ بُرائیوں میں مبتلا ہوگئی تھی اور اس میں توحید و سُنّت کی جگہ شرک و بدعت سرایت کرگئی تھی نتیجہ یہ ہُوا کہ قبر پرستی کا عام رواج ہوگیا اور جہالت کی وجہ سے کچھ لوگ حضرات اولیاء کرام رح کو حاجت رَوا اور مشکل کُشا سمجھنے لگے اور ان کی قبروں پر حاضر ہوکر ان سے مُرادیں مانگنے لگے۔ اپنے دَور میں قوم کی اصلاح کی خاطر منظّم طریقہ پر توسّل، استشفاع عند القبور اور زیارۃ القبور کا رد اور انکار حافظ ابن تیمیہ رح اور ان کے تلامذہ اور متوسّلین نے شروع کیا۔ ابتداء میں ان حضرات کے فتوے نہایت نرم اور لہجہ بڑا معقول و موزون تھا اور وہ قبور کے پاس حاضر ہوکر مُردوں سے طلبِ دُعا کے بارے میں محض اتنا ہی کہتے رہے کہ یہ طریقہ قرآن و سُنّت اور ائمہ اربعہ رح اور سلف صالحین رح سے ثابت نہیں ہے اور یہ کارروائی ان میں سے کسی نے نہیں کی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس سے آگے بڑھے اور اس طریقہ کو صرف ذریعہ شرک قرار دیا۔ چنانچہ خود امام ابن تیمیہ رح ہی تحریر فرماتے ہیں :-

فنهى الله سبحانه عن دعاء الملائكة والانبياء مع اخباره لنا ان الملائكة

پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرات ملائکہ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام

يدعون لنا ويستغفرون ومع هذا فليس لنا ان نطلب ذٰلك منهم كذلك الانبياء والصالحون وان كانوا احياء فى قبورهم وان قدر انهم يدعون للاحياء وان وردت به آثار فليس لاحد ان يطلب منهم ذٰلك ولم يفعل ذلك احد من السلف لان ذٰلك ذريعة الى الشرك بهم وعبادتهم من دون الله تعالىٰ بخلاف الطلب من احدهم فى حياته فانه لا يفضى الى الشرك اھ (القاعدة الجليلة فى التوسل والوسيلة ص ۱۳۹ و ص ۱۴۰)

کو پکارنے سے منع فرمایا ہے باوجود اس خبر دینے کے کہ حضرات ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسّلام ہمارے لئے دعا اور مغفرت چاہتے ہیں تاہم ہمیں ان سے طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حضرات انبیاء کرام اور صالحین علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہونے کے باوجود اور یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ زندوں کے لئے دُعا کرتے ہیں اگرچہ اس کے متعلق حدیثیں بھی آئی ہیں، کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ ان سے کچھ طلب کرے۔ حضرات سلف رحمہم اللہ میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے ساتھ شرک کا ذریعہ بن جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر ان کی پوجا ہونے لگتی ہے، بخلاف زندگی میں کسی سے حاجت طلب کرنے میں کیونکہ یہ فعل شرک کی طرف نہیں لے جاتا

صرفِ نظر اس سے کہ جو حضرات عند القبور طلبِ دُعا کے قائل ہیں وہ بھی دُور دراز مقامات پر غیر اللہ تعالیٰ کو پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور اس پکارنے کی نہی کو وہ دُور سے مقید کرتے ہیں تاہم اس عبارت میں حافظ ابن تیمیہؒ ایسی کاروائی کو اپنے خیال میں صرف شرک کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور اس پر عین شرک کا فتوے صادر نہیں کرتے اور دلائل و براہین پر نگاہ رکھتے ہوئے اس سے زیادہ فتوے اس پر لگ بھی نہیں سکتا الا یہ کہ کوئی جاہل توحید کے زرّین اصُول کو چھوڑ کر دام شرک میں مبتلا ہو کر خالص شرکیہ کاروائی شروع کر دے تو معاملہ جُدا ہے لیکن جب ان حضرات کے اس مسلک کو بعض علاقوں میں کچھ پذیرائی ہوئی تو عام مسلمانوں کی طرف سے اس کا شدید ردِ عمل بھی ہوا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رح کے شاگرد رشید اور ان کے خیالات و نظریات کے پُرجوش حامی (جو پہلے ان کے شدید مخالف تھے) شیخ شہاب احمد بن محمد مری الحنبلی رح نے قاہرہ میں ۷۲۵ھ میں توسل بالنبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور مسئلہ زیارت کے متعلق اپنے استاد محترم حافظ ابن تیمیہ رح کی حمایت کی تو فقہاء وقت نے اُن کی سخت مخالفت کی۔ ابن مری رح کو پیٹا گیا اور قاضی القضاۃ تقی الدین اخنائی المالکی رح نے ان کو اس بدعقیدگی کے جرم میں قید کی سزا دی۔ کچھ دن قید رہے پھر جلا وطن کر دیئے گئے (ذیل العبر للذہبی رح حالات ۷۲۵ھ بحوالہ اصلاح الاخوان مؤلفہ سیّد شیخ داؤد آفندی رح ص ۹۸ اور امام ابن تیمیہ رح ص ۵۵۲، ص ۶۵۷)۔

اسی طرح جب ۷۲۶ھ میں زیارتِ قبور اور توسّل، وسیلہ اور استغاثہ کے مسئلہ کی وجہ سے ہنگامہ ہوا تو حافظ ابن القیم رح نے اپنے استاد کے خیالات ہی کی پُرزور حمایت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق کی حکومت نے انھیں بھی گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ استاد کی وفات کے بعد ۲۰ ذوالحجہ ۷۲۸ھ کو اُن کو قید سے رہائی ملی (امام ابن تیمیہ رح ص ۶۴۹، ص ۶۵۰ از افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری)

جب ان پر یہ تشدّد ہوا تو حافظ ابن تیمیہ رح کی طبیعت میں شدّت اور حدّت تو تھی ہی، ان کے فتوے میں بھی شدّت آگئی اور جس چیز کو پہلے وہ یوں تعبیر کرتے تھے کہ یہ حضرات سلف رح سے ثابت نہیں یا یہ ذریعۂ شرک ہے۔ اس کارروائی کو وہ آخر میں صریح شرک سے تعبیر کرنے لگے جس کا اثر قدرتی طور پر ان کے تلامذہ اور متوسّلین پر بھی ہوا اور یہ حضرات بھی آنحضرت صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلبِ دُعا اور طلبِ شفاعت کرنے کو صریح الفاظ میں شرک سے تعبیر کرنے لگے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رح، علّامہ ابن عبدالہادی رح حافظ ابن رجب رح اور امام بدرالدین بعلی رح وغیرہ اسی نظریہ کے قائل ہیں اور علّامہ آلوسی رح کا بھی اس مسئلہ کے بارے میں وُہی نظریہ ہے جو ان حضرات کا ہے۔ گویا اس مقام پر آکر رائے و تحقیق کے سلسلہ میں دو راستے ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ ہے جس پر جمہور حضرات فقہاء کرام رح (عام اس سے کہ وہ مالکی ہوں یا حنفی شافعی ہوں یا حنبلی) مگر حافظ ابن تیمیہ رح کے بعد

اکثر حنبلی امام ابن تیمیہ رح کے نظریہ کے حامل ہیں) کا مزان ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے اور سبھی طبقوں کے حضرات فقہاء کرام رح نے مناسک اور فقہ کی کتابوں میں قبر مبارک کے پاس استشفاع کو جائز کہا ہے اور پھر اس کا طریقہ بتایا ہے کچھ تفصیل تسکین الصدور میں ملاحظہ فرمائیں اور اس مسئلہ میں صحیح رائے حضرات جمہور ہی کی ہے کیونکہ ید اللہ علی الجماعۃ یہ الگ بات ہے کہ مؤلف نداے حق وغیرہ انھیں جمہور زنبور کہہ کر ان سے اپنی خواہش کے مطابق چھٹکارا حاصل کرلیں۔

تفردات امام ابن تیمیہ رح کے کئی علمی اختیارات و تفردات ہیں۔ جو ان کے فتاوٰی کی چوتھی جلد کے ساتھ کتابی شکل میں منسلک ہیں اور فتاوٰی میں بھی موجود ہیں، مثلاً یہ کہ سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری نہیں (فتاوٰی ج ۴ ص ۹۵) اور یہ کہ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقیں صرف ایک ہی ہوتی ہے اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی اور یہ کہ ہر بڑے چھوٹے سفر میں قصر اور دوگانہ ضروری ہے (فتاوٰی ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ اگر کوئی شخص عمداً نماز چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں اور یہ کہ توسّل درست نہیں اور اسی طرح استشفاع عند القبر جائز نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی قسم کے اختلافی مسائل کی وجہ سے ان کو حکومتِ وقت اور عوام اور علماء کی طرف سے خاصی دقّت پیش آئی اور کئی مرتبہ قید و بند سے دوچار ہوئے اور صعوبتیں اٹھائیں مگر اپنے نظریات سے انھوں

نے رجوع نہیں کیا اور تا دمِ مرگ ان پر سختی سے کاربند اور مصر رہے۔ علّامہ ذہبی رح فرماتے ہیں کہ امام ابنِ تیمیہ رح کئی فتووں میں منفرد ہیں جن کی وجہ سے اُن کی عزّت خطرے میں پڑ گئی اور یہ فتوے ان کے علم کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر کرے اور ان سے راضی ہو۔ میں نے ان جیسی شخصیّت نہیں دیکھی اور جبکہ (بجز جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے) ہر ایک کی بات کو لیا بھی جا سکتا ہے اور ترک بھی کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کی لغزشوں سے کیا ہوا؟ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۷۹)۔

راقم الحروف ان کی بہت سی کتابوں سے مستفید ہوا ہے اور ان کا بڑا مداح اور ان کے بے شمار علمی اور مجاہدانہ کارناموں کا قائل ہے لیکن ان کے تفردات میں ان کا حامی نہیں ہے اور اس میں مسلکِ اعتدال راجح اور قوی نظریہ جمہور ہی کا ہے اور راقم بھی جمہور کے ساتھ ہے۔

طبیعت میں شدّت و حدّت

اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن تیمیہ رح کو اپنے دور میں علم و اصلاح اور جہاد وغیرہ بہت سی نعمتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا اور وہ اپنے زمانہ میں اپنا نظیر اور اپنی مثال خود تھے مگر فطری طور پر ان کی طبیعت میں بے حد حدّت اور شدّت تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر رح ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"طبیعت میں حدّت اور شدّت تھی اس کے باوجود ان کے اندر حلم اور بُردباری

بھی بھتی۔"(الدرر الکامنہ ج۱ ص۱۵۱ ۔ و امام ابن تیمیہ ص۵۸) اور نیز لکھا ہے کہ ان کی بحث و تکرار میں بہ تقاضائے بشریت غیظ و غضب میں حدت اور تیزی پیدا ہو جاتی تھی ۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص۱۵۱ و البدر الطالع ج۱ ص۶۵ و امام ابن تیمیہ ص۶۰۳)

افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں کہ" امام موصوف کی طبیعت میں تیزی اور حدت و شدت زیادہ تھی ۔ جب کوئی کام خلافِ شریعت ہوتا ہوا نظر آتا تو بگڑ جاتے تھے ۔ (امام ابن تیمیہ ص۵۸۶) ۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رح ایک مقام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اما الحافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فانہ وان نسب الزیادۃ والنقصان الیٰ امامنا رحمۃ اللہ تعالیٰ لکن فی طبعہ سورۃ وحدۃ فاذا عطف الی جانب عطف ولا یبالی واذا تصدی الیٰ احد تصدی ولا یحاشی ولا یؤمن مثلہ من الافراط والتفریط فالتردد فی نقلہ لھذا (فیض الباری ج ۱ ص۵۹)

بہر حال حافظ ابن تیمیہ رح نے اگرچہ ایمان کی زیادت اور نقصان کی نسبت ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رح کی طرف کی ہے لیکن اُن کی طبیعت میں تیزی اور حدت ہے ۔ وہ جب کسی طرف جھکتے ہیں تو اسی طرف کے ہو رہتے ہیں اور پرواہ نہیں کرتے اور جب کسی کے درپے ہوتے ہیں تو درپے ہی رہتے ہیں اور پرہیز نہیں کرتے ۔ سو ایسی شخصیت سے افراط و تفریط غیر متوقع نہیں ہوتی ، اس لئے ان کی نقل میں تردد ہے ۔

اور دوسرے مقام پر ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

واذا تاوّل ابن تیمیہ رح فی مثل ھذہ الالفاظ فماذا یصنع فی قولہ حُسبت علیّ بتطلیقۃ فانہ صریح فی عبارتہا الّا انہ من طریقہ انہ اذا مرّ بلفظ لا یسوغ فیہ تأویلہ یغمض عنہ (فیض الباری ج ۴ ص۳۱۰)

مان لیا کہ حافظ ابن تیمیہ رح ان جیسے الفاظ کی تاویل کرتے اور کر سکتے ہیں لیکن یہ تو بتائیں کہ وہ حضرت ابن عمر رض کے اس قول سے کیا کریں گے کہ بحالتِ حیض میری دی ہوئی طلاق کا اعتبار کیا گیا۔ یہ قول تو صراحت سے دلالت کرتا ہے کہ بحالتِ حیض دی ہوئی طلاق کا اعتبار کیا گیا مگر حافظ ابن تیمیہ رح کا یہ طریقہ ہے کہ وہ جب کسی ایسے لفظ پر آتے ہیں جس میں ان کی تاویل نہیں چلتی تو وہ اس سے آنکھیں ہی بند کر لیتے ہیں۔

یہ روایت بخاری ج ۲ ص۷۹۰ اور مسلم ج۱ ص۴۷۶ میں ہے جس میں تصریح موجود ہے کہ بحالتِ حیض طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ چونکہ یہ صراحت حافظ ابن تیمیہ رح کی رائے اور مسلک کے خلاف ہے اس لئے وہ اس میں تاویلات سے کام لیتے ہیں مگر حُسبت علیّ بتطلیقۃ کے صریح ارشاد سے گلو خلاصی نہیں کرا سکے۔ غالباً علامہ ذہبی رح المتوفی ۷۴۸ھ) نے حافظ ابن تیمیہ رح کو ایسے ہی موقع پر ایک طویل خط میں تنبیہ فرمائی کہ اے کاش صحیحین کی حدیثیں تم سے بچی رہتیں۔ تم تو ہر وقت

تضعیف و اہدار یا تاویل و انکار سے ان پر حملہ کرتے رہتے ہو (زغل العلم صہ۱۷ صہ۱۸ و امام ابن تیمیہ رح صہ۶۱۱) ۔ بلکہ علامہ ذہبی رح نے زغل العلم صہ۳۲ اور اپنے رسالہ النصیحۃ الذھبیۃ لابن تیمیۃ میں ان کو خاصا کوسا ہے اور یہاں تک لکھا ہے کہ عقلمندوں کی جماعت ان کو محقق فاضل اور متبدع قرار دیتی ہے ۔ (امام ابن تیمیہ صہ۶۰۸)

امام ابن حجر المکی رح (المتوفی ۹۷۴ھ) نے الجوہر المنظم میں اور علامہ تقی الدین الحصنی رح نے دفع الشبہ میں ان کو گمراہ تک کہا ہے (معارف السنن ج ۳ صہ۳۳۱) حافظ ابن تیمیہ رح نے منہاج السنۃ ج ۱ صہ۲۴۷ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی تعبیر اختیار کی جس سے جسمیت کا شبہ ہوتا ہے ۔ امام سبکی رح اس سے برہم ہوکر اپنے طویل قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن تیمیہ رح کو صریح گالی دینے سے بھی باز نہیں آئے ۔ ایک شعر یہ ہے ؎

کذب ابن فاعلۃ یقول بجھلہ

اللہ جسم لیس کالجسمان (طبقات الکبریٰ صہ۲۶۲ ج ۲)

یہ بڑوں کی آپس میں معاصرانہ یا ناقدانہ باتیں ہیں ۔ ہمارے لئے سبھی حضرات قابل قدر ہیں اور معاذ اللہ تعالیٰ ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابن تیمیہ رح کی توہین و تنقیص نہیں ہے ۔ بتانا صرف یہ ہے کہ کئی مسائل میں وہ متفرد ہیں اور ان مسائل میں ان کے شاگردوں اور مخصوص متوسلین کے بغیر اور کسی نے ان کی ہمنوائی

نہیں کی اور طبیعت کی شِدّت اور حِدّت کی وجہ سے وہ ان پر مصر بھی رہے ہے۔ لہٰذا جمہور کا ساتھ چھوڑ کر ایسے نظریات میں ان کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ حق جمہور کے ساتھ ہی ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے رَوضۂ اقدس کی نیّت سے سفر

حافظ ابنِ تیمیہ رح کے جمہور کے ساتھ اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بقول ان کے دُور دراز سے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضری کی نیت سے سفر نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں مسجدِ نبوی کا قصد کیا جا سکتا ہے اور وہاں پہنچ کر پھر روضۂ اقدس کی زیارت بھی کی جا سکتی ہے۔

حضرت مولانا سیّد محمّد انور شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ رح نے اس کو اختیار کیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر درُست نہیں ہے۔ ہاں جو قبریں آبادی سے ملحق ہوں ان کی زیارت کرنا وہ مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جنت البقیع وغیرہ کی قبروں کے قریب ہونے کی بناء پر زیارت کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رح کے مذہب کی نقل کرنے میں لوگوں نے خطا کی ہے۔

(بایں طور کہ ان کا مذہب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ مطلقاً زیارتِ قبور ہی کے منکر ہیں دُور ہوں یا نزدیک، حالانکہ وہ قریب سے زیارت کے قائل ہیں۔)

علامہ ابن عابدین الشامی رح فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ رح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے دُور سے کوُچ اور سفر کرنے اور رخت سفر باندھنے سے منع کرتے ہیں اور قریب سے زیارتِ قبور کو جائز قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن تیمیہ رح کے اس مسئلہ میں حضرات متقدمین رح میں سے صرف چار بزرگ موافق ہیں۔ ان میں سے ایک الجوینی رح (امام ابو محمد عبداللہ بن یوسف الشافعی رح المتوفی ۴۳۸ھ) والد امام الحرمین رح (ابو المعالی عبدالملک الشافعی رح المتوفی ۴۷۸ھ) بھی ہیں۔ اور حافظ ابن تیمیہ رح نے جب یہ مسئلہ اختیار کیا تو وہ مصائب اور تکالیف میں مبتلا ہو گئے اور امام تقی الدین السبکی رح نے حافظ ابن تیمیہ رح کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ہے اور میں نے اس میں کوئی جدید اور تازہ کوئی شے نہیں دیکھی۔ وہ ضعیف روایات کی تقویت کے درپے رہے ہیں۔ پھر امام ابن الہادی رح نے علامہ سُبکی رح کے رد میں کتاب لکھی جس کا نام الصارم المنکی علی نحر السبکی رکھا اور اس نے اپنی تصنیف میں عمدگی کا ثبوت دیا ہے۔ پھر ان کے رد میں علامہ ابن علان (احمد بن ابراہیم المکی الشافعی النقشبندی رح المتوفی ۱۰۳۳ھ) نے کتاب لکھی جس کا نام انھوں نے المبرد المبکی علی الصارم المنکی رکھا۔ (نہایت

افسوس ہے کہ سعودی حکومت نے، جس پر نجدی علماء کے خیالات کا غلبہ ہے، جو حافظ ابنِ تیمیہ رح کے مسلک کے پیرو ہیں، اس کتاب کا داخلہ ہی حجاز میں ممنوع قرار دے دیا ہے جیساکہ شامی جیسی مفید کتاب ممنوع الدخول ہے اور الصارم المنکی اور اسنیٰ المطالب وغیرہ کتابوں کی بکثرت اشاعت کرتے ہیں اور یہ ہر کتب خانے سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ صفدر) اور طرفین سے سلسلہ تالیف و تصنیف جاری رہا اور جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت جائز ہے اور اعلےٰ درجہ کی نیکیوں میں شمار ہے اور رہی شدِ رحال کی حدیث کے مختلف جوابات جمہور کی طرف سے دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے بہتر وہ جواب ہے جو حافظ ابن حجر رح (نے فتح الباری ج ۳ ص ۵۳ میں) اور علامہ بدرالدین عینی رح نے (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۸۲ میں) دیا ہے اور دونوں کا مستدل وہ روایت ہے جو مسند احمد (ج ۳ ص ۶۴) میں ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے کہ اس میں نماز پڑھی جائے (یعنی مستثنیٰ منہ عام نہیں بلکہ صرف مسجد ہے۔ صفدر) رہی اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل، تو وہ یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ حضرات السلف الصالحین رح سے آنحضرت صلے اللہ تعلےٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف ان سے سفر ثابت ہے اور حافظ ابن تیمیہ رح اور ان کے پیروکار اس سے کوئی تسلّی بخش اور شافی جواب نہیں دے سکے۔ باقی ان کا یہ جواب کہ حضرات سلف صالحین رح مسجد نبوی کی طرف سفر کیا کرتے تھے اور روضۂ مطہرہ کی طرف

انکا سفر نہ ہوتا تھا، ایک بنادٹی بات ہے۔ (فقول مصنوع) اس لئے کہ حضرات سلف صالحین رح کے سفر کی غرض صرف مسجدِ نبوی ہی ہوتی تو وہ حضرات مسجدِ نبوی کی طرح مسجدِ اقصیٰ کا سفر بھی اسی اہتمام سے کرتے۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان حضرات سے اس کا کوئی شافی جواب نہیں بن سکا۔ **مسئلہ**۔ حضرات اولیاء کرام رح کی قبور کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کرنے کے لئے، جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں معمول بن چکا ہے، صاحبِ شریعت (آنحضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم) یا صاحبِ مذہب (یعنی مثلاً امام ابوحنیفہ رح) یا مشائخ سے نقل اور حوالہ کی ضرورت ہے اور دور دراز قبروں کی زیارت کا گاؤں اور شہر کے قریب قبروں کی زیارت پر قیاس کرنا جائز اور درست نہیں ہے کیوں کہ قریب کی قبور کے لئے کوئی سفر ہی نہیں ہوتا۔ (العرف الشذی ص ۱۶۳ مترجماً) اور مسئلہ سے آخر تک کی عبارت بعینہا جیساکہ العرف الشذی میں ہے۔ معارف السنن ج ۳ ص ۳۳۵ میں بھی ہے۔

دیوبندی مسلک کے حضرات حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رح کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ حضرت نے کیا فرمایا ہے؟ اور خصوصیت سے مؤلف ندائے حق وغیرہ جنھوں نے الصادم المنکی کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رح کا قدا جاد کا جملہ ہی پلّے باندھ لیا ہے اور آگے

سب عبارت ہڑپ کر لی ہے۔ اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے صرف ان کی عالمانہ تحریر کی داد دی ہے نہ کہ ان کے دلائل کی۔ اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ بار بار فرماتے ہیں کہ جمہور کی دلیل کا شافی اور تسلّی بخش جواب نہ تو علّامہ ابن تیمیہؒ دے سکے ہیں اور نہ اُن کے پیروکار۔

محقّق العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا السید محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ استاد محترم نے فرمایا کہ جو مسلک حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے اس کی طرف ان سے قبل چار عالم گئے ہیں۔ ایک ان میں ابو محمد الجوینی رح والد امام الحرمین رح ہیں اور دُوسرے ان میں قاضی عیاض المالکیؒ ہیں اور تیسرے ان میں قاضی حسین الشافعی رح ہیں جیسا کہ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔ راقم (یعنی حضرت مولانا بنوری صاحب) کہتا ہے کہ ان حضرات سے جو چیز منقول ہے وہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کی زیارت کے لئے، زندہ ہوں یا مُردہ، اور اسی طرح متبرک مقامات کی طرف بقصد تبرک سفر کرنا اور وہاں نماز پڑھنا منع ہے۔ جیسا کہ فتح الباری وغیرہ میں ہے اور ان حضرات سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے کہ اُنھوں نے خصوصیّت سے آں حضرت صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کی زیارت سے منع کیا ہو۔ ہاں ان کے نزدیک لفظ صالحین کے عموم میں یہ بھی داخل ہو تو الگ بات ہے۔ بلکہ قاضی عیاضؒ کے کلمات ان کی کتاب الشفاء میں جمہور کے موافق ہیں اور بحث و تمحیص کے

بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ رح اور ان کے پیروکار اس مسئلہ میں
منفرد ہیں اگرچہ ان کے ان بعض اقوال میں جمہور امت اور تمام ائمہ کے مقابلہ میں
کچھ لوگ ان کے موافق بھی ہیں۔ اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ایک تھوڑا سا طائفہ
ابن تیمیہ رح کے مسلک کے موافق ہے تو ہو لیکن یہ ایک ایسا قول تھا جس کا نشان
آفاق میں اوراق کے گوشوں کے اندر پوشیدہ تھا۔ حافظ ابن تیمیہ رح ہی وہ شخص ہیں
جنھوں نے نئے سرے سے اس مردہ مسئلہ کو قبر سے اٹھا باہر لا کھڑا کیا ہے اور
اس کی وجہ سے امت میں فتنے کا ایک نیا دروازہ کھل گیا ہے اور اسی لئے
یہ مسئلہ بھی ان کے دیگر شاذ مسئلوں کی طرح شاذ اور ان کا تفرد ہی سمجھا جاتا ہے
اور اس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ تقی الدین
الحصنی رح نے اپنی کتاب دفع الشبہ میں ایسی ہی تحقیق کی ہے جس کی میں
گمان کرتا تھا۔ (ملاحظہ ہو دفع الشبہ ص۹۷ اور اس کے بعد) سو انھوں نے
تحقیق کی کہ امام ابو محمد الجوینی رح اور قاضی عیاض رح وغیرہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک
کی طرف سفر کو حرام نہیں کہتے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور حافظ ابن حجر رح اور
ان کے علاوہ بے شمار محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ تعالیٰ
علیہ وسلّم کی قبر مبارک کی زیارت کے مشروع ہونے پر بلا اختلاف اجماع ہے جیسے کہ
فتح الباری میں ہے۔ اس تحقیق کے بعد حافظ ابن تیمیہ رح ہی وہ پہلے شخص ہیں
جنھوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے اور اس اجماع کو قاضی عیاض المالکی رح

اور امام نووی الشافعی رح اور حافظ ابن الھمام الحنفی رح نے نقل کیا ہے اور اس مسئلہ میں اجماع کی مخالفت کی وجہ سے حافظ ابن تیمیہ رح طرح طرح کے مصائب اور شدائد میں مبتلا ہوئے جیسا کہ الدرر الکامنہ میں ہے اھ (معارف السنن ج ۳ صـ۳۳۰ ، صـ۳۳۱) ۔ اور حافظ ابن تیمیہ رح وغیرہ حضرات کی اس تاویل کا کہ مدینہ طیبہ جانے والے مسجد نبوی کا قصد کرتے ہیں (یا کریں) اور اس کے بعد روضۂ اقدس کی حاضری کا رد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ المسجد الحرام جو جمہور کے نزدیک مسجدِ نبوی سے زیادہ افضل ہے، جس میں مسجدِ نبوی میں پڑھی ہوئی نماز سے کئی گنا زیادہ ثواب ہوتا ہے (آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے مساوی ہے اور میری مسجد میں ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو نماز کے برابر ہے. (مجمع الزوائد ج ۴ صـ۷ حدیث حسن) پھر کیا وجہ ہے کہ سلف صالحین رح محض نماز پڑھنے کے لئے المسجد الحرام کی اعلےٰ فضیلت چھوڑ کر مسجدِ نبوی کی ادنےٰ فضیلت حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے اور تکلیفیں اٹھاتے رہے؟ اور پھر مسجدِ اقصیٰ کے سفر کا بھی انھوں نے کوئی خاص اہتمام نہ کیا۔ حالانکہ بعض روایات میں ان دونوں کا درجہ برابر آیا ہے ۔ الغرض اگر حضرات سلف صالحین رح کا مقصد آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس کی برائے زیارت حاضری مقصود نہ ہوتی تو صرف مسجدِ نبوی کے اس اہتمام کا کیا

معنیٰ ؟ اور کیا مقصد ؟ (محصلہ معارف السنن ج ۳ صـ ۳۳۴) ۔

حافظ ابن تیمیہ رح کے اس غلو اور شدّت کے مقابلہ میں حضرات فقہاء کرام رح نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر زیارت کی نیّت سے حاضر ہونے کو افضل قربات بلکہ قریباً واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ محقّق احناف حافظ ابن الھمام (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :۔

المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ (فتح القدیر ج ۲ طبع ھند صـ ۵۸۹)

تیسرا مقصد آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کی زیارت۔ ہمارے مشائخ رح نے فرمایا ہے کہ وہ تمام مستحبات میں سے افضل ہے اور مناسک فارسی اور شرح مختار میں ہے، کہ صاحبِ استطاعت کے نزدیک واجب کے قریب ہے۔

ان سلجھے ہوئے فقہی الفاظ میں حافظ ابن تیمیہ رح اور اس مسئلہ میں ان کے متوسّلین کا رد ہے، اور جمہور کے مسلک کی پُرزور تائید ہے۔ اور امام ابن ہبیرہ رح نے کتاب اتفاق الائمہ رح میں تصریح فرمائی ہے کہ امام مالک رح، امام شافعی رح، امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد رح بن حنبل رح کا اتفاق ہے کہ قبر نبوی کی زیارت سب سے بہتر کاموں میں سے ہے۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام مدنی۔ جلد اوّل صـ ۱۲۶) ۔

بابُ اوّل

سماعِ موتیٰ کے بعض دلائل

اس مسئلہ کے اثبات پر قدیماً وحدیثاً متعدد عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں مگر ہمارا مقصد اس مقام پر تمام دلائل و براہین کا استیعاب واحاطہ نہیں اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے بلکہ بعض دلائل پیش کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ قائلین سماعِ موتیٰ بھی بحمداللہ تعالےٰ قوی دلائل سے لیس ہیں اور ان کے دعویٰ، مسلک اور دلائل و براہین کا کُلیتہً انکار کر دینا فہم و بصیرت اور علم و انصاف سے یکسر دُور ہے۔ ہاں اختلافی مسائل میں اپنے پسندیدہ مسلک کو دلائل سے مبرہن کرکے ترجیح دینا اور انصاف و دیانت کے ساتھ علم و تحقیق کی رَوشنی میں فریق ثانی کو جواب دینا ایک خالص علمی خدمت ہے جس کو اہلِ علم حضرات انجام دیتے رہتے ہیں وَالْعِصْمَۃُ بِیَدِ اللہِ تعالیٰ وَحْدَہٗ۔

پہلی دلیل:۔ حضرت انس رضؓ (المتوفی ۹۳ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ:

ان العبد اذا وضع فی قبرہٖ وتولے ..... بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس

وذھب اصحابہ حتّٰی انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان۔	کے ساتھی اس سے چلے جاتے ہیں۔ ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سُن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔

الحدیث (بخاری ج ۱ صفحہ ۱۷۸ واللفظ لہٗ ومسلم ج ۲ صفحہ ۳۸۶ و ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۲۹۸، صفحہ ۱۰۴ و مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۲۴ وسنن الکبریٰ صفحہ ۸۰ ج ۳ ومصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ صفحہ ۳۷۸ طبع حیدرآباد دکن ومسند احمد ج ۳ صفحہ ۱۲۶ وشرح السنۃ ج ۵ صفحہ ۴۱۵۔

اور مستدرک ج ۱ صفحہ ۳۸۰ کی روایت میں جس کے علیٰ شرط مسلم صحیح ہونے پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں، حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ ہیں: آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

والذی نفسی بیدہٖ انہ لیسمع خفق نعالھم حین یولّون عنہ	اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے جس وقت لوگ اس سے واپس ہوتے ہیں۔

اور یہ روایت موارد الظمآن صفحہ ۱۹۶ میں بھی ہے اور شرح السُنۃ۔ ج ۵۔ صفحہ ۴۱۳ میں ان المیت یسمع حسّ النعال اذا ولوا عنہ الناس مدبرین کے الفاظ ہیں۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ مُردہ دفن کے بعد قبر میں قبر سے واپس ہونے والے لوگوں کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ اور آواز سُنتا ہے اور جب یہ

سُنتا ہے تو اِنسانوں کی آواز بطریقِ اولیٰ سُنتا ہے۔ تسکین الصدور میں باحوالہ ٹھوس دلائل کے ساتھ یہ بات ہم نے بیان کر دی ہے کہ جمہور اہل السنّت والجماعت کے نزدیک قبر کی راحت اور عذاب رُوح اور جسم دونوں سے وابستہ ہے اور مُنکر و نکیر (نافرمانوں کے لئے اور مبشر و بشیر فرماں برداروں کے لئے، کذا فی فتح الباری ج ۳ ص۱۴۸) کے آنے سے، قبل ہی اس میں اعادۂ رُوح ہو جاتا ہے اور اسی موقع پر مُردہ جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے۔ اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رح (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ:-

وقد ثبتت الاحادیث بما ذهب الیه الجمهور کقوله انه یسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله یسمع صوته اذا ضربه بالمطراق وقوله یضرب بین اذنیه وقوله فیقعدانه وکل ذٰلک من صفات الاجسام اھ (فتح الباری ج ۳ ص۱۸۶ طبع مصر)

جمہور کے مسلک کے مطابق احادیث ثابت ہیں مثلاً یہ کہ مُردہ دفن کرنے والوں کی واپسی پر ان کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے اور یہ کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں اور یہ کہ اس کو جب ہتھوڑے سے پیٹا جاتا ہے تو اس کی آواز سُنی جاتی ہے اور یہ کہ جب اس کے دونوں کانوں کے درمیان گرز ماری جاتی ہے اور یہ کہ مُنکر و نکیر اُس کو بٹھاتے ہیں تو یہ جُملہ اُمور اجسام کی صفات ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردہ کے لئے سماعِ قرعِ نعال ثابت ہے اور یہ حقیقت پر محمول ہے، کوئی مجاز و کنایہ نہیں اور دیگر اُمور کی طرح اس میں بھی مُردہ کے جسم کا تعلّق ہے، یہ محض رُوح ہی سے وابستہ نہیں ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ بن اسمٰعیلؒ البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے اس سلسلہ میں صحیح بخاری میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے باب المیّت یسمع خفق النعال (ج ۱ ص ۱۷۸)

اس کی شرح میں علّامہ بدرالدین محمُود العینی الحنفی رحؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں :-

ای هذا باب یذکر فیه المیّت یسمع خفق نعال الاحیاء وخفق النعال صوتها و دوسها علی الارض اه (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۵۷ طبع مصر)	یعنی یہ باب ہے جس میں یہ بات ذِکر کی گئی ہے کہ مُردہ زندوں کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے اور خفق النعال کا معنی جوتیوں کی آواز اور ان سے زمین کو روندنا ہے۔

یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مُردہ زندوں کی جوُتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے اور حضرت امام بخاری رحؒ کا بھی یہی مَسلک ہے۔ حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رحؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

وقال ابن الملك ای صوت دقّها	علامہ ابن الملک رحؒ فرماتے ہیں کہ قرعِ

وفیہ دلالۃ علیٰ حیواۃ المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیٰوۃ ممتنع عادۃً واختلفوا فی ذٰلک فقال بعضہم یکون باعادۃ الروح وتوقّف ابوحنیفۃؒ فی ذٰلک اھ ولعل توقف الامام فی ان الاعادۃ بجز البدن اوکلہ اھ

(مرقات ج ۱ ص۱۹۸ طبع ملتان)

نعال سے جوتیوں کی زمین پر پڑنے کی آواز مُراد ہے اور اس حدیث میں مُردہ کے قبر میں زندہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ زندگی کے بغیر عادۃً احساس ممتنع ہے اور اس میں اختلاف واقع ہُوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زندگی اعادۂ روح کے ساتھ ہے اور امام ابوحنیفہ رحؒ نے اس میں توقف کیا ہے الخ۔ شاید کہ امام صاحبؒ کا توقف اس بات میں ہو کہ اعادۂ روح جزوِ بدن کی طرف ہے یا کُل کی طرف (نفس اعادہ میں توقف نہیں)

اس سے بھی معلوم ہوُا کہ سمع قرعِ نعال سے حقیقت مُراد ہے کہ مُردہ سچ مُچ دفن کرکے واپس جانے والوں کی جُوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے۔ اس حدیث کا یہی مطلب و مُراد صحیح ہے اور جمہور شراح حدیث نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے جیساکہ آپ نے بعض حوالے دیکھ لئے ہیں۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے سُرعتِ اتیانِ ملائکہ مُراد لی ہے کما مرّ عن الکوکب الدری لیکن یہ تو خود حدیث میں مصرح اور منصوص ہے جیساکہ بخاری ج ۱ ص۱۷۸ وغیرہ کی روایت میں اس

کی تصریح ہے حتّٰی انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان الحدیث یعنی مُردہ ابھی قرعِ نعال کی آواز سُن ہی رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آ پہنچتے ہیں۔ اس صراحت کے ہوتے ہوئے سمع قرعِ نعال کے جملہ سے سُرعتِ اتیانِ ملائکہ بطور کنایہ مُراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا مؤلّف ندائے حق کا صـ ۱۵۲ میں یہ لکھنا باطل ہے کہ "اور قرعِ نعال والی حدیث بھی آپ نہیں پیش کر سکتے کیونکہ وہ حدیث ماؤل ہے" اھ۔ تاویل کی وہاں ضرورت پیش آتی ہے جہاں حقیقت متعذر ہو لیکن یہاں حقیقت ہی متعیّن ہے۔ جیساکہ شرّاح حدیث کے جمِّ غفیر نے اس کی تصریح فرمادی ہے۔

اعتراض۔ حضرت مولانا گنگوہی رح نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ اس سے فرشتوں کی جلد آمد مُراد ہے اور یہ سُرعتِ اتیان ملائکہ سے کنایہ ہے (ملاحظہ ہو الکوکب الدری ج ۱ صـ ۳۱۹ و تقریر الجنجوہی رح علی مسلم صـ ۶۳)۔

جواب۔ علمِ حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے جانتے ہیں کہ حدیث پڑھاتے وقت اساتذہ کرام اختلافی مسائل میں ہر مسئلہ اور ہر گروہ کی عقلی و نقلی دلیل کو تفصیلاً یا اجمالاً بیان کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رح نے بھی مُسلم اور ترمذی کے درس کے موقع پر حضرات مُنکرینِ سماعِ موتیٰ کی طرف سے یہ معنیٰ بیان کیا ہوگا کہ وہ اس حدیث کی تصریح یوں کرتے ہیں۔ جس کو لکھنے والے حضرات نے اپنے بیاض میں جمع کر لیا ہے۔ لیکن اس سے قطعی طور پر یہ ثابت

کرنا کہ حضرت مولانا گنگوہی رح مُردہ کو دفن کرنے کے بعد اس کے سماع کے کُلّیتہً مُنکر ہیں، بالکل غلط ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ صنا۱۰۱ کا ایک سوال وجواب ملاحظہ ہو۔ سوال۔ جب سماعِ موتیٰ کے حضرت امام صاحب رح قائل نہیں ہیں پھر فقہاءِ حنفیہ تلقین میّت کو کیوں تحریر فرماتے ہیں؟

الجواب۔ مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اوّل زمانۂ قریب دفن کے بہت سی روایات (جن میں ایک حدیث قرعِ نعال والی بھی ہے۔ صفدر) اثباتِ سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب رح سے (عدمِ سماعِ موتیٰ پر آتی ہیں (مثلاً فتاویٰ غرائب وغیرہ کا حوالہ) صفدر) شاذ ہیں۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم۔

حضرت مولانا گنگوہی رح کی اس تصریح کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اُن کے نقطۂ نظر سے حدیث سمعِ قرعِ نعال وغیرہ احادیث کی تاویل کرتا ہے تو اُس کی تاویل کا قطعًا کوئی اعتبار نہیں۔ عقلمندوں نے پہلے ہی یہ بات کہہ دی ہے کہ ؏

خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ۔

دُوسری دلیل

حضرت ابوہریرہ رض (المتوفی ۵۷ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — جناب رسُول اللہ صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم

اتی المقبرة فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانّا انشاء اللہ بکم لاحقون (مسلم ج ۱ ص ۱۲۶ ۔ ابو داؤد ج ۲ ص ۱۰۵ و سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷ و مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۰ و مشکوٰة ج ۲ ص ۱۰۵)

قبرستان تشریف لے گئے اور آپؐ نے (مُردوں کو خطاب کرتے ہوُئے) فرمایا سلام ہو تم پر اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو اور بلاشبہ ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں

اور اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے بھی مرفوعًا مَروی ہے۔ (مُسلم ج ۱ ص ۳۱۳ ، مسند احمد ج ۶ ص ۷۶ ، نسائیؒ ج ۱ ص ۲۲۲ ، ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۱۲ ، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۹ ، مشکوٰة ج ۱ ص ۱۵۴ و شرح السنۃ للبغوی رح ج ۵ ص ۴۷۱) اور اسی مضمون کی روایت حضرت بریدہ رضؓ سے بھی مرفوعًا مَروی ہے ، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ :-

کان رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعلمہم اذا خرجوا الی المقابر الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۳۱۴ و ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۱۲ و سنن الکبریٰ ج ۴

آنحضرت صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم صحابہ رضؓ کو یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان میں جائیں (تو ان الفاظ سے انھیں سلام کہا کریں)

ص ۷۹ و مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳ و ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸ طبع ملتان و شرح السنۃ للبغوی رح ج ۵ ص ۴۶۸ ۔

اور تعلیم کے الفاظ کے بغیر نفس سلام کہنے کی ان کی روایت نسائیؒ ج ۱ ص ۲۲۲ ، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۹ اور مشکوٰة ج ۱ ص ۱۵۴ میں موجود ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبد اللہ رضؓ بن عباسؓ سے بھی مرفوعًا مَروی ہے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۵ و قال حسن غریب و مسند احمد ج ص و مشکوٰة ج ۱ ص ۱۵۴) اور اسی مضمون کی روایت حضرت بشیر رضؓ بن الخصاصیہ (المتوفی سنہ ھ) سے بھی مرفوعًا مَروی ہے (مجمع الزوائد

ج ۳ ص۶۰ وقال رواته ثقات) اور اسی مضمون کی روایت حضرت عمرؓ اور حضرت
مجمع بن حارثہ رضؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے (مجمع الزوائد ج ۶ ص۶۰) ان کی سندیں اگرچہ
کمزور ہیں مگر اصولِ حدیث کے رُو سے پہلی صحیح روایات کی تائید ان سے ہو سکتی ہے)
ان الفاظ اور اس انداز سے مُردوں کو سلام کہنے کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو
سکتا ہے کہ وہ خطاب کے اہل ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سُنتے ہیں۔ اسی
لئے تو آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے خود بھی مُردوں کو سلام کہا اور اُمّت
کو اس کی تعلیم بھی دی کہ وہ بھی جب قبرستان میں جائیں تو اس طرح ان کو
سلام کیا کریں۔ اور حافظ ابن حجر رحؒ والسنۃ ان یقول الزائر السلام علیکم الخ (تلخیص الحبیر ج ۲ ص۱۳۷)
سے اس طرح سلام کہنے کو سُنت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وثبت عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لامتہ اذا سلموا علیٰ اھل القبور ان یسلموا علیہم السلام من یخاطبونہ فیقول المُسَلِّم السلام علیکم دار قوم مومنین وھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ھذا الخطاب لکانوا بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے اُمّت کے لئے یہ حکم ثابت ہے کہ وہ جب اہلِ قبور کو سلام کرے تو اس طرح سلام کرے جس طرح مخاطب سے سلام کیا جاتا ہے۔ سو سلام کہنے والا کہے اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو تم پر سلام ہو اور یہ خطاب اس کو ہے جو سُنتا اور جانتا ہے۔ اگر اُن کو یہ خطاب نہ

مجمعون علیٰ ھذا وقد تواترت الآثار عنھم بان المیّت یعرف بزیارۃ الحی لہٗ ویستبشر بہ اھ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

ہوتا تو اس میں وہ ایسے ہوتے جیسے معدوم و جماد اور سلف صالحینؒ کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ اُن سے آثار مروی ہیں کہ جب کوئی زندہ مُردہ کی زیارت کے لئے آتا ہے (اور اسے سلام کہتا ہے تو اُس کی آواز سے) مُردہ اُس کو پہچان لیتا ہے اور اس کی آمد سے وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے اس دعوے کے اثبات کے لئے کئی روایات اور آثار نقل کئے اور پھر لکھتے ہیں کہ :۔

وقد شرع السلام علی الموتی والسلام علیٰ من لم یشعر ولا یعلم بالمُسَلِّم محال (ج ۳ ص ۴۳۹)

بے شک مُردوں پر سلام کہنا مشروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا، جو سلام کہنے والے کا نہ تو شعور رکھتا ہو اور نہ علم محال ہے۔

اور اس بحث کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ :۔

فھذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع ویخاطب ویعقل ویرد وان لم یسمع المسلّم الرد واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر ابن کثیر

پس یہ سلام وخطاب اور ندا اس موجود کو ہے جو سُنتا ہے اور اس سے خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے اگرچہ سلام کہنے والا میّت کے جواب کو

ج ۳ ص ۴۳۹) نہیں سنتا اور اللہ تعالیٰ ہی خوب اور بہتر جانتا ہے۔

ان صحیح احادیث اور سلف صالحین رح کے اجماع و اتفاق کے پیشِ نظر حافظ ابن کثیر رح کا یہ بیان اور تشریح خالص حق ہے اور شرعی طور پر اس میں ذرّہ بھر بھی افراط و تفریط نہیں ہے۔

ابنِ کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے؟

مؤلف ندائے حق نے صد ۲۹۱ و صد ۲۹۲ میں بلاوجہ اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ ابن کثیر رح کی یہ عبارت الحاقی ہے کیونکہ یہ عبارت ابن کثیر رح جیسے محقق کی نہیں ہے، جو مفضی الی الشرک ہے بلکہ یار لوگوں کا الحاق ہے۔ تفسیر ابن کثیر رح صد ۴۲۵ کے حاشیہ پر کسی خدا کے بندے نے صاف لکھ دیا ہے کہ من ھٰھنا الی الآیۃ التالیۃ زیادۃ

من النسخۃ المکیۃ وھو غیر موجود فی النسخۃ الامیریۃ

اللہ اس لکھنے والے کے درجے بلند کرے جس نے ابن کثیر رح کے سر سے الزام اتارا۔ صاحبِ تسکین الصدور پر تعجب ہے کہ وہ حاشیہ کی اس عبارت سے اغماض کرتے ہیں اس محشی رحمہ اللہ کی عبارت سے ہمیں اپنے شیخ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے قول کی تصدیق ہو جاتی ہے جو آپ نے اپنی خود نوشت تفسیر بے نظیر میں تحریر فرمایا ہے۔ ہر نبی کو خداوند کریم نے یہ حکم دیا کہ خاص اللہ کو پکارو اور کتابوں میں بھی یہی حکم بھیجا۔ باغیوں نے خلاف کیا اور لکھ دیا۔ جن کو ان کا

لکھا مِل گیا ان کو شک پڑ گیا۔ لیکن علماء ثقات نے بیان فرما دیا کہ یہ باغیوں کا لکھا ہؤا ہے۔ ان کے بیان کرنے کے بعد جھگڑا غیر مقبول ہے۔ وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اب جو شخص خلاف قرآن کے لکھا ہؤا دکھا دیوے اُس کو کہو یہ باغیوں کا لکھا ہؤا ہے۔ اگر جس کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں، وہ مقبولِ الٰہی ہے۔ کہہ دو اس کی طرف کسی باغی نے نسبت کی ہے اگر آیت الٰہی کے مقابلے میں صحیح حدیث لائیں کہ مطلب اس حدیث کا آیت کے مخالف ہو تو کہہ دو ہم ظاہر معنی والی آیت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا معنیٰ علماء کرام بیان کریں گے۔ اگر تاویل صحیح معلوم ہو سکے تو بیان کرے، نہیں تو علماء کرام کے بیان پر حوالہ کرے۔ (تفسیر بے نظیر صـ۴۸، صـ۴۹) (محصلہ انوار الحق)

الجواب:۔ ابن کثیر رح یہ عبارت لکھنے میں منفرد نہیں۔ ابھی انشاء اللہ العزیز حافظ ابن القیم رح کا حوالہ بھی آ رہا ہے۔ تفسیر ابن کثیر طبع کرنے والوں کے پیشِ نظر طباعت کے وقت غالباً دو نسخے تھے۔ ایک مکیہ اور دوسرا امیریہ امیریہ کے نسخہ سے کاتب کی غفلت سے یہ عبارت چھوٹ گئی ہو گی۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے مکیہ کے نسخہ سے اس عبارت کو نقل کر دیا جو ابن کثیر رح ہی کی ہے اور اس کے الحاقی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ راقم اثیم کے پیشِ نظر تفسیر ابن کثیر رح کے دو نسخے ہیں ایک وہ جس کے حاشیہ معالم التنزیل ہے جو مطبع المنار مصر میں طبع ہوئی ہے۔ اور دُوسرا وُہ نسخہ

ہے جو معالم التنزیل کے بغیر ہے جو مطبع دار الاحیاء الکتب العربیۃ عیسی البابی الحلبی وشرکاءہٗ نے طبع کرایا ہے۔ ان دونوں نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے اور ان نسخوں میں مکیہ کے نسخہ پر ہی اعتماد کیا گیا ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ جواب نری دفع الوقتی ہے اور اس پر ان کا ضمیر بھی ضرور ان کو ملامت کرتا ہوگا (بشرطیکہ جبر خاص بن کر ضمیر کہیں گردی نہ رکھ چکے ہوں) یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سلام علی القبور نہ تو شرک ہے اور نہ مفضی الی الشرک ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی قبور پر سلام کہا اور اُمت کو اس کی تعلیم بھی دی، جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور تفسیر ابن کثیرؒ کی اس مفصل عبارت میں (جو مکتبۂ امیریہ میں چھوٹ گئی ہے) بھی احادیث اور آثار پر ہی بنیاد رکھی گئی ہے جہاں نہ قیاس کا دخل ہے اور نہ کسی بناوٹ و تصنع کا، اور نہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز سلام علی القبور نہ کہتے اور نہ اس کی اُمت کو تعلیم دیتے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ بالکل بجا ہے مگر مؤلف مذکور نرے مجذوب ہیں۔ انھوں نے اس غیر متعلق حوالہ کو یہاں جوڑ دیا ہے۔ قرآن کریم اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے خلاف جو کچھ کسی نے لکھا ہوگا وہ ضرور باغیوں نے لکھا ہوگا۔ مگر نہ تو اہل قبور کو سلام کہنا، ان کو ممنوع طریقے سے پکارنا ہے اور نہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کے عین مطابق اور اس کی تعمیل

ہے کہ اس کے الحاقی ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ مؤلف مذکور نے جس کتاب کا حوالہ اپنے مزاج مبارک اور اپنی فہم کے خلاف دیکھا ہے۔ بے موقع اور بے محل اور بلا ضرورت حضرت مرحوم کے اس حوالہ کو اکسیر اور امرت دھارا سمجھ کر استعمال کیا ہے۔

حافظ ابن القیم رح (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وقد شرع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لامتہ اذا سلموا علی اھل القبور ان یسلموا علیھم سلام من یخاطبونہ فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ذٰلک لکان ھذا الخطاب بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف مجمعون علیٰ ھذا وقد تواترت الاخبار عنھم بان المیت یعرف زیارۃ الحیّ لہٗ ویستبشر بہ (کتاب الروح ص۲ طبع حیدرآباد دکن)

تحقیق سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اُمتیوں کے لئے یہ مشروع قرار دیا ہے کہ وہ جب اہلِ قبور کو سلام کریں تو اُن سے ایسے انداز سے سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے اور یہ خطاب ان سے ہے جو سُنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا۔ حالانکہ سلف صالحین رح کا اسی پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے یہ خبریں منقول ہیں کہ مُردہ اس زندہ کو (آواز سے) پہچانتا ہے جو اُس کی زیارت کے لئے آتا ہے اور مُردہ کو اس سے خوشی بھی ہوتی ہے۔

حافظ ابن کثیر رح اور حافظ ابن القیم رح اپنے دور میں موحدین کے، سربراہ تھے اور جس چیز کے بارے میں ان بزرگوں کو ادنٰے سا وہم بھی ہو جاتا تھا کہ یہ شرک یا ذریعۂ شرک ہے اس کا صاف اور صریح الفاظ میں، جاندار الفاظ میں بے باک قلم سے بلا خوف لومۃ لائم رد کر دیتے تھے اور اس میں کسی مصلحت یا خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان موحدین حضرات کا یہ اقرار ہی نہیں بلکہ واضح عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرنا کہ سماعِ موتیٰ حق ہے۔ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شرعی دلائل کے پیش نظر اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امام ابو عمر بن عبد البر رح احادیث السلام علی القبور کو ثابتہ متواترہ کہتے ہیں اور حافظ ابن القیم رح بھی ان کے اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الروح ص۱۲)۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ :۔

سماع المیّت للاصوات من السلام والقرأۃ حق (اقتضاء الصراط المستقیم ص۱۸ طبع مصر)

مردے کا سلام وقرأت کی آوازوں کو سننا حق ہے۔

حضرت ملا علی ن القاری رح لکھتے ہیں کہ :۔

فان سماع الاموات ایضاً یسمون السلام والکلام اھ (مرقات ج ۲ ص۲۱)

بے شک تمام مردے بھی سلام وکلام سنتے ہیں (یعنی یہ سماع صرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی خصوصیت نہیں ہے)۔

علامہ محمدؒ بن اسماعیل الامیر الیمانی رح (المتوفی ۱۱۸۲ھ) السلام علیکم یا اہل القبور کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ :-

وفیہ انھم یعلمون بالمار بہم وسلامہ علیھم والا لکان اضاعۃ الخ (سبل السلام ج ۲ ص ۱۵۷ طبع مصر)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مُردوں کے پاس سے گزرنے والوں اور ان کو سلام کہنے والوں کو مُردے (ان کی آواز سے) پہچانتے ہیں۔ ورنہ انھیں سلام کہنا ایک بے ہودہ حرکت ہوتی۔

حضرت مولانا شبّیر احمد صاحب عثمانی رح (المتوفی ۱۳۶۹ھ) السلام علیکم کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ :-

اشارۃ الیٰ انھم یعرفون الزائر ویدرکون کلامہ وسلامہ انتھٰی (فتح الملھم ج ۱ ص ۴۱۳)

اس میں اشارہ ہے کہ مُردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور اس کے کلام وسلام کا ادراک وشعور رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح (المتوفیٰ ۱۲۹۷ھ) بانیٔ دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ :- سماعِ اموات کے قصہ میں اوّل تو یہ معروض ہے کہ یہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ دُوسرے ضرُوریات دینی اور عقائد ضرودریہ میں سے نہیں۔ اس کی تنقیح قرار واقعی تو بعد مرگ ہی معلوم ہوگی۔ اگر بعد مرگ ہم نے اوروں کا سلام وپیام سُن لیا، سماع نہیں تو عدم سماع متحقق ہوجائے گا۔

علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر ہیں۔ اگر ایک طرف میں بالکل ہو رہیئے تو کسی نہ کسی طرف والوں کو برا سمجھنا پڑے گا۔ اس لئے اہل اسلام کو یہ ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے پکے نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل نہ سمجھ لیں۔ جب یہ بات گوش گزار خدام ہو چکی تو اب سنئیے اپنے خیال نارسا کے موافق سمع اموات حد اسماع سے تو پرے ہے پر استماع اموات ممکن ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تو اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجود اس کے سلام اہل قبور مسنون کر دیا۔ اگر استماع ممکن نہیں تو پھر یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کبھی آواز میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ بے تکلف ہر صاحب سمع اس کو سن لیتا ہے اس صورت میں سمع سامعین حد اسماع میں ہوتا ہے اور کبھی بوجہ ضعف آواز متکلم سننے والوں کو سر جھکانے اور کان لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس صورت میں اصل میں تو سمع سامعین حد اسماع سے خارج ہوتا ہے پر بعد سر جھکانے اور کان لگانے کے حد اسماع میں آجاتا ہے اس لئے اس کو استماع کہیئے اور نفی سماع کہیئے تو بجا ہے کیونکہ بوجہ ضعف آواز عدم اسماع تو ظاہر ہے مگر جب سامعین کی طرف سے اہتمام ہو تو ان کی طرف سے اخذ اور فعل ظاہر ہے، اور ظاہر ہے کہ استماع میں بہ نسبت سماع ایک مضمون اخذ ہوتا ہے چنانچہ خواص ابواب کے جاننے والے

اور محاورات عرب کو پہچاننے والے ان فرقوں کو خوب جانتے ہیں اھ (جمال قاسمی ص۸، ص۹)۔

علامہ آلوسی رح لکھتے ہیں کہ :۔

والحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملة وهذا علیٰ احد وجهین اولهما ان یخلق الله عزوجل فی بعض اجزاء المیّت قوة یسمع بها متیٰ شاء الله تعالیٰ السلام ونحوه مما یشاء الله سبحانه سماعه ایاه ولا یمنع من ذلك کونه تحت اطباق الثریٰ وقد انحلت هاتیك البنیة وانفصمت العریٰ ولا یکاد یتوقف فی قبول ذلك من یجوز ان یری اعمی الصین بقة اندلس ثانیهما ان یکون ذلك السماع للروح بلا واسطة قوة فی البدن ولا یمتنع ان تسمع بل ان تحس وتدرك

اور حق بات یہ ہے کہ مُردے فی الجملہ سُنتے ہیں اور اس کی دو صُورتیں ہیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ میّت کے بعض اجزاء میں ایسی قوّت پیدا کر دے جس سے مُردہ جب اللہ تعالیٰ چاہے، سلام وغیرہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو سُن لے۔ اور اس میں اس سے رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی کہ وہ مٹی کے پردوں کے نیچے پڑا ہُوا ہے اور اس کا بدنی ڈھانچہ جُدا ہو چکا ہے اور اس کے جوڑ الگ ہو چکے ہیں وہ شخص اس کے قبول کرنے میں ذرّہ بھر بھی توقف نہیں کرے گا جو (اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت) اس کو جائز سمجھتا ہے کہ چین کا اندھا اُندلس کے مچھر کو دیکھ لے۔ اور دُوسری صورت یہ ہے کہ یہ سماع رُوح کو ہو اور اس میں بدنی

مطلقًا بعد مفارقتها البدن ،
بدون وساطة قوى فيه وحيث
كان لها على الصحيح تعلق لا
يعلم حقيقته وكيفيته الا الله
عزوجل بالبدن كله او بعضه
بعد الموت وهو غير التعلق
بالبدن الذى كان لها قبله
اجرى الله تعالىٰ سبحانه عادته
بتمكينها من السمع وخلقه
لها عند زيارة القبر وكذا عند
حمل البدن اليه وعند الغسل
مثلاً ولا يلزم من وجود ذلك
التعلق والقول بوجود قوة
السمع ونحوه فيها نفسها ان
تسمع كل مسموع لما ان السماع
مطلقًا وكذا سائر الاحساسات
ليس الا تابعًا للمشيئة فما شاء الله

قوّت کا واسطہ نہ ہو اور اس میں بھی کوئی امتناع
نہیں کہ روح سُنے بلکہ بدن سے جدا ہونے کے
بعد بغیر بدنی قوتوں کے مطلقاً احساس و ادراک
بھی کرے اور وہ روح جہاں کہیں بھی ہو صحیح
قول کی بنا پر اس کا مرنے کے بعد کُل یا بعض
بدن سے تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت اور
کیفیت کو بجز پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا
۔ اور یہ تعلّق اس تعلّق کے علاوہ ہے جو اس سے
قبل (اس دُنیا میں بطور تصرّف اور تدبیر کے)
بدن کے ساتھ تھا ۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی عادت
یہ جاری فرمائی کہ اس کو سُننے کی قدرت دی
اور جب قبر کی زیارت کی جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ
اس کے لئے اس کو پیدا فرما دیتا ہے اور اسی طرح
جب اس کے بدن کو قبر کی طرف اٹھا کر لے
جاتے ہیں اور اسی طرح غسل کے وقت بھی
رُوح سنتی ہے اور اس تعلّق اور اس قول
سے کہ خود نفس رُوح میں قوّتِ سماعت ہے

تعالیٰ کان ومالم یشاء لم یکن فیقتصر علی القول بسماع ما ورد السمع بسماعہ من السلام ونحوہ وھذا الوجہ ھو الذی یترجح عندی ولا یلزم علیہ التزام القول بان ارواح الموتی مطلقاً فی افنیۃ القبور لماان مدار السماع علیہ مشیئۃ اللہ تعالیٰ والتعلق الذی لا یعلم کیفیتہ وحقیقتہ الا ھو عزوجل فلتکن الروح حیث شاءت اولا تکن فی مکان کما ھو رأی من یقول بتجردھا اھ (تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص۵۷ و ص۵۸)

یہ لازم نہیں آتا کہ ہر قابلِ سماعت چیز کو وہ سُنے کیونکہ مطلقاً سماع اور اسی طرح باقی تمام حواس اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔ سو جو چیز اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہوتی ہے اور جس کو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔ پس میت کے سماع کو اس چیز کے سماع پر بند کرنا چاہیئے جس کا ثبوت دلیل سمعی سے ہو مثلاً سلام وغیرہ اور یہی وجہ راجح ہے۔ اور اس توجیہ کی بنا پر اس قول کے التزام کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ مُردوں کی رُوحیں قبروں کے کناروں پر ہوتی ہیں کیونکہ دارومدار سماع کا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس تعلق پر ہے جس کی کیفیت اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس رُوح جہاں بھی چاہے ہو یا کسی مکان میں بھی نہ ہو جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے جو اس کے تجرّد کے قائل ہیں (بہرحال تعلق مع البدن اور سماعت

پھر بھی ثابت ہے)۔

اس واضح اور صریح عبارت سے علامہ آلوسی رح کا سماعِ موتیٰ کے بارے میں نظریہ بالکل عیاں ہوگیا ہے اور یہ پوری عبارت حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح نے فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹ میں نقل کی ہے اور اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت مولانا عثمانی رح بھی اس مسئلہ میں علامہ آلوسی رح کے ہمنوا ہیں کہ مردے عند القبور فی الجملہ سنتے ہیں جس میں سلام وغیرہ بصراحت مذکور ہے۔ اس مفصل اور روشن و صاف عبارت کے بعد بھی اگر کوئی شخص (مؤلف ندائے حق کی طرح) یہ دعویٰ کرے کہ علامہ آلوسی رح اور علامہ عثمانی رح مطلقاً سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں تو ایسا شخص دھوکے میں مبتلا ہے اور خالص تعصب سے کام لے رہا ہے ۔ بلکہ علامہ عثمانی رح فتح الملہم کے اسی صفحہ میں اس مذکورہ بالا عبارت سے قبل تصریح فرماتے ہیں کہ :-

قال العبد الضعیف عفا اللہ تعالیٰ عنہ والذی تحصل لنا من مجموع النصوص واللہ تعالیٰ اعلم ان سماع الموتیٰ ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ واما اسماع العباد ایاھم فمنفی بسیاق القرآن العزیز	بندۂ ضعیف اللہ تعالیٰ اُسے معاف کرے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعۂ نصوص سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالٰے توسب سے بہتر جانتا ہے یہ ہے کہ مردوں کا سماع فی الجملہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے باقی رہا (زندہ) بندوں کا مردوں کو سنانا

وتحفیقہ علیٰ ما حرّرہ شیخ شیخنا قاسم العلوم والخیرات قدس اللہ تعالیٰ روحہ فی بعض مکاتیبہ اھ (فتح الملھم ج ۲ ص ۴۷۹)

تو وہ قرآن کریم کے سیاق سے منفی ہے (یعنی نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی) اور اسکی تحقیق جیسا کہ ہمارے استاذ الاستاذ قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رح نے اپنے ایک مکتوب میں کی ہے یہ ہے الخ

اور اس کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی اس عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جو ہم نے پہلے جمال قاسمی کے حوالہ سے مفصل عرض کر دی ہے۔ غرضیکہ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ احادیث کی روشنی میں اتنا واضح ہے کہ جو حضرات مسئلہ عدم سماعِ موتیٰ میں متشدد ہیں یا جن کو سماعِ موتیٰ کا منکر سمجھ لیا گیا ہے وہ بھی کلیتہً سماعِ موتیٰ کا انکار نہیں کرتے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اجسام نہیں سنتے، ارواح سنتی ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رح (المتوفی ۱۲۳۰ھ) اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مُردوں سے سلام علیک کرو، وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مُردے کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سن سکتا (تفسیر موضح القرآن ص ۶۲۳)

ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر سماع کا تعلق صرف جسم اور دھڑ سے تسلیم کیا جائے تو دھڑ نہیں سن سکتا۔ اور منسوب بہ اسلام فرقوں میں ایسا گروہ بھی ہے، جو قبر کے سوال اور عذاب و راحت کا تعلق بلا اعادہ روح صرف جسم سے تسلیم کرتا ہے،

(تسکین الصدور ملاحظہ فرمائیں) اور اگر سماع کا تعلق رُوح سے ہو تو بلاشبہ رُوح سنتی ہے اور صحیح احادیث اور جمہور اُمت کے واضح ارشادات کے مطابق قبر میں رُوح کا جسم سے باقاعدہ تعلق ہے تو پھر سماع کیوں نہ ہو؟

ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ اس مسئلہ میں خاصا تشدد کرنے کے باوجود یہ فرماتے ہیں:۔ " اور تحقیق سماعِ موتیٰ کے متعلق یہ ہے کہ بدن نہیں سنتے جیسا کہ اس (فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ) آیت سے معلوم ہوتا ہے اور باقی آیات بھی دال عدم سماعِ موتیٰ پر ہیں اور رُوح زندہ ہے وہ سنتا ہے جب قریب ہو۔ ہاں نزاع امام صاحب رحؒ اور امام شافعیؒ کا اس بات میں ہے آیا رُوح قبور کے نزدیک ہے یا علیین میں۔ باقی پوری تحقیق کا یہ مقام نہیں۔" (تفسیر بلغۃ الحیران ص۲۵۷)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قبر کے قریب اگر کوئی سلام وغیرہ کرے تو حضرت مرحوم کے نزدیک رُوح سنتی ہے۔ غور فرمایئے کہ فی الجملہ سماعِ موتیٰ کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ باقی رُوح اگر علیین میں بھی ہو تو جمہور اہل السنت کے نزدیک اس کا تعلق قبر میں اس کے بدن کے ساتھ بھی ہوتا ہے (تسکین الصدور ملاحظہ فرمائیں)

خود امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ (نعمانؒ بن ثابتؒ) المتوفی ۱۵۰ھ اپنی کتاب فقہ اکبر میں تصریح فرماتے ہیں کہ:۔

واعادة الروح الى العبد فى قبره حق (فقہ الاکبر مع الشرح لعلی القاری رحؒ ص۱۲۰ طبع کانپور)	قبر میں رُوح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔

اور کیوں حق نہ ہو جبکہ صحیح احادیث سے اعادۂ روح الی البدن ثابت ہے (تفصیل کے لئے تسکین الصدور دیکھئے) تو حضرت امام صاحب رح بھلا ان صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ہم نے البیان الازہر کے مقدمہ میں محققین علماءِ اسلام کے حوالہ سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ الفقہ الاکبر حضرت امام ابو حنیفہ کی ہی تالیف ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ ان کی کتاب ہی نہیں، تحقیق اور انصاف سے کوسوں دُور ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۵ھ) اس سوال کا جواب کہ جب ارواح علیین اور سجین میں ہے اور ابدان قبور میں، تو پھر ان کا آپس میں جوڑ کیسے ہے؟ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

قلنا وجہ التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابعۃ ونحو ذٰلک کما مرّ و مقر ارواح الکفار فی سجّین ومع ذٰلک لکل روح منها اتصال بجسدہا فی قبرہا لایدرک کنہہ الا اللہ تعالیٰ وبذٰلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ

ہم کہتے ہیں کہ تطبیق اس طور پر ہے کہ مومنوں کے ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور کفار کے ارواح کا ٹھکانہ سجین ہے لیکن بایں ہمہ ہر روح کا قبر میں جسم کے ساتھ تعلق ہے جس کی حقیقت بجز پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح دونوں

من الجنة او النار ويحس للذة او الالم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير ونحو ذالك مما ثبت بالكتاب والسنة اھ (تفسیر مظھری ج ۱۰ ص ۱۲۴ وص ۱۲۵)

کے مجموعہ اور مرکّب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ جنّت کا یا دوزخ کا پیش کیا جائے اور وہ لذّت یا دُکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سُنے اور مُنکر ونکیر کا جواب دے اور اسی کی مانند اور اُمور جن کا کتاب وسُنّت سے ثبوت ہو چکا ہے ۔

الغرض روح کا علیین وغیرہ میں رہنا اس کا متقاضی نہیں کہ قبر میں بدن کے ساتھ اس کا کوئی تعلّق نہ ہو۔ ہاں اس اَمر کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سماع وغیرہ برزخی اُمور کا اصل تعلّق رُوح سے ہے کیونکہ بغیر رُوح کے بدن کے عذاب و راحت اور سماع کا کوئی معنی نہیں کیونکہ بدن بغیر رُوح کے نِرا جماد ہے لہٰذا ان اُمور کا مدار رُوح پر ہے لیکن بدن کا تعلّق بھی اُس کے ساتھ بدستور رہتا ہے ۔

فقیہ کامل المحدّث الجلیل نمونۂ سلف حضرت مولانا سیّد محمّد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کی سماعِ موتیٰ کے بارے میں چند ضروری عبارات ملاحظہ فرمائیں :-

(۱) باب قول الميت وھو علی الجنازة قدمونی واعلم ان مسألة كلام الميت وسماعہ واحدة وانكرھا حنيفة العصر وفی رسالة غير مطبوعة لعلی القاریؒ

باب اس اَمر کے بیان میں کہ مُردہ چارپائی پر ہوتا ہے اور یہ کہتا ہے مجھے آگے لے چلو جاننا چاہیئے کہ میّت کے کلام کرنے کا اور اس کے سماع کا مسئلہ ایک ہی ہے اور ہمارے

ان احدا من ائمتنا لم يذهب الى
انكارها وانما استنبطوها من مسألة
فى باب الايمان وهى حلف رجل
ان لا يكلم فلانا فكلمه بعد ما دفن
لا يحنث قال القاري ولا دليل فيها
على ما قالوا فان مبنى الايمان على
العرف وهم لا يسمونه كلاما وانكره
الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالى
ايضا فى الفتح ثم اورد على نفسه ان
السماع اذا لم يثبت فما معنى السلام
على القبر واجاب عنه انهم
يسمعون فى هذا الوقت
فقط ولا دليل فيه على
العموم ثم عاد قائلا
انه ثبت منهم سماع
قرع النعال ايضا فاجاب
عنه بمثله اقول والاحاديث

اس وقت کے حنفیوں نے اس کا انکار کیا ہے
اور حضرت ملا علی ن القاری رح کے ایک غیر مطبوعہ
رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ احناف رح میں سے کوئی
بھی انکارِ سماع کے مسئلہ کی طرف نہیں گیا۔ تحقیقی
بات یہ ہے کہ (متاخرین) فقہاء نے باب الایمان
کے ایک مسئلہ سے عدمِ سماعِ موتیٰ کا استنباط
کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم
اٹھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا۔ پس اس
نے اس سے اس کے دفن ہونے کے بعد کلام
کیا تو حانث نہ ہوگا۔ ملا علی ن القاری رح فرماتے
ہیں کہ اس مسئلہ سے عدمِ سماعِ موتیٰ ثابت نہیں
جیساکہ ان حضرات نے ثابت کیا ہے کیونکہ
دارومدار قسموں کا عُرف پر ہے اور اہلِ عُرف
اس کو کلام نہیں کہتے اور ابن الھمام رح نے
فتح القدیر میں سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے اور
اپنے اوپر یہ سوال وارد کیا ہے کہ جب سماع ثابت
نہیں تو قبر پہ سلام کہنے کا کیا مطلب؟ اور اس کا

فی سمع الاموات قد بلغت
مبلغ التواتر و فی حدیث
صححہ ابو عمران احدًا
اذا سلم علی المیت فانہ
یرد علیہ و یعرفہ ان
کان یعرفہ فی الدنیا
(بالمعنی) واخرجہ ابن کثیرؒ
ایضًا وتردد فیہ فالانکار
فی غیر محلہ سیّما اذا
لم ینقل عن احد من
ائمتنا رحمہم اللہ تعالیٰ
فلابد بالتزام السماع
فی الجملۃ واما الشیخ
ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ
فجعل الاصل ھو النفی
وکل موضع ثبت
فیہ السماع جعلہ مستثنی

یہ جواب دیا کہ مُردے صرف سلام کے وقت ہی
سُنتے ہیں اور اس میں عموم پر کوئی دلیل نہیں ہے،
پھر لوٹے اور یہ اشکال پیش کیا کہ جُوتیوں کی
کھٹکھٹاہٹ سُننے کا ثبوت بھی مُردوں سے
ہے تو اس کا بھی اُنھوں نے ایسا ہی جواب دیا
میں (انور شاہ رح) کہتا ہوں کہ مُردوں کے سُننے
کی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ایک
حدیث میں آتا ہے جس کی تصحیح امام ابوعمر ابن
عبدالبر رح نے کی ہے کہ جب مُردہ پر سلام کیا
جاتا ہے تو وُہ اس کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر
وہ اس کو دُنیا میں پہچانتا ہے تو (آواز سے) پہچان
بھی لیتا ہے۔ (یہ روایت بالمعنیٰ نقل کی گئی
ہے) اور اس روایت کو ابنِ کثیر رح نے بھی
بیان کیا ہے اور اس میں اُنھوں نے تردّد کیا
ہے۔ پس سماعِ موتیٰ کا انکار بالکل بے موقع
ہے خاص طور پر جبکہ ہمارے ائمہ احناف رح میں
سے کسی سے یہ منقول نہیں تو ضروری ہے

ومقتصرًا على المورد قلت
اذن ما الفائدة فى عنوان
النفى وما الفرق بين نفى السماع
ثم الاستثناء فى مواضع كثيرةٍ
وادعاء التخصيص وبين اثبات
السماع فى الجملة مع الاقرار
بانا لا ندرى ضوابط اسماعهم
فان الاحياء اذا لم يسمعوا فى
بعض الصور فمن ادعى الطرد
فى الاموات ولذا قلت بالسماع
فى الجملة بقى القرآن فامره صعب
قال تعالىٰ فانك لا تسمع الموتىٰ
وقال وما انت بمسمع من فى
القبور وهو بظاهره يدل على
النفى مطلقًا فقيل بالفرق بين
السماع والاسماع والنفى هو
الثانى دون الاول والمطلوب

کہ فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے۔ باقی رہے شیخ
ابن الھمام رح تو انھوں نے اصل نفی سماع کو قرار دیا
ہے اور ہر وہ ایسی جگہ جہاں سماع ثابت ہے (مثلاً
حدیث قرعِ نعال اور سلام وغیرہ) تو اسکو انھوں
نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کو اپنے مورد پر
بند کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پھر اس وقت عنوان
نفی کا کیا فائدہ؟ اور کیا فرق نکلے گا نفیٔ سماع کا،
پھر بہت سی جگھوں میں استثناء اور ادعائے
تخصیص کا اور فی الجملہ اثباتِ سماع کا۔ باوجود
اس اقرار کے کہ ہم مُردوں کو سُنانے کے ضوابط
نہیں جانتے؟ کیونکہ بسا اوقات زندہ لوگ بھی
بعض صورتوں میں نہیں سُنتے پس مُردوں میں
ہمہ وقت سُننے کا کون دعویٰ کر سکتا ہے؟ اور اسی
لئے میں فی الجملہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہوں۔ رہا قرآن
کریم کا معاملہ تو وہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
بے شک تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا اور نیز فرمایا
اور تو اُن کو نہیں سُنا سکتا جو قبروں میں ہیں،

هو الاول دون الثانی
واجاب عنہ[علہ] السیوطی رح
سماع موتی کلام الخلق قاطبۃ
قد صح فیھا لنا الآثار بالکتب
وآیۃ النفی معناھا سماع
ھدی لایسمعون ولا
یصغون للادب قالت
نزل الشیخ رحمہ اللہ
تعالیٰ فیھا علی الغرض حاصل
الآیۃ علی طورہ ان ھؤلاء
الکفار کالموتی فلا تنفع
ھدایتک فیھم لان نفعھا انما کان فی حیاتھم
وقد مضی وقتھا کذلک ھؤلاء وان کانوا
احیاء الا ان ھدایتک غیر نافعۃ لھم
لکونھم مثل الاموات فی عدم الانتفاع
فلیس الغرض منہ نفی السماع بل نفی الانتفاع
قالت عدم السماع والسمع

اور یہ بظاہر مطلقاً نفی پر دلالت کرتا ہے سو اس
کے جواب میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ سماع
اور اسماع کا فرق ہے۔ نفی اسماع کی ہے نہ کہ
سماع کی اور ہمارا مطلوب سماع ہے نہ کہ
اسماع۔ اور امام سیوطی رح نے اس کا جواب یہ
دیا ہے کہ مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو
سُننا بلاشبہ صحیح ہے۔ اس سلسلہ میں کئی کتابوں میں
حدیثیں اور آثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں
اور نفی کی آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایسا سماع نہیں
کرتے جس سے ان کو ہدایت ہو کہ وہ نہ تو ادب و
احترام اور ہدایت پذیری کے لئے سُنتے ہیں اور
نہ کان لگاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ شیخ سیوطی رح
نے اس میں مطلب اور گر کی بات بتا دی ہے
اور ان کے طریقہ پر اس آیت کریمہ کا حاصل یہ
ہے کہ بے شک یہ کفار مُردوں کی طرح ہیں
اُن کو تیری رہنمائی نفع نہیں دے سکتی۔ کیونکہ
ان کے نفع اٹھانے کا وقت ان کی زندگی تھی

[علہ] یہ اشعار اس سے زیادہ بسط کے ساتھ حضرت شاہ صاحب نے مشکلات القرآن ص۲۲ میں نقل فرمائے ہیں۔

والاستماع كلها بمعنى
عدم العمل لان السمع
يكون للعمل فاذا لم
يعمل به فكانّه
لم يسمعه تقول قلت
لهٗ مرارًا ان لا يترك
الصلوٰة ولكنه لا يسمع
كلامي اي لا يعمل به يقال
فى الفارسيته نشنود
يعني عمل نمی کند
فلو قال الشيخ رحمه الله
تعالىٰ ان من فى القبور
لا يعملون لدخل
الكلام فى اللغة ولم يبق
تاويلًا بل الاحسن ان
يقال مانتے نہیں فان قلت
ان الاموات اذا ثبت لهم

جو اَب ختم ہو چکی ہے ۔ اسی طرح یہ زندہ لوگ
بھی اگرچہ ہیں تو زندہ ہی مگر تیری ہدایت انکو سُود مند
نہیں ہے کیونکہ یہ ہدایت سے نفع نہ اٹھانے
میں مُردوں کی طرح ہیں۔ سو اس آیت سے
غرض نفیٔ سماع نہیں ہے بلکہ نفیٔ انتفاع ہے۔
مَیں کہتا ہوں کہ عدمِ اسماع اور سماع اور استماع
سب کے سب ایک ہی معنی میں ہیں یعنی عمل
نہ کرنا۔ کیونکہ سُننا تو عمل کے لئے ہوتا ہے پس
جب اس پر عمل نہ کیا گیا تو گویا سُنا ہی نہیں
تم بسا اوقات کسی بے نماز کے بارے میں کہتے
ہو کہ مَیں نے کئی بار اس کو نماز نہ ترک کرنے
کا کہا مگر وہ میری بات نہیں سُنتا یعنی اس پر
عمل نہیں کرتا اور فارسی میں کہا جاتا ہے کہ
وہ سُنتا نہیں یعنی عمل نہیں کرتا۔ سو اگر امام
سیوطی رح یہ فرما دیتے کہ اہلِ قبور عمل نہیں کرتے
تو پھر یہ کلام لغت کی مد میں داخل ہو جاتا اور
تاویل نہ ہوتا۔ بلکہ احسن بات یہ ہے کہ کہا جائے

السماع فهل لهم الانتفاع
به ايضًا او مجرد سماع الصوت
فقط قلت الصوت من مات
على الخير فانه ينتفع به
ايضًا واما من مات على الشر و
العياذ بالله فاين له ان
ينتفع اذا لم ينتفع به
فى الدنيا وليس له الاسماع
الصوت والوجه الثانى فى
التفصّى عن الآية ان هذا
السماع الذى نحن بصدده
اثباته من عالم البرزخ اخبرنا
به المخبر الصادق فآمنّا به
اما فى عالمنا فهو معدوم ولا
يلزم للقرآن ان يعبر بما يأتى
على العالمين فجاز ان يكون
نفى السماع بحسب عالمنا فان

مانتے نہیں اگر تُو کہے کہ جب مُردوں کے لئے
سماع ثابت ہو گیا تو کیا وہ اس سے فائدہ بھی اٹھاتے
ہیں یا اُن کو محض آواز ہی پہنچتی ہے؟ میں جواب
میں کہوں گا کہ جو شخص خیر پر مَرا اُس کو آواز سے
بھی فائدہ پہنچتا ہے اور جو شخص شر پر مَرا
(اللہ تعالیٰ کی پناہ) تو اُس کے لئے کیا فائدہ۔
کیونکہ جب اس شخص نے زندگی میں فائدہ نہیں
اٹھایا تو اب کیا اٹھائے گا۔ ایسے شخص کو صرف
آواز ہی سُنائی دے گی اور بس۔ اور دُوسری
وجہ اس آیت کریمہ کے اشکال سے جان چھڑانے
کی یہ ہے کہ یہ سماع جس کے اثبات کے ہم درپے
ہیں عالم برزخ سے ہے اور ہمیں مُخبر صادق صلّی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اس کی خبر دی ہے سو ہم
اس پر ایمان لائے ہیں۔ رہا یہ سماع ہمارے
اس جہان کے اعتبار سے تو وہ معدوم ہے اور
قرآن کریم کے لئے یہ لازم نہیں کہ ایسی تعبیر کرے
جو دونوں جہانوں (اس جہان اور برزخ) پر

التشبيهات تكون للتوضيح
فقط ولما كان من في
القبور كالعدم في عالمنا
ليس لهم سماع ولا علم
ولا شئ جاز له ان ينفي
عنهم السماع ايضاً والقول
بان الاموات اذا ثبت
لهم السماع عند القرآن
لم يستقم له التشبيه
بالاموات جهل وسفه
فان التشبيه انما ورد
بحسب علمنا

نِٹ اترے۔ پس جائز ہے کہ نفیِ سماع ہمارے
(تکلیفی) عالم کے لحاظ سے ہو کیونکہ تشبیہات
صرف توضیح کے لئے ہوتی ہیں اور جب وہ لوگ
جو قبروں میں ہیں، ہمارے عالم کے لحاظ سے
معدوم ہیں تو اس اعتبار سے نہ تو ان کے لئے
سماع ہے نہ علم اور نہ کوئی اور شئے، تو جائز ہے
کہ اُن سے (اپنے اس عالم کے لحاظ سے) سماع
کی نفی بھی کی جائے اور یہ کہنا کہ قرآن کریم کے رُد
سے جب مُردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو
مُردوں کے ساتھ ان کی تشبیہ دُرست نہیں
ہے، ایک خالص جہالت اور حماقت ہے
کیونکہ تشبیہ تو ہمارے علم اور عالم کے مطابق
وارد ہوئی ہے۔

(وعالمنا وان ثبت السماع عنده ؐ
واذا كانوا معدومين في عالمنا لطف
التشبيه لا محالة اما قوله صلے الله عليه
وسلم نم كنومة العروس فقد مر

اگرچہ ائمہ کے ہاں سماع ثابت ہے اور مُردے جب
ہمارے عالم کے لحاظ سے معدُوم ہیں تو لامحالہ
تشبیہ میں لطافت ظاہر ہوگئی۔ رہا آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مُردہ سے

الکلام فلا نعیدہ انتہی (فیض الباری ج ۲ ص۴۶۲ و ص۴۶۸) (دفن کے بعد) کہا جاتا ہے کہ تو ایسا سو جا، جیسے دُلھن (مزے سے) سوتی ہے تو اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے سو ہم اسکا اعادہ نہیں کرتے۔

اس عبارت میں بے شمار فوائد ہیں۔ چند ضروری یہ ہیں:- (۱) کلام میت اور سماع میت کا مسئلہ اور حکم ایک ہی ہے۔ (۲) اس زمانہ کے احناف نے سماع موتی کے مسئلہ کا انکار کیا ہے (۳) حضرت ملا علی ن القاری ح نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ (حضرت امام ابو حنیفہ ح، امام ابو یوسف ح اور امام محمد ح وغیرہ) میں سے کوئی ایک بھی سماع موتیٰ کا منکر نہیں تھا۔ (۴) یہ مسئلہ لوگوں نے خود باب الایمان کی ایک جزئی سے استنباط کیا ہے جس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے (۵) حافظ ابن الہمام ح نے سماع موتیٰ کا انکار کیا ہے لیکن قرع نعال اور سلام کا سننا انھوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (۶) سماع موتی کی احادیث متواتر ہیں۔ (۷) صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مُردہ سلام کہنے والے کے سلام کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے (۸) سماع موتی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہمارے ائمہ سے انکار ثابت نہیں ہے (۹) حافظ ابن الہمام ح نے اصل ضابطہ عدم السماع قرار دیا ہے اور جن مواضع میں سماع ثابت ہے ان کو انھوں نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ (۱۰) لیکن بہ عنوانِ نفی کا کیا فائدہ ہے؟ اور نفیِ سماع کا کچھ بہت سی جگہوں میں استثناء اور تخصیص کے دعوے کا اور فی الجملہ اثبات سماع کا کیا

فرق نکلے گا؟ کیونکہ نتیجہ تو بہرکیف سماعِ موتیٰ ہی نکلتا ہے (۱۱) اور پھر مُردوں کے سنانے کا کیا ضابطہ ہے؟ کیونکہ بعض صورتوں میں زندہ بھی (جبکہ اس کی توجہ نہ ہو یا سنانے والے کی آواز ضعیف و کمزور ہو کما مرّ عن قاسم العلوم والخیرات) تو نہیں سنتا پھر مُردوں کے بارے میں ضابطہ کا کیا معنیٰ ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس بیان اور تقریر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فتح الملہم کی اس عبارت میں ان کا صحیح مفہوم نہیں ادا کیا جا سکا۔

وھذا معنی ما قالہ الشیخ الانورؒ ان الضابطۃ **انما** ھو عدم السماع لکن المستثنیات فی ھذا الباب کثیرۃ اھ (ج ۲ ص۴۲۷)

اور یہ معنی ہے جو کچھ کہ حضرت **مولانا سید انور** شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ ضابطہ تو عدم سماع ہے لیکن اس باب میں بہت سی اشیاء (مثلاً سلام وغیرہ) اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر سے ظاہر ہے کہ وہ یہ ضابطہ تسلیم اور بیان نہیں فرما رہے بلکہ یہ ضابطہ انہوں نے حافظ ابن الہمام رح سے نقل کیا ہے اور پھر اس پر گرفت کی ہے اور ان کے ساتھ رسہ کشی کی ہے جیسا کہ ان کی اس تقریر سے بالکل ظاہر ہے اور یہ کسی بھی اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ باقی مجذوبوں کو سمجھانا مشکل ہے۔

(۱۲) قرآن کریم میں انک لا تسمع الموتیٰ اور وما انت بمسمع من فی القبور کے ظاہری الفاظ سے معاملہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے بظاہر سماعِ موتیٰ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ (۱۳) لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اس میں

کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس کے صحیح محامل اور معانی موجود ہیں چنانچہ اس کے معنی
میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سماع اور اِسماع میں فرق ہے۔ یہاں اِسماع کی نفی ہے سماع
کی نہیں اور ہمارا مقصود سماع ہے نہ کہ اِسماع۔ (۱۴) امام سیوطی رح فرماتے ہیں کہ
سماعِ موتیٰ ثابت ہے جس پر صحیح آثار دلالت کرتے ہیں۔ اس آیت میں نفی ایسے
سماع کی ہے جس سے ہدایت اور فائدہ حاصل ہو۔ یعنی یہ زندہ کُفّار ہدایت سے فائدہ
حاصِل نہ کرنے میں ایسے ہی ہیں جیسے مُردے کیونکہ ان کے انتفاع کا وقت ہی
اب جاتا رہا ہے لہٰذا اس سے مطلوب نفی سماع نہیں ہے۔ بلکہ مطلوب نفیٔ
انتفاع ہے۔ (۱۵) حضرت شاہ صاحبؒ اپنا فیصلہ یہ دیتے ہیں کہ عدم اِسماع
وسمع اور استماع، سب کا مفہوم ایک ہے اور وہ عمل نہ کرنا ہے۔ کیونکہ سُننا
عمل کے لئے ہوتا ہے اور جب عمل نہ کیا تو گویا سُنا ہی نہیں۔ جیسے تم کسی سے
نماز کے بارے میں بار بار کہو اور وہ نماز نہ پڑھے تو تم کہو گے کہ میری تو وہ سُنتا ہی
نہیں۔ یعنی مانتا نہیں اور عمل نہیں کرتا۔ اور ایسے ہی موقع پر فارسی میں کہا جاتا
ہے نشنود۔ اگر شیخ جلال الدین سیوطی رح اس کی یوں تعبیر کر دیتے کہ ہل قبور عمل
نہیں کرتے تو پھر گفتگو لغت میں ہوتی اور تاویل نہ رہتی۔ (۱۶) جب یہ ثابت
ہو چکا ہے کہ مُردے سنتے ہیں تو کیا اس سے ان کو فائدہ بھی ہوتا ہے یا آواز ہی سنتے
ہیں؟ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی نیکی کی حالت پر مرا اُس کو اس سماع
سے فائدہ بھی ہوتا ہے کیونکہ مومن اور نیک آدمی کو قرآن پاک اور سلام وغیرہ کا رِ

ثواب سے فائدہ ہی فائدہ ہے) لیکن جس بدقسمت کی وفات ہی بدی پر ہوئی ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو اس کو اس سے کیا حاصل؟ کیونکہ جب اس نے اس سے زندگی میں فائدہ اور نفع حاصل نہیں کیا تو اب کیا کرے گا؟ ؎

اب پچھتائے کیا ہوت ہے   جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

تو ایسے شخص کے حق میں صرف آواز ہی سُننے کا حصّہ ہے اور بس (۱۷) اس آیت کریمہ کے ظاہری اشکال سے گلو خلاصی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جس سماع کے اثبات کے درپے ہم ہیں وہ عالمِ برزخ کا معاملہ ہے۔ ہمیں مخبر صادق صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے اس کی خبر دی ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ رہا ہمارے عالم اور جہاں کا معاملہ، تو اس کے حق میں وہ معدوم ہے (بایں طور کہ ہم اسکا ادراک و احساس نہیں کر سکتے) اور قرآن کریم کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس کی ایسی تعبیر کرے جو عالمِ برزخ اور ہمارے اس عالَم دونوں پر فٹ بیٹھے۔ پس جائز ہے کہ ہمارے عالَم کے اعتبار سے نفی سماع ہو کیونکہ تشبیہات صرف وضاحت کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور وہ لوگ جو قبور میں ہیں ہمارے عالَم کے لحاظ سے کالعدم ہیں اور ہمارے عالم کے لحاظ سے نہ ان کے لئے سمع ہے نہ علم ہے اور نہ کوئی اور شئے، تو جائز ہے کہ اپنے عالم کے لحاظ سے ان سے سماع کی بھی نفی کی جائے۔ (۱۸) رہا یہ سوال کہ جب مُردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو پھر ان زندوں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ کیوں دی گئی ہے؟ تو یہ سوال نری جہالت اور خالص حماقت ہے کیونکہ تشبیہ ہمارے

علم اور ہمارے عالم کے لحاظ سے ہے اگرچہ قرآنِ پاک کے رو سے ان کے لئے سماع ثابت ہے (۱۹) اور جب وہ ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو یہ تشبیہ لامحالہ درست اور صحیح ہے (۲۰) رہی وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ مُردے کو کہا جاتا ہے سو جا جیسے دُلہن سوتی ہے (جس سے اس کے عدم احساس کا شبہ ہوتا ہے) تو اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ فیض الباری ج ۱ صفحہ ۱۸۳ میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حیاتِ برزخیہ کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تو جیسے اس عالم کی حیات الگ نوع کی ہے اسی طرح وہاں کی نیند بھی الگ ہے جس کا مطلب اس جہان سے انقطاع ہے (نہ یہ کہ ان کو وہاں ادراک و شعور ہی نہیں رہتا جیسا کہ نیند کی رات میں ہوتا ہے)۔

(۲) قوله السلام عليكم الخ ظاهر حديث الباب وغيره من كثير من الاحاديث يدل على سماع الموتى واشتهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عند ابي حنيفة رح وصنف ملا على القاري رح رسالة وذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلاً بل اخذ هذا من مسئلة في باب الايمان انه اذا حلف

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا مُردوں کو السلام علیکم کہنا الخ اس باب کی حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی حدیثوں کا ظاہر یہی کو چاہتا ہے کہ مُردے سُنتے ہیں اور کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مُردے نہیں سنتے لیکن ملا علی القاری رح نے ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ اس مشہور

انہ لا یتکلم مع فلان فمات الرجل
فتکلم معہٗ علی قبرہٖ میّتا لا یحنث
اقول ان وجہ عدم الحنث ان مبنی
الایمان علی العرف واھل العرف لا
یعلمون ان الموتٰی تسمع والمحقق
ان ابا حنیفۃ لا ینکر سمع الاموات
وان خالف ابن الھمام وقال ان الموتٰی
لا تسمع وان ذخیرۃ الحدیث تدل
علی سمع الموتٰی وقال الشیخ ان الموتٰی
لا تسمع ویستثنی منہ سمع قرع
النعال والسلام علیکم اقول لو قلنا
یسمع الموتٰی لا اشکال فانہ ثبت
بقدر مشترک تواترا فی الحدیث
ولا نتعرض الی التخصیصات
المتکلفۃ وسیما اذا لم یرد
الانکار عن ائمتنا الثلاثۃ
اما الآیات المشیرۃ الی عدم

قول کی المہ رح سے بالکل کوئی اصل نہیں
ہے بلکہ یہ مسئلہ باب الایمان کے مسئلہ سے لیا
گیا ہے کہ جب کوئی شخص قسم اٹھائے کہ فلاں
سے بات نہیں کرے گا اور وہ مرگیا تو قسم
اٹھانے والے نے مرنے والے کی قبر پر اس
سے گفتگو کی تو حانث نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں
کہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مدار قسم
کا عرف پر ہے اور اہلِ عرف نہیں جانتے کہ
مردے سنتے ہیں اور تحقیقی بات یہ ہے
کہ امام ابو حنیفہ رح سماعِ موتی کے منکر نہیں
ہیں اگرچہ اس میں ابن الھمام رح نے مخالفت
کی ہے اور یہ کہا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔
مگر احادیث کا ذخیرہ سماعِ موتی پر دلالت
کرتا ہے اور شیخ ابن الھمام رح نے یہ تو کہا ہے
کہ مردے نہیں سنتے مگر جوتیوں کی آواز کا
سننا اور سلام کا سننا اس سے مستثنیٰ قرار
دیتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ

السمع فلها محامل حسنة قال
التفتازانی فی شرح المقاصد ان
علم المیت مجمع علیہ ولکنہ
لاحرکة لہ اقول ان نقل اجماع
التفتازانی فی حیّز الخفاء
واما نفی الحرکة ففی فتاویٰ
ابن حجر العسقلانی ولم
تنطبع ان حرکة الروح وایابہ
وذھابہ ثابت فی الشریعة
وذکر بعض التفصیل السیوطیؒ
فی رسالتہ (العرف الشذی
صـ ۳۵۳)

مُردے سنتے ہیں تو اس میں سرے سے کوئی
اشکال ہی نہیں کیونکہ قدرِ مشترک کے طور پر اس
میں متواتر حدیثیں ثابت ہیں اور ہم ان
تخصیصات کے درپے نہیں ہوتے جو تکلفات پر
مبنی ہیں خصوصًا جبکہ سماعِ موتیٰ کا انکار ہمارے
تینوں اماموں (امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ
اور امام محمّدؒ) سے ثابت اور وارد نہیں ہوا۔
باقی رہیں وہ آیات جو عدم سماع کی طرف اشارہ
کرتی ہیں تو ان کے اچھے محامل اور معانی موجود
ہیں۔ علامہ تفتازانیؒ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں
کہ میّت کے علم پر سب کا اتفاق ہے لیکن مُردہ
حرکت نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانیؒ
کا اجماع نقل کرنا حیزِ خفاء میں ہے۔ رہی حرکت
کی نفی تو حافظ ابن حجرؒ کے فتاویٰ میں ہے جو ابھی
تک طبع[۱] نہیں ہوا کہ روح کا حرکت کرنا اور اس کا
آنا اور جانا شریعت سے ثابت ہے اور اسکی کچھ تفصیل
امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ (شرح الصدور) میں ذکر کی ہے۔

---

۱ اب طبع ہو چکا ہے۔ صفدر)

اس عبارت میں بہت سے فوائد ہیں۔ بعض یہ ہیں۔ (۱) باب کی یہ اور دیگر بے شمار حدیثیں سماعِ موتیٰ پر دلالت کرتی ہیں (۲) عام لوگوں کی زبان پر یہ دعویٰ جاری ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں لیکن حضرت ملا علی ن القاری رح نے تصریح فرمادی ہے کہ اس سلسلہ میں ائمہ رح میں سے کسی سے بھی کچھ منقول نہیں ہے صرف لوگوں کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے (۳) عدمِ سماع کا مسئلہ باب الایمان سے ماخوذ ہے جس کی حقیقت ہی جدا ہے جیساکہ آگے آرہی ہے انشاءاللّٰہ تعالیٰ (۴) محقق بات یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رح سماعِ موتیٰ کے منکر نہیں ہیں (۵) حافظ ابن الھمام رح نے اگرچہ سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے لیکن قرعِ نعال اور السلام علیکم سُننے کے وہ بھی قائل ہیں (اور پھر انھوں نے روضۂ اقدس کے اندر تینوں بزرگ ہستیوں کی قبور پر استشفاع کا فتویٰ دیا ہے جو سماع کی فرع ہے) (۶) سماعِ موتیٰ کے بارے میں حدیثیں قدرِ مُشترک کے طور پر متواتر ہیں۔ (۷) لہٰذا تخصیصات و تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے (۸) حضرت امام ابو حنیفہ رح حضرت امام ابو یوسف رح اور حضرت امام محمّد رح ہمارے تینوں بزرگوں سے سماعِ موتیٰ کا انکار ثابت نہیں ہے۔ (۹) عدمِ سماع پر دال آیات کے اپنے مقام پر صحیح محامل موجود ہیں (۱۰) علامہ تفتازانی رح نے اس بات پر کہ مُردہ جانتا ہے اور اس بات پر کہ وہ حرکت نہیں کرتا، اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن دُوسری جزو کہ وہ حرکت نہیں کرتا، مسلّم نہیں کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے اپنے فتاویٰ

میں شرعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ روح کا حرکت کرنا اور آنا جانا ثابت ہے اس کی کچھ مزید تفصیل آگے فیض الباری کے حوالہ سے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز۔

(۳) ثم اطلعت علی روایۃ فیہا غشی الارواح اربعین سنۃ ولعل اسنادہ ضعیف مع ھذا یکون لجوابہ نفاذ ومن ھٰھنا تبیّن وجہ قولہ تعالیٰ مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا۔ ھٰذَا۔ وقد تکلمنا علیہ مرۃ وفیہ اشکال فانہ یدل علی رقودھم فی القبور والاحادیث وردت بعذابھم ودعائھم بالویل والثبور وحاصل الجواب انہ حکایۃ عن مدۃ غشیھم تلک ای لو بقینا کذلک مغشیا علینا ولم تحصل لنا الافاقۃ لکان

پھر مجھے ایک ایسی روایت پر آگاہی ہوئی جس سے (حشر سے پہلے) چالیس سال ارواح کی غشی معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی سند ضعیف ہو لیکن باوجود اس کے اس جواب کے لئے بھی گنجائش ہے اور یہیں سے اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کی کہ قبروں سے اٹھتے وقت مجرم کہیں گے۔ کس نے اٹھایا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے۔ وجہ ظاہر ہوگئی ہے اور ہم نے اس پر ایک مرتبہ بحث کردی ہے اور اس میں اشکال ہے وہ یہ کہ یہ ارشادِ خداوندی قبروں میں ان کے سونے پر دلالت کرتا ہے اور احادیث سے ان کا عذاب اور ان کا (عذاب سے اکتا کر اپنے لئے) ہلاکت اور تباہی مانگنا ثابت ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اس مدت کی حکایت ہے جس میں ان پر غشی طاری تھی۔ اس قول سے اُن کی

احسن ثم ان الآية ترد على القائلين ينفي السماع لدلالتها على الرقاد و نفي العذاب ايضا فما ذا يصنعون بها فلابد عليهم ان يذكروا لها وجها فينبغي لهم ان يطلبوا وجها لآية نفي السماع ايضا فان العذاب كما انه متحقق كذالك السماع ايضا متحقق فلا يغرّ يا مثال هذه النصوص فان لها وجوها ومعاني (فيض الباری ج ۳ ص ۳۱۹)

مُراد یہ ہے کہ اگر ہم اسی طرح بے ہوشی میں رہتے، اور ہمیں افاقہ حاصل نہ ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ پھر اس آیت کریمہ کے پیش نظر ان لوگوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے جو سماع کی نفی کرتے ہیں کیونکہ یہ اُن کے سونے پر بھی دلالت کرتی ہے اور نفی عذاب پر بھی، تو وہ اس نفی عذاب سے کیا کریں گے؟ سو ان کے لئے ضروری ہے کہ اس آیتِ کریمہ کی کوئی توجیہ بیان کریں اور ان کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ آیت نفی سماع کیلئے بھی کوئی حل تلاش کریں کیونکہ جس طرح ان کے لئے عذاب ثابت ہے اسی طرح ان کے لئے سماع بھی ثابت ہے۔ سو ایسی نصُوص سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے ان کے اپنی جگہ پر معانی اور توجیہات موجُود ہیں۔

اس عبارت میں بھی حضرت شاہ صاحب رحؒ نے سماعِ موتیٰ کی تصریح فرمائی ہے اور منکرین سماعِ موتیٰ سے آیت مذکورہ پر وارد اعتراض کا مخلص طلب فرمایا ہے اور پھر علمی طور پر دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ نصوص کے صحیح

معانی اور تفاسیر کو چھوڑ کر ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے ۔ مشہور ہے
لکل فن رجال ۔

(۴) قوله: ما انتم باسمع لما اقول
منهم وقد مرت مسئلة
سماع الاموات واما قوله
وما انت بمسمع من فی القبور
فلقائل ان یقول انه محمول
علیٰ نفی سماع یترتب علیه
الاجابة او علی نفیه بحسب
عالمنا فان السماع ان کان
فهو فی عالم آخر واما فی
عالمنا فهو کالمعدوم او انه
علی حد قوله صم بکم عمی
مع وجود السمع والنطق
والبصر کما اجاب السیوطی فی
نظم وآیة النفی معناها سماع
هدی لایقبلون ولا یصغون

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ارشاد کہ تم
ان سے زیادہ نہیں سُن رہے جو میں ان سے کہہ
رہا ہوں الخ۔ مسئلہ سماعِ موتیٰ پہلے گزر چکا ہے ۔
بہرحال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اور تو نہیں سُنا
سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں، تو کہنے والے کو
یہ کہنے کا حق ہے کہ وہ کہے کہ یہ ایسے سماع کی نفی
پر محمول ہے جس سماع پر قبولیت مترتب ہو
(یعنی ان کو سماعِ قبول نہیں) اور یا اس نفی
سے مراد یہ لے کہ نفی ہمارے عالَم کے لحاظ
سے ہے کیونکہ سماع ہے تو دوسرے جہان
(برزخ) میں ہے اور ہمارے عالَم کے لحاظ
سے وہ ایسا ہے جیسے معدوم اور یا اس کو
اس طریقہ پر لے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
کہ (کافر) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں،
حالانکہ اُن کا سُننا بولنا اور دیکھنا یقینی بات

للادب واعلم ان التفتازانی
نقل الاجماع علیٰ علم الاموات
وانما الخلاف فی سماعهم
وکذا نقل ان لاخلاف
فی نفی سائر الصفات غیر
السماع فالایاب والذهاب
ونحوهما منفی عنهم رأسا
ونقل ابن حجرؒ فی فتاواه ان
الاموات یتحرکون من
مکان الی مکان ایضاً وانکر
الاتفاق فیه قلت کلام التفتازانی
فی حق الاجساد دون الارواح
واثبات ابن حجر فی حق الارواح
فصح الامران قوله قال قتادة
احیاهم الله تعالیٰ حتّٰی اسمعهم
ویؤیده هذا الراوی ما عند
ابن کثیر اذا مر احدکم بقبر

ہے۔ امام سیوطی رحمہ نے ایک نظم میں جواب
دیا ہے کہ نفیِ سماع کی آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ
ہدایت کا سماع اُن کو نہیں اور وہ نہ تو اس
کی تعظیم کرتے ہوئے اس کو قبول کرتے ہیں
اور نہ کان لگاتے ہیں اور جاننا چاہیئے کہ سعد
تفتازانی رحمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ
مُردے جانتے ہیں اور لکھا ہے کہ اختلاف
ان کے سماع میں ہے اور اسی طرح انھوں نے
نقل کیا ہے کہ سماع کے بغیر تمام صفات ان سے
منفی ہیں۔ پس آنا اور جانا وغیرہ ان سے کُلیتہً
منفی ہے اور امام ابن حجر رحمہ نے اپنے فتاویٰ
میں نقل کیا ہے کہ مُردے ایک جگہ سے دُوسری
جگہ تک حرکت بھی کرتے ہیں اور ان کی عدمِ
حرکت پر اتفاق کا انھوں نے انکار کیا ہے میں
کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی رح کی بات اجسام کے
بارے میں ہے (کہ وہ حرکت نہیں کرتے) اور
ابن حجر رح کی بات ارواح کے بارے میں ہے کہ

رجل يعرفه يرد الله تعالىٰ
عليه روحه الخ فدل
على رد الروح عليه فلا
يسمع في كل وقت انتهىٰ
(فيض الباری ج ۴ ص ۹۰ و
ص ۹۱)

وہ حرکت کرتے ہیں) لہٰذا دونوں باتیں اپنی
جگہ پر صحیح ہیں۔
ان کا ارشاد کہ قتادہ رح نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے
ان کو زندہ کیا حتیٰ کہ ان کو آپ کا کلام سُنایا اور
اس راوی کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو
ابنِ کثیر رح میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص
ایسے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو
وہ جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس کی رُوح
لوٹا دیتا ہے الخ اس سے رَدّ رُوح کا ثبوت
ملا تو مُردہ ہر وقت نہیں سُنتا (بلکہ اُسوقت
سُنتا ہے جب اُس پر رُوح لوٹائی گئی ہو)۔

حافظ ابنِ کثیر رح کی اس پیش کردہ روایت سے معلوم ہُوا کہ جب بھی کوئی قبر کے
پاس سے گزرتا ہے اور میّت کو سلام کہتا ہے تو اُس وقت اُس کی طرف رُوح لوٹائی
جاتی ہے اور وہ سلام کہنے والے کو سابق تعارف کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب
ہی کے حوالے سے یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حافظ ابنِ کثیر رح نے اس میں تردّد کیا ہے
غالباً ان کا تردّد اس امر میں ہے کہ میّت کی طرف جب ایک بار رُوح لوٹائی جاتی ہے
تو یہ اعادہ مستمرہ ہوتا ہے یا جب بھی کوئی سلام کہتا ہے تو اسی وقت ردّ روح ہوتا ہے

جمہور پہلی شق کے قائل ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ اگر اس روایت میں رَدِّ روح سے توجہ مراد لی جائے جیساکہ حدیث رَدَّ اللّٰہ علیّ روحی میں یہ مُراد لی گئی ہے تو زیادہ مناسب ہے۔ حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کی ان تفصیلی عبارات کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ سماع موتیٰ کے قائل نہ تھے جیساکہ مؤلّف ندائے حق نے کہا ہے تو وہ صرف خود فریبی کا شکار ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینے پر کمر بستہ ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم

حضرت مولانا دورِ حاضر کے محقّق عالم، بلند پایہ مناظر اور علماءِ دیوبند کے ترجمان ہیں۔ پہلے آپ بھی سماعِ موتیٰ کے مُنکر تھے، جیساکہ ان کی کتاب ستہ ضروریہ ص۳۶ میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور مؤلّف ندائے حق وغیرہ نے بھی یہ حوالہ دیا ہے (دیکھئے ندائے حق ص۷۵ و اقامۃ البرہان ص۹۱)۔ لیکن تینتیس ۳۳ سال تک سماعِ موتیٰ کا انکار کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحبؒ کی تحقیق پر بنیاد رکھ کر اس سے رجوع کر لیا ہے اور اب سماعِ موتیٰ کے مُقر ہو گئے ہیں (ملاحظہ ہو الفرقان لکھنؤ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ، حاشیہ ص۳۲)

حضرت مولانا مُفتی محمد شفیع صاحب

(سابق مُفتی دار العلوم دیوبند و حال مُفتی اعظم پاکستان)

حضرت مُفتی صاحب نے سماعِ موتیٰ کے بارے میں متعدد فتوے

صادر فرمائے ہیں اور اس مسئلہ میں خاصی تحقیق فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ مسئلۂ توسّل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- اس طرح اور اس عنوان سے توسّل بزرگوں کے ساتھ جائز ہے مگر اہلِ قبور کو خطاب اگر سماعِ موتیٰ کے اعتقاد پر مبنی ہے (یعنی یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے پہلو اور عدم سماع کا احتمال ہی نہیں۔ صفدر) تو درست نہیں۔ اور اگر محض احتمال کے درجہ میں ہے تو مضائقہ نہیں مگر پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے (کیونکہ عوام النّاس جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ صفدر)۔ (فتاویٰ امداد المفتیین صد ۲۹۱ ، صد ۲۹۲ طبع کراچی)۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ :- اعدل الاقوال اور اصح و مختار یہ ہے کہ جن جن مواقع میں میّت کا کلام وغیرہ سُننا منصوص ہے وہاں تو بلا تأمّل یقین کیا جاوے باقی عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو ہے نہیں کہ ضرور سُنتے ہیں لیکن یہ نہ سُننا بھی ضروری نہیں۔ اگر حق تعالیٰ شانہٗ چاہیں تو سُنا دیں۔ غرض ایسی حالت نہیں جیسے زندگی میں بطور جریانِ عادت سُننا ضروری ہوتا ہے۔ ہذا ہو التحقیق (امداد المفتیین صد ۲۹۱)۔

اور نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وذہبت طوائف من اھل العلم بسماعھم فی الجملۃ وقال ابن عبد البر ان الاکثرین علیٰ ذٰلک

اہلِ علم کے بہت سے طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مُردے فی الجملہ سُنتے ہیں۔ امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اسی کے قائل ہیں اور اسی کو

وھو اختیار ابن جریر الطبریؒ وکذا ذکرہ ابن قتیبۃؒ وغیرہ اھ (احکام القرآن جزء خامس ص ۱۰۴)

امام ابنِ جریر طبری رح نے اختیار کیا ہے اور ایسا ہی امام ابنِ قتیبہ رح وغیرہ نے ذکر کیا ہے

اور تحریر فرماتے ہیں کہ :-

قال العبد الضعیف والذی ذکرہ فی الروح من طوائف اھل العلم وذکر ابن عبد البرؒ ان الاکثرین علیٰ ذٰلک یعنی سماعھم فی الجملۃ ھو الحق الحقیق بالقبول والیہ یرشد صیغۃ القراٰن وشان النزول وبہ تتوافق الروایات من الصحابۃ رض والرسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو مختار مشائخنا دامت برکاتھم اھ ص ۱۰۳)

بندہ ضعیف کہتا ہے کہ کتاب الرُّوح میں جو اہلِ علم کے کئی طائفوں سے ذکر کیا ہے اور امام ابن عبد البر رح نے بھی ذکر کیا ہے کہ اکثر حضرات فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں یہی حق ہے جو قبول کے لائق ہے اور قرآنِ کریم کا صیغہ اور شانِ نزول بھی اسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور اسی سے ان روایات میں جو حضرات صحابہ کرام رض اور آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے مروی ہیں، توافق پیدا ہو جاتا ہے اور ہمارے مشائخ (دیوبند) دامت برکاتہم کا بھی یہی مختار ہے۔

اور اس مسئلہ کی طویل بحث کرتے ہوئے اور نصوص و دلائل کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فالقول باطلاق سماع الموتیٰ فی

یہ کہنا کہ مُردے مطلقاً سُنتے ہیں یعنی ان کا

كل فرد وفي كل حين قول بما ليس لك به علم والقول بنفيه رأسا مزاحمة للنصوص المذكورة آنفا ولذالك قلنا بثبوته في الجملة اعني في حين دون حين لشخص دون شخص في كلام دون كلام وبذلك تتوافق النصوص والآثار الواردة في هذا الباب الخ

(ص ۱۰۶)

ہر فرد اور ہر وقت سُنتا ہے تو یہ ایسی بات ہے جس کا تجھے عِلم نہیں ہے اور سماعِ موتیٰ کی کلیۃً نفی کر دینا ان نصوص سے تصادم اور مزاحمت ہے جن کا ذکر ابھی ہوا اور اسی لئے ہم فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں یعنی کسی وقت نہ کہ ہر وقت (کیوں کہ مؤمن نم کنومۃ العروس کا مزہ بھی تو لیتے ہیں اور کبھی وقت ان کی توجہ صرف الی اللہ تعالےٰ ہی ہوتی ہے۔ صفدر) اور بعض اشخاص کے لئے نہ کہ ہر ایک کے لئے اور بعض کلام نہ کہ ہر ایک اور اسی طریق سے اس باب میں وارد نصوص اور آثار میں توافق پیدا ہوتی ہے۔

اور نیز یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

فالاحاديث الصحيحة لما كانت ناطقة بثبوت السماع في قتلى بدر وفي صيغة السلام

صحیح احادیث جب اس مسئلہ میں ناطق ہیں کہ مقتولین بدر کا سماع ثابت ہے اور اسی طرح ہر مُردہ مسلمان سلام سُنتا ہے

لکل مسلم نطقنا بہ وھی ساکتۃ	تو ہم بھی اس کے قائل ہیں اور یہ احادیث
عن سائر الکلام فسکتنا عنہ	باقی سب کلام سے ساکت ہیں سو ہم بھی
ولکن لاسکوت الجحود	ساکت ہیں لیکن یہ سکوت جحود و انکار
والانکار بل سکوت من لا	کا نہیں بلکہ اس شخص کا سکوت ہے
یعلم امرًا ممکن الوقوع	جو کسی ممکن الوقوع امر کے واقع ہونے
ھل وقع ام لا فان ثبت	کو نہیں جانتا کہ کیا واقع ہوا ہے یا نہیں؟
بدلیلٍ وقوعہ قلنا بہ	پس اگر کسی دلیل سے اس کا وقوع ثابت
والّا دمنا علیٰ السکوت لقولہٖ	ہو جائے تو ہم اس کے قائل ہیں ورنہ
تعالیٰ ولا تقف مالیس لك بہٖ	ولا تقف مالیس لك بہ علم کے مطابق
علم اھ (ص ۱۰۶)	ہم سکوت پر دائم رہیں گے۔

حضرتِ مفتی صاحب کی ان تمام واضح اور ناطق عبارات سے یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ فی الجملہ سماعِ موتیٰ ثابت ہے۔ نصوص اور صحیح احادیث اسی پر دال ہیں، اور اس کا انکار نصوص اور احادیث صحیحہ کا انکار و جحود ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر مؤلف ندائے حق وغیرہ حضرت مفتی صاحب کو منکرینِ سماعِ موتیٰ میں شمار کرتے ہیں تو دُہ جانیں اور انکی ضد اور ہٹ دھرمی۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان صاحب رح

مولانا اپنی جماعت اور اپنے دَور کے متبحر عالم اور

مصنّف و محقّق بزرگ تھے۔ وہ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:
السّلام علیکم دار قوم مؤمنین۔ سلام تم پر اے مومن گھر والو۔ یہ آپؐ نے قبرستان
میں جاکر فرمایا۔ مُردوں کو سلام کیا۔ اُن سے مخاطبہ کیا۔ معلوم ہُوا کہ مُردے اپنی قبروں
میں ہمارا اسلام و کلام سُنتے ہیں لیکن وہ ہم کو اپنا جواب نہیں سُنا سکتے۔
اہلِ حدیث کا قاطبۃً (یعنی سب کا کُلّیتہً) یہی قول ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ
(اُن کی طرف عدمِ سماعِ موتیٰ کی نسبت بالکل غلط ہے جیساکہ آگے آرہا ہے
انشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) اور معتزلہ نے سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے۔ ان کے
انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اور تعجّب ہے ان اہل حدیث پر، جو لوگوں کو تو ابُوحنیفہؒ
کی تقلید سے تو منع کرتے ہیں اور خود جب چاہتے ہیں ابوحنیفہ رح کے مقلّد بن
جاتے ہیں۔ سماعِ موتیٰ کی نفی میں اُن کے قول سے استدلال کرتے ہیں اور احادیث
صحیحہ کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں الخ۔ (لغات الحدیث ج ۳ س صنہ۱۵ طبع
نور محمد کارخانہ آرام باغ۔ کراچی)۔

نیز لکھتے ہیں کہ:۔ اہل حدیث کے پیشوا حافظ ابن قیم رح نے صراحتہً سماعِ
موتیٰ کو ثابت کیا ہے اور بے شمار حدیثوں سے جن کو امام سیوطی رح نے
شرح الصدور میں ذکر کیا ہے۔ مُردوں کا سماع ثابت ہوتا ہے اور سلفؒ کا
اس پر اجماع ہے۔ صرف حضرت عائشہ رضؓ سے اس کا انکار منقول ہے اور
ان کا قول شاذ ہے (ایضاً ج ۳ صہ۱۶۶ سم)

اور یہی بزرگ لکھتے ہیں :-

اِنَّكَ لَا تسمع الموتیٰ تو مُردوں کو (یعنی کافروں کو) اسلام نہیں قبول کرا سکتا۔ اس آیت سے سماعِ موتیٰ کی نفی نہیں نکلتی جیسے حضرت عائشہ رضؓ نے خیال کیا کیونکہ اسماع سے یہاں سماعِ اجابت مُراد ہے جیسے اسمع غیر مسمع میں اور متعدد احادیث سے سماعِ موتیٰ ثابت ہے، جیسے اُوپر گزر چکا ہے۔ اور اہلِ حدیث کے بڑے بڑے امام جیسے ابن تیمیہؒ اور ابن قیم رحؒ ہیں، اسی کے قائل ہیں صرف حنیفہ (بالکل غلط ہے کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ مجمع البحار میں ہے اِنَّكَ لَا تسمع الموتیٰ کا معنیٰ یہ ہے کہ تو اُن جاہلوں کو نہیں سمجھا سکتا جن کو اللہ تعالےٰ نے جاہل بنایا ہے تو یہ آیت اُس حدیث کے خلاف نہ ہوگی ما انتم باسمع من ھٰؤلاء (ایضؔ ج ۳ صـ ۱۲۳ سم)۔

تیسری دلیل

حافظ ابو عمر بن عبد البر المالکی رحؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) جن کو علامہ ذہبی رحؒ الامام، شیخ الاسلام اور حافظ المغرب کے پیارے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ صـ ۳۰۶ اور حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحبؒ ایک مقام میں فرماتے ہیں کہ :- وھو من المتقنین فی باب النقل فلا مناص من تسلیم نقلہ النسبۃ اھ فیض الباری ج ۱ صـ ۶ - یعنی جب امام ابن عبد البرؒ نقل کے سلسلہ میں ان حضرات میں شامل ہیں جو متقن اور متثبت ہیں تو لامحالہ ان کی بیان کردہ نقل اور نسبت کو تسلیم کرنا پڑے گا) روایت کرتے ہیں :-

من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ما من رجل یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہٗ فیسلّم علیہ اِلّا عرفہٗ ورد علیہ السلام اھ (کتاب الروح ص۱۳ والجامع الصغیر ج۲ ص۱۵۱)	حضرت عبداللہ رضؓ بن عباس رضؓ سے روایت ہے، وہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا۔ وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وُہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ پہچاننا سلام کہنے والے کے سلام و کلام کے لب و لہجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح اکثر پسِ پردہ یا نابینا حضرات لوگوں کی آواز اور طرزِ کلام اور لب و لہجہ سے ان کو پہچان لیتے ہیں، حالانکہ آنکھوں سے وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ اس روایت سے معلوم ہوُا کہ مُردہ قبر میں سلام سُنتا بھی ہے اور اس کا باقاعدہ جواب بھی دیتا ہے یہ روایت سماعِ موتیٰ کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ جس میں ذرّہ بھر شک نہیں کیا جا سکتا۔

حافظ ابن القیم الحنبلی رح (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابن عبد البر رح ثبت عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم الخ (کتاب الروح ص۲)	امام ابن عبد البر رح نے فرمایا کہ آنحضرت صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے یہ روایت ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عبدالبر رح کے نزدیک یہ روایت صحیح اور ثابت ہے اور حافظ ابن القیم رح بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ الحنبلی رح (المتوفی ۷۲۸ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقد روی حدیث صححہ ابن عبد البر انہ قال مامن رجل یمر بقبر اخیہ اھ (اقتضاء الصراط المستقیم طبع مصر ص ۱۵۷)	بلاشبہ ایک حدیث روایت کی گئی ہے جس کی امام ابن البر رح نے تصحیح کی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے الخ۔

علامہ علی بن عبدالکافی السبکی رح (المتوفی ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ذکرہ جماعۃ وقال القرطبی فی التذکرۃ ان عبد الحق صححہ اھ (شفاء السقام ص ۶۵)	اس کو ایک جماعت نے بیان کیا ہے اور قرطبی رح تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امام عبدالحق رح نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور امام محمد بن احمد الانصاری القرطبی رح (المتوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

وفی حدیث صححہ عبد الحق مرفوعًا (مختصر تذکرہ قرطبی رح ص ۳۸ طبع مصر)	ایک مرفوع حدیث میں ہے جس کی عبدالحق رح نے تصحیح کی ہے۔

اور حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر رح (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

من اشھر ذلك مارواہ ابن عبد البر	سماعِ موتیٰ کے مشہور دلائل میں سے ایک

وصححاله عن ابن عباسؓ مرفوعًا مامن احد يمر بقبر اخيه المسلم اھ (تفسير ابن كثير ج ٣ ص ٤٣٨)

وہ روایت بھی ہے جس کو امام ابن عبد البرؒ نے مرفوعًا حضرت ابن عباسؓ سے تصحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے الخ

امام محمدؒ بن احمدؒ بن عبد الہادی الحنبلیؒ فرماتے ہیں

وهو صحيح الاسناد (الصارم المنكى ص ١٨٦ طبع مصر)

کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے عند القبر سماع کا تو کہنا ہی کیا۔

وهذا قد جاء عمومًا في حق المومنين ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام اھ (الصارم المنكى ص ٩٥)

یہ تو عام مومنوں کے حق میں آیا ہے کہ جو شخص بھی کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا تو وہ جب بھی اس کو سلام کہتا ہے اللہ تعالےٰ اس کی طرف اس کی رُوح لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

علامہ محمد عبد الباقیؒ بن یوسف الزرقانی المالکیؒ (المتوفی ١١٢٢ھ)

لکھتے ہیں کہ :۔

رواہ ابن عبد البر وصححہ ابو محمد عبد الحق اھ (شرح مواھب ج ۵ ص ۲۳۴ طبع مصر)

امام ابن عبد البر رح نے اس کو روایت کیا ہے اور علامہ ابو محمد عبد الحق رح نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں۔ فقد صح مرفوعاً مامن احد یمر الخ (ج ۸ ص ۳۰۸)

علامہ سید محمود آلوسی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

اخرج ابن عبد البر وقال عبد الحق الاشبیلی رح اسنادہ صحیح عن ابن عباس رض مرفوعاً اھ (روح المعانی ج ۶ ص ۴۵۵)

امام ابن عبد البر رح نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور امام عبد الحق اشبیلی رح فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عبّاس رض سے مرفوعاً مروی ہے

علامہ طحطاوی (سیّد احمد الطحطاوی الحنفی رح) لکھتے ہیں کہ :۔

واخرج ابن عبد البر فی الاستذکار والتمہید بسند صحیح عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد

امام ابن عبد البر رح نے اپنی کتاب استذکار اور تمہید میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عبّاس رض سے روایت کی تخریج کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا نہیں گزرتا جس کو

علیہ السلام انتہیٰ (طحطاوی ص ۳۴۱) | وہ سلام کہے مگر وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور مسئلۂ سماعِ موتیٰ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

واخرج ابن ابی الدنیاؒ والبیہقیؒ فی الشعب عن محمد بن واسع قال بلغنی ان الموتیٰ یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ وقال ابن القیمؒ الاحادیث والآثار تدل علیٰ ان الزائر متٰی جاء علم بہ المزور وسمع سلامہ وانس بہ ورد علیہ وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم وانہ لا توقیت فی ذٰلک وھو اصح من اثر الضحاک علی التوقیت ۔(طحطاوی ص ۳۴۰)

اور امام ابن ابی الدنیاؒ اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں محمدؒ بن واسعؒ سے تخریج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بلاشبہ مُردے جمعہ کے دِن اور ایک دن اس سے قبل اور ایک دن اسکے بعد اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زیارت کرنے والا جب بھی آتا ہے تو جس کی زیارت کی جاتی ہے (یعنی مُردہ) وہ اس کو جانتا، اس کے سلام کو سُنتا، اُس سے مانوس ہوتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداؒ اور غیر شہداء سب کے حق میں عام ہے اور اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں اور یہ حضرت

ضحاکؒ کے اثر سے زیادہ صحیح ہے جس میں
وقت کی تخصیص ہے۔

اصولِ حدیث کے رُو سے تخریج اور اخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کو اس کی پوری سند کے ساتھ نقل کیا جائے۔ یہ روایت امام ابن عبدالبرؒ نے مؤطا امام مالک کی مطول اور مختصر شرح التمہید اور الاستذکار میں نقل کی ہے جیساکہ امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اس کی تصریح کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ صححہ عبدالحق کہ اس کی تصحیح محدّث عبدالحقؒ نے کی ہے۔ شرح الصدور ص۸۴ اور محدّث عبدالحق رح کے حوالہ سے اس کی تصحیح انھوں نے اپنی کتاب بُشریٰ الکئیب ص۱۰۳ میں بھی نقل کی ہے اور امام عبدالحق رح نے یہ بات اپنی کتاب العاقبہ میں تحریر فرمائی ہے (الصارم المنکی ص۱۸۶) اور اس کے علاوہ الاحکام الصغریٰ میں بھی فرمائی ہے۔ جیساکہ علّامہ السید السمہودیؒ لکھتے ہیں کہ

روی عبد الحق فی الاحکام الصغریٰ وقال اسنادہ صحیح عن ابن عباسؓ الیٰ ان قال وروی ابن عبد البرؒ وصححہ کما نقلہ ابن تیمیۃ رح اھ (وفاء الوفیٰ ج ۲ ص۴۰۴)	امام عبدالحقؒ نے اپنی کتاب الاحکام الصغریٰ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ پھر آگے فرمایا اور امام ابن عبدالبر رح نے بھی یہ روایت کی ہے اور اس کو انھوں نے صحیح کہا ہے جیساکہ ان سے ابنِ تیمیہؒ نے نقل کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحب رح (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں

صححہ ابو محمد عبد الحق رح (دلیل الطالب علی ارجح المطالب صـ۸۴۱)

اس حدیث کی امام ابو محمد عبد الحق رح نے تصحیح کی ہے۔

اور مولانا سیّد انور شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ :-

وفی حدیث صححہ ابو عمران احدًا اذا سلّم علی البیت فانہ یرد علیہ ویعرفہ اھ (فیض الباری ج ۲ صـ۴۶۷)

اور حدیث میں آتا ہے جس کو امام ابن عبد البرؒ نے صحیح کہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص مُردہ کو سلام کرتا ہے ، وہ اُس کا جواب دیتا اور اُس کو پہچانتا ہے۔

اور علامہ عزیزی رح الّا عَرَفَہٗ وَرَدَّ علیہ السّلام کے جملہ کی تشریح کرتے ہُوئے لکھتے ہیں :-

ولا مانع من خلق ھذا الادراک برد الروح فی بعض بدنہ اھ (السراج المنیر ج ۳ صـ۲۸۹)

اس میں کوئی مانع نہیں کہ اس میں یہ ادراک اس کی رُوح کو اس کے بدن کے بعض حصّہ کی طرف لوٹانے کی وجہ سے پیدا ہو جائے۔

قاضی محمدؒ بن علی رح الشوکانی رح (المتوفی ۱۲۵۰ھ) کہتے ہیں :-

مع ان مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت لسائر الموتٰی وقد صح عن ابن عبّاس رضی اللہ تعالٰی

حالانکہ مطلق ادراک مثلاً علم اور سماع تو یہ تمام مُردوں کے لئے حاصل اور ثابت ہے اور حضرت ابنِ عبّاس رضؓ سے یہ مرفوع روایت آئی ہے کہ جو

عنہما مرفوعًا ما من احد یمر	شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس
علیٰ قبر اخیہ المؤمن وفی روایۃ	سے گزرتا ہے اور ایک روایت میں آتا
بقبر الرجل کان یعرفہٗ فی الدنیا	ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ
فیسلم علیہ اِلّا عرفہٗ ورد علیہ	اُس پر سلام کہتا ہے وہ اُس کو پہچانتا ہے
السلام اھ (نیل الاوطار ج ۳ ص۲۹۴ طبع مصر)	اور اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اس صحیح اور صریح حدیث کی روشنی میں حافظ ابن القیم رح فرماتے ہیں کہ :-

فھذا نصّ فی انہ یعرفہ بعینہٖ	یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ
ویرد علیہ السلام الخ (کتاب	مُردہ سلام کہنے والے کو بعینہٖ پہچانتا ،
الروح ص۲)	اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور یہی حافظ ابن القیم رح اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں لکھتے ہیں :-

وھذا ورد نبینا التسلیم من　　　یأتی بتسلیم مع الاحسان

اور یہ اَمر کہ ہمارے نبی صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہر اس شخص کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں جو عمدہ طریقہ سے سلام کہتا ہے۔

ما ذاک مختصا بہ ایضًا کما　　　قد قالہ المبعوث بالقرآن

یہ صرف آپ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے جیساکہ خود اس ذات نے فرمایا جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا ہے۔

من زار قبر اخٍ لہ فاتیٰ　　　بتسلیم علیہ وھو ذو ایمان

کہ جس شخص نے اپنے مؤمن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اسے سلام کہا۔
رد اللہ علیہ حقا روحہ ـــــ حتّٰی یرد علیہ رد بیان (النونیۃ ص۱۴۵)
تو پروردگار یقینی طور پر اس پر اس کی روح لوٹا دیتا ہے حتّٰی کہ وہ اس کے سلام کا واضح بیان سے جواب دیتا ہے۔

اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح (المتوفی ۱۳۶۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

علٰی ان الصواب ان المیت اھل للخطاب مطلقًا لما سبق من الحدیث ما من احد یمر بقبر اخیہ المومن یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام اھ (فتح الملھم ج ۲ ص۵۰۸)	مزید براں درست بات یہ ہے کہ مردہ مطلقًا خطاب کا اہل ہے کیونکہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو دنیا میں وہ پہچانتا تھا اور وہ اسے سلام کہتا ہے، تو مردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہ رض سے بھی مروی ہے (کتاب الروح ص۵ و شرح الصدور ص۸۴) اور حضرت ابو ہریرہ رض سے بھی مروی ہے (کتاب الروح ص۱۳) اور ان کی یہ روایت امام ابن عساکر رح اور خطیب بغدادی رح نے بھی نقل کی ہے (الجامع الصغیر ج ۲ ص۱۵۱) اور امام ابن ابی الدنیا رح اور امام بیہقی رح نے شعب الایمان میں بھی نقل کی ہے (شرح الصدور ص۸۴)۔ ان دونوں روایتوں

ہیں کمزوری بھی ہے لیکن اصولِ حدیث کے رُو سے حضرت ابن عبّاس رضؓ کی سابق حدیث کے لئے شاہد اور مؤید کا درجہ ان کو حاصل ہے ۔ اور حضرت ابن عبّاس رضؓ کی روایت صحیح ہے جس کو صحیح کہنے والے اور اُن کی تائید کرنے والے اور اس روایت سے استدلال کرنے والے یہ حضرات ہیں ۔ (۱) امام ابن عبدالبر رحؒ (۲) امام ابو محمد عبدالحق رحؒ (۳) حافظ ابن تیمیہ رحؒ (۴) حافظ ابن القیم رحؒ (۵) حافظ ابن کثیر رحؒ (۶) امام قرطبی رحؒ (۷) ابن عبدالہادی رحؒ (۸) علامہ زرقانی رحؒ (۹) علامہ آلوسی رحؒ (۱۰) نواب صدیق حسن خان رحؒ (۱۱) علّامہ سمہودی رحؒ (۱۲) مولانا سیّد انور شاہ صاحب رحؒ (۱۳) علامہ سیوطی رحؒ (۱۴) علّامہ عزیزی رحؒ (۱۵) قاضی شوکانی رحؒ (۱۶) مولانا عثمانی رحؒ ۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام ابن عبدالبر رحؒ متقنین و اثبات میں سے ہیں اور نقل کے باب میں ثقہ اور ثبت ہیں اور امام عبدالحق الازدی الاشبیلی رحؒ (المتوفی ۵۸۱ھ) کو علّامہ ذہبی رحؒ الحافظ ۔ العلامۃ اور الحجۃ لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۹) اور حافظ ابو عبداللہ الابار رحؒ فرماتے ہیں کہ :۔

کان فقیہا حافظاً عالمًا بالحدیث وعللہ عارفًا بالرجال موصوفا بالخیر والصلاح والزھد والورع ولزوم السنۃ اھ (تذکرہ ج ۴ ص ۱۴۰)

وہ فقیہ، حافظ، حدیث اور اس کی علتوں کے عالم اور راویوں کو جاننے والے تھے۔ نیز وہ خیر و صلاح، زہد و ورع سے متصف اور پابند سُنت تھے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ موصوف نے حضرت ابن عباس رضؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی تصحیح محض صوفیانہ رنگ اور سہل انگاری کے طور پر نہیں بلکہ علمِ حدیث اور اس کے رواۃ پر گہری نگاہ رکھ کر اصولِ حدیث کے مطابق کی ہے اور محدّثین اور محققین علماء کرام کے جمِ غفیر نے ان کی تائید کی ہے۔

اعتراض :- اس حدیث کے سلسلہ میں جو اعتراض نظر سے گزرا ہے، وہ علاّمہ آلوسی رحؒ نے یوں نقل کیا ہے۔

وقیل فی حدیث ابن عبد البرؒ ان عبد الحق وان قال اسنادہ صحیح الا ان الحافظ ابن رجب تعقبہٗ وقال انہ ضعیف بل منکر اھ (روح المعانی ج ۱۷ ص۵۷)

اور ابن عبد البر رحؒ کی روایت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام عبد الحق رحؒ نے اگرچہ کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے مگر حافظ ابن رجب رحؒ نے ان پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ مُنکر ہے۔

الجواب :- اوّلاً تو علاّمہ آلوسی رحؒ نے لفظ قیل سے اس جواب کو نقل کر کے اس کا ضُعف بتا دیا ہے اور اس کی اہمیت گھٹا دی ہے اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خود اس سے مطمئن نہیں ہیں، و ثانیاً حافظ عبد الرحمٰن بن شہاب الدین ابن احمد بن رجب الحنبلی رحؒ (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنے مقام پر بلا شُبہ متبحر عالم ہیں، لیکن فنِ حدیث اور روایت حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح میں ان کا وہ مقام نہیں جو حافظ ابن عبد البر رحؒ اور امام عبد الحق اشبیلی رحؒ کا ہے وہ دونوں اقدم ہونے

کے علاوہ اس فن میں ان سے اعلم بھی ہیں ۔ اور پھر حافظ ابن تیمیہ رح اور علامہ ابن القیم رح وغیرہ بے شمار محدثین ان کی تائید کر رہے ہیں ۔ لہٰذا ان کی تصحیح کے مقابلہ میں ان کی تضعیف کا کوئی مقام نہیں ہے ۔ وثالثاً ابن رجب رح کی جرح اور تضعیف مبہم ہے اور اصول حدیث کے رو سے اس کا کوئی اعتبار نہیں جمہور کا ضابطہ یہ ہے ۔ اگر کوئی کہے کہ :-

ھذا الحدیث غیر ثابت او منکر او فلان متروک الحدیث او ذاھب الحدیث او مجروح او لیس بعدل من غیر ان یذکر سبب الطعن وھو مذھب عامۃ الفقھاء والمحدثین (الرفع والتکمیل ص۶)	یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے یا فلاں راوی متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا مجروح ہے یا عادل نہیں اور اس کی وجہ اور سبب نہ بیان کرے (تو اس صورت میں یہ جرح مقبول نہ ہو گی) اکثر فقہاء اور محدثین کا یہی مذہب ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جرح مبہم اور غیر مفسر کا جمہور فقہاء کرام رح اور محدثین عظام رح کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ۔ مؤلف ندائے حق امام نووی رح کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام مسلم رح نے غیر ثقہ راوی سے کیوں روایت کی ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ امام مسلم رح کے نزدیک اس راوی پر جرح مفسر ثابت نہیں اور جرح صرف مفسر ہی قبول کی جا سکتی ہے (نووی ص۱۳ ندائے حق ص۱۸۲ محصلہ) اور پھر آگے مقدمہ بخاری ص۱۱ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ متابعت اور استشہاد میں بعض ضعیف

راویوں کی روایت بھی پیش کی جا سکتی ہے (ندائے حق صہ ۱۸۲)

ہاں اگر جارح ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہو۔ متشدد، متعنت اور متعصب نہ ہو اور جرح کے اسباب کو جانتا ہو تو پھر جرح تعدیل پر مقدم ہو گی بشرطیکہ جمہور کے قول سے متصادم نہ ہو۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ:-

والجرح مقدم على التعديل اطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح فى من ثبتت عدالته اھ (شرح نخبة الفكر ص ۱۱۱)

جرح تعدیل پر مقدم ہے اور ایک جماعت نے اس کو مطلق رکھا ہے لیکن اس تقدیم کا صحیح محل یہ ہے کہ جرح مفسر ہو اور ایسے شخص سے ہو جو جرح کے اسباب کو جانتا ہو۔ کیونکہ اگر جرح مفسر نہ ہوئی تو ایسے شخص کے بارے میں اس سے کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو۔

الحاصل حضرت ابن عباس رض کی مذکورہ مرفوع حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے متعلق یہی فیصلہ جمہور محدثین رح کا ہے جیساکہ بیان ہو چکا ہے۔

چوتھی دلیل

آنحضرت صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں کفار کو شکست دینے اور اُن میں سے ستر کو جہنم رسید کرنے کے بعد جب ان میں سے چوبیس بڑے بڑے کافروں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالیں تو تیسرے دن آپ وہاں اس کنوئیں کے پاس تشریف لے گئے اور اُس کے

کنارے پر کھڑے ہو کر ان میں سے ایک ایک کافر اور اس کے باپ کا نام لے کر فرمایا کہ کیا تمھیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ ہمارے ساتھ ہمارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو پورا ہو گیا کیا جو (عذاب و سزا کا) وعدہ تم سے ہوا تھا، وہ پورا ہو گیا یا نہیں؟ اس پر حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ حضرت! کیا آپ ایسے اجسام سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں ارواح نہیں؟ آں حضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ :-

والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم قال قتادۃ احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولہ توبیخا وتصغیرًا ونقمۃً وحسرۃً وندمًا (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ واللفظ لہ ومسلم ج ۲ ص ۳۸۷ ومسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴ وج ۳ ص ۱۴۵)

اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی جان ہے تم اس گفتگو کو جو میں ان سے کر رہا ہوں، ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ حضرت قتادہ رح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کا کلام ان کو سنایا تاکہ ان کو ڈانٹ، ذلت وخواری، حسرت اور ندامت حاصل ہو

اس حدیث کی تفسیر و توضیح میں شراح حدیث کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث سے مردوں کے سننے کا جو ثبوت ملتا ہے وہ آنحضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی خصوصیت ہے۔ اگر اس کا یہی مطلب متعین ہو تو پھر اس کا عام موتیٰ کے سماع سے تعلّق نہیں ہوگا اور اس قول کی بنیاد حضرت قتادہ رح کی تشریح اور تفسیر

پر ہے ۔ قتادہ رح کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی ۔ وہ فن حدیث میں الحافظ اور العلامہ تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۱۱۵) لیکن اس کے ساتھ قدری یعنی منکر تقدیر بھی تھے چنانچہ علّامہ ذہبی رح ہی لکھتے ہیں کہ وہ برملا اپنا یہ رَدّی عقیدہ بیان کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہر چیز اللہ تعالےٰ کی تقدیر سے ہوتی ہے مگر گناہ اس کی تقدیر سے نہیں ہوتے (ایضاً ج ۱ ص۱۱۶، ص۱۱۷) امام الجرح والتعدیل یحییٰ رح بن سعید رح ان کو چوٹی کا بدعتی (یعنی قدری) کہتے تھے (تہذیب التہذیب ج ۸ ص۳۵۳) اور محدثین کرام رح القدر کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ :۔

وھو زعم ان الشر من خلق العبد	اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ شر بندے کی
(تدریب الراوی ص۲۱۹)	مخلوق ہے ۔

اور یہ بدعتی فرقہ معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے ۔ چنانچہ علم کلام کی مشہور کتاب المواقف اور اس کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے (ملاحظہ ہو ص۶۴۷ طبع لکھنؤ) اور معتزلہ روافض اور خوارج وغیرہ کا حیوٰۃ فی القبر کے بارے میں اہل السنت والجماعت سے پہلے ہی اختلاف ہے ۔ ہم نے تسکین الصدور میں اس کی کچھ بحث کر دی ہے ۔ پھر قتادہ رح کی یہ تفسیر اور توجیہ اہل السنت پر کیسے حُجّت ہو سکتی ہے ؟ خود مؤلف شفاء الصدور ص۲۷ کے حاشیہ میں قتادہ کے قدری ہونے کی تصریح کرتے ہیں ۔

اور دُوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث اُن کی خصوصیّت پر محمُول نہیں ہے بلکہ جس طرح عام دیگر مُردے سُنتے ہیں اِسی طرح مقتولینِ بدر نے بھی سُنا ۔

چنانچہ اس کی تشریح میں لکھا ہے۔

قال النووی قال المازری قیل ان المیت یسمع عملاً بظاہر ھذا الحدیث وفیہ نظر لانہ خاص فی حق ھؤلاء ورد علیہ القاضی وقال یحمل سماعھم علی ما یحمل سماع الموتٰی فی احادیث عذاب القبر وفتنتہ التی لا مدفع لھا وذلک باحیاءھم او احیاء جزء منھم یعقلون بہ ویسمعون فی الوقت الذی یریدہ اللہ قال الشیخ ھذا ھو المختار (۱۲ طیبی ھامش بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ وھامش مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۴۵ عن المرقات والطیبی)

امام نووی رح نے فرمایا کہ امام مازری رح کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر کو ملاحظہ کرتے ہوئے میّت سُنتی ہے لیکن اس میں کلام ہے کیونکہ یہ تو اُنہی لوگوں کے ساتھ مختص ہے مگر قاضی عیاض رح نے اس کا رَد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ان مقتولین بدر کا سماع اسی پر حمل کیا جائے گا جس طرح احادیثِ عذابِ قبر اور فتنۂ قبر میں عام موتیٰ کے سماع پر محمول ہے۔ کیونکہ ان حدیثوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ان کو یا ان کی کسی ایسی جزو کو زندہ کیا جاتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں اور اس وقت سُنتے بھی ہیں جب اللہ تعالٰے چاہتا ہے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں یہی بات مختار ہے۔

حضرت امام نووی رح کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ :-

قال المازری قال بعض الناس المیت

علامہ مازری رح نے فرمایا کہ بعض لوگ کہتے

يسمع عملاً بظاهر هذا الحديث ثم انكره المازري وادعى ان هذا خاص في هؤلاء ورد عليه القاضي عياض وقال يحمل سماعهم على ما يحمل عليه سماع الموتى في احاديث عذاب القبر وفتنته التي لا مدفع لها وذلك باحيائهم او احياء جزء منهم يعقلون به ويسمعون في الوقت الذي يريد الله هذا كلام القاضي وهو الظاهر المختار الذي تقتضيه احاديث السلام على القبور والله تعالى اعلم (نووي شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷)

ہیں کہ میّت سُنتی ہے اور وہ لوگ بظاہر اس حدیث پر عمل کرتے ہیں پھر مازری رح نے انکار کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ سماع مقتولینِ بدر سے مخصوص ہے لیکن قاضی عیاض رح نے ان کا رَد کیا اور فرمایا کہ ان کے سماع کو اسی پر حمل کیا جائے گا جس پر سماعِ موتیٰ کی احادیث دال ہیں جو عذابِ قبر اور فتنۂ قبر سے متعلق ہیں جن کو ٹالا نہیں جا سکتا اور یہ اس طرح کہ ان کو زندہ کیا جائے۔ ان کی کسی جزو کو زندہ کیا جائے جس سے وہ سمجھ سکیں اور اس وقت سُن سکیں جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے۔ یہ قاضی عیاض رح کا کلام ہے اور یہی ظاہر اور مختار ہے جس کو قبور پر سلام کی احادیث چاہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں کہ:-

واما سوال السائل هل يتكلم الميت في قبره فجوابه انه يتكلم

بہرحال سائل کا یہ سوال کہ کیا مُردہ قبر میں بولتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بولتا ہے

وقد يسمع الحيّ من كلمه كما ثبت في الصحيح عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم انه قال انهم يسمعون قرع نعالهم الى ان قال وثبت عنه في الصحيح انه نادى المشركين يوم بدر لما القاهم في القليب قال ما انتم باسمع لما اقول منهم والآثار في هذا كثيرة منتشرة والله تعالى اعلم (فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۷ ص ۲۱۷ طبع مصر)

اور کبھی کلام کرنے والے کی بات کو سنتا بھی ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بے شک وہ واپس آنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سُنتا ہے (پھر آگے فرمایا) اور آپ سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے بدر کے دن جبکہ مُشرکین کی لاشیں کنوئیں میں ڈالیں آواز دی اور (صحابہ کرامؓ سے) فرمایا کہ مَیں ان سے جو گفتگو کر رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سُن رہے اور اس سلسلہ میں (کہ سماعِ موتیٰ ہے) بکثرت حدیثیں موجُود ہیں جو (کتبِ حدیث میں) پھیلی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

علامہ علی بن عبدالکافی السبکی رح نے بھی سماعِ موتیٰ پر اس روایت ما انتم باسمع لما اقول منہم سے استدلال کیا ہے (شفاء السقام ص ۱۴۷)

حضرت مولانا امداداللہ صاحب مہاجر مکی رح (المتوفی ۱۳۱۷ھ) نے فرمایا کہ آیتہ انک لا تسمع الموتیٰ میں نفی حواس خمسہ ظاہرہ سے مُراد ہے نہ کہ مطلقاً سماع اور استماع

موتیٰ حواس باطنیہ سے پیغمبروں واولیاءِ کرام کو ممکن ہے جیسے کہ حدیث قلیب میں مصرّح ہے (شمائم امدادیہ صـ۶۷)۔

حضرت حاجی صاحب رح نے گو حواس باطنیہ سے سماع تسلیم کیا ہے مگر قلیب بدر کی حدیث سے عموم سمجھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علامہ قاضی عیاض رح، امام نووی رح اور حافظ ابن تیمیہ رح وغیرہ کے نزدیک اس حدیث میں سماعِ موتیٰ کا مسئلہ مقتولین بدر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اور دیگر بعض اکابر علماء نے بھی اس سے تعمیم ہی سمجھی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

الامام العلامہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رح (المتوفی ۶۷۱ھ) سماعِ موتیٰ پر بحث کرتے ہوئے اور حضرت عائشہ رض کا آیتِ کریمہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی الآیۃ سے نفی سماعِ موتیٰ پر استدلال نقل کرنے کے بعد آخر میں اپنا فیصلہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقد عورضت ھذہ الآیۃ بقصۃ	اس آیتِ کریمہ کے معارضہ میں بدر کا واقعہ اور
بدر وبالسلام علی القبور وبما	قبر پر سلام کہنے کی روایات اور وہ جو روایت کیا
روی فی ذٰلک من ان الارواح	گیا ہے کہ ارواح بعض اوقات قبروں کے کنارے
تکون علیٰ شفیر القبور فی اوقات	پر ہوتے ہیں اور یہ کہ میّت واپس جانے والوں
وبانّ المیّت یسمع قرع النعال	کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے، وغیرہ دلائل پیش
اذا انصرفوا عنہ الیٰ غیر ذٰلک فلو	کئے گئے ہیں۔ پس اگر مُردہ نہ سنتا ہو تو اس کو

لم یسمع المیّت لم یسلّم علیہ وھذا واضح	سلام نہ کہا جاتا اور یہ بالکل واضح ہے اور ہم نے
وقد بیّناہ فی کتاب التذکرۃ انتہٰی (تفسیر	اپنی کتاب تذکرہ میں اس کو صراحت سے
قرطبی الموسومۃ الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۲۳۳ طبع مصر)	بیان کیا ہے ۔

اس عبارت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ علامہ قرطبی رح کے نزدیک بھی سماعِ موتیٰ کا مسئلہ صرف مقتولینِ بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ سماع عام ہے جیساکہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اور دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جن لوگوں نے علامہ قرطبی رح کو سماع موتیٰ کے مُنکرین میں شمار کیا ہے، وہ سخت غلطی پر ہیں اور یہ عبارت ان کی تردید کے لئے کافی ہے جیساکہ کسی بھی صاحبِ فہم اور منصف مزاج سے مخفی نہیں ہے۔ علامہ عبد العلی بحر العلوم الحنفی رح (المتوفی ۱۲۳۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وما قیل ان التلقین لغو لان المیت	اور جو یہ کہا گیا ہے کہ تلقین لغو ہے کیونکہ مُردہ
لا یسمع فھذا باطل لانہ قد ورد	نہیں سُنتا تو یہ کہنا باطل ہے کیونکہ صحیح
فی الحدیث الصحیح ان المیّت اسمع	حدیث میں وارد ہوا ہے کہ میت جُوتیوں
لصوت النعال من الاحیاء ورسول	کی آواز کو بہ نسبت زندوں کے بھی زیادہ
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد نادی	سُنتی ہے اور جناب رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ
الکفرۃ الملقین فی قلیب بدر وقال	علیہ وسلّم نے اُن کُفّار کو جو بدر کے کنوئیں میں
انھم یسمعون ولا یقدرون علٰے	ڈالے گئے تھے، آواز دی تھی اور آپ نے فرمایا

الجواب لما لحقهم من العذاب الشدید (رسائل الارکان صنہ ۱۵ طبع لکھنوء)

کہ بلاشبہ وہ سُنتے ہیں لیکن چونکہ ان کو سخت عذاب ہو رہا ہے اس لئے جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہُوا کہ علامہ بحر العلوم رح سماعِ موتیٰ کے قائل تھے نہ کہ مُنکر (جیسا کہ مؤلف ندائے حق نے صد ۱۵۳ میں مُنکرین سماعِ موتیٰ میں اُن کا نام دیا ہے) اور پھر یہ بھی معلوم ہُوا کہ وہ اصحابِ بدر کے اس واقعہ کو صرف اُن ہی کے ساتھ مختص نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس سے تعمیم مُراد لے رہے ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۳۹ھ) سے سوال ہُوا جس کا جواب انھوں نے یہ دیا :۔

سوال: انسان را بعد موت ادراک وشعور باقی میماند وزائرانِ خود را مے شناسد وسلام وکلام ایشاں را شنود یا نے؟ جواب انسان را بعد موت ادراک باقی میماند براین معنی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دارند اما در شرع شریف پس عذاب قبر

سوال۔ کیا موت کے بعد انسان کے لئے ادراک وشعور باقی رہتا ہے؟ اور وہ اپنی زیارت کرنے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کا سلام وکلام سُنتا ہے یا نہیں؟ جواب موت کے بعد انسان کا ادراک باقی رہتا ہے۔ اس نظریہ پر شرع شریف اور قواعد فلسفی کا اجماع ہے۔ رہا شرع شریف کا معاملہ، تو قبر کا عذاب و راحت تواتر سے

وتنعیم بنواتر ثابت است و
تفصیل آں دفتر طویل مے خواهد
وکتاب شرح الصدور فی احوال
الموتیٰ والقبور کہ تصنیف شیخ
جلال الدین سیوطی رح است و
دیگر کتب حدیث باید دید ودر
کتب کلامیہ اثبات عذاب القبر
مینمایند حتّٰی کہ بعض اهل
کلام مُنکر آں را کافر مے دانند
وعذاب وتنعیم بغیر ادراک وشعور نیے
توانہ شد ونیز در احادیث صحیحہ
مشهورہ درباب زیارت قبور وسلام
بر موتیٰ وهمکلامی باآنها کہ انتم سلفنا
ونحن بالاثر وانا ان شاء اللہ بکم
لاحقون ثابت است ودر بخاری
ومسلم موجود است کہ آنحضرت
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم با مقتولین بدر ؎

ثابت ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے طویل دفتر
درکار ہیں اور امام سیوطی رح کی کتاب "شرح
الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور" اور دوسری
کتابیں دیکھنی چاہئیں اور علم کلام کی کتابوں میں
اثبات عذاب قبر ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں تک
کہ بعض متکلمین نے اس کے مُنکر کو کافر شمار کیا
ہے۔ اور قبر کی سزا اور راحت بغیر ادراک و
شعور کے نہیں ہوسکتی اور نیز صحیح ومشہور
حدیثیں قبور کی زیارت کے باب میں اور
مُردوں سے سلام اور ہم کلام ہونے کے
بارے میں مثلاً یہ کہ تم ہمارے پیشرو ہو اور ہم
تمھارے تابع ہیں اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ تم
سے ملنے والے ہیں، ثابت ہیں اور بخاری و
مُسلم میں موجود ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے مقتولین بدر سے خطاب فرمایا
کہ کیا تم نے وہ کچھ پالیا جو تمھارے ساتھ رب
نے وعدہ کیا تھا؟ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ

؎ بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے شہداء بدر لکھا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ مصدر

خطاب فرمودند هل وجدتم ما وعد ربکم حقا
مردم عرض کردند یارسول اللہ اتتکلم من اجساد لیس
فیها ارواح[۵] فرمودند ما انتم باسمع منهم
ولکنهم لا یجیبون الی ان قال بالجملہ انکار
شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن
او شبہ نیست۔ (فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۸۸ فارسی و ج ۱ ص ۱۸۵ مترجم اردو ص ۱۸۶)

آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن
میں ارواح نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ان سے
زیادہ نہیں سن رہے، اور لیکن وہ جواب
نہیں دیتے (پھر آگے فرمایا کہ) بالجملہ اموات
کے شعور و ادراک کا انکار اگر کفر نہیں تو اس
کے الحاد ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب رح کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مقتولین بدر کے ساتھ سماع کو مخصوص نہیں کرتے بلکہ اس سے تعمیم مراد لیتے ہیں اور مُردوں کے ادراک وشعور پر کافی زور دے رہے ہیں۔

علامہ سمہودی رح لکھتے ہیں:-

انما نعتقد ثبوت الادراکات کالعلم والسماع
لسائر الموتٰی فضلاً عن الانبیاء ونقطع
بعود الحیٰوۃ لکل میّت فی قبرہ کما ثبت
فی السنۃ الی ان قال لکن یکفی فیہ حیٰوۃ
جزء یقع بہ الادراک فلا یتوقف علی البنیۃ
کما زعم المعتزلہ اھ
(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۷)

یقینی بات ہے۔ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ
حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تو
پوچھنا ہی کیا، علم اور سننے وغیرہ کے ادراکات
تو تمام مُردوں کے لئے ثابت ہیں اور یقینی
بات ہے کہ ہر میّت کی طرف قبر میں زندگی
لوٹ کر آتی ہے جیسا کہ سنّت سے ثابت ہے
(پھر آگے فرمایا) لیکن (عام اموات کے لئے)

---

۵ بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے روح کا لفظ لکھا گیا ہے۔

الیسی جزو کی حیات کافی ہے جس سے ادراک ہو
سکے۔ سو یہ جسمانی ڈھانچے پر موقوف نہیں ہے
جیسا کہ معتزلہ کا (باطل) خیال ہے۔

مؤلف شفاء الصدور نے ص۱۱۱ سے ص۱۱۹ تک مردوں اور زندوں میں چالیس فرق بیان کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مردوں کو کفن پہنایا جاتا ہے، زندوں کو نہیں پہنایا جاتا۔ مردوں کا مرثیہ ہوتا ہے زندوں کا نہیں ہوتا۔ زندے وارث ہوتے ہیں، مردے نہیں ہوتے وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم اس لا یعنی اور غیر ضروری بحث میں اپنا وقت ضائع کرنا اور عام مسلمانوں کے ذہن کو مشوش کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہم ارخاء عنان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چلو سب فرق صحیح ہیں لیکن ادراک و شعور فہم و سماع میں مردے اور زندے برابر ہیں۔ اصل گر کی بات ہی یہی ہے جیسا کہ اس پر بے شمار حوالے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ اور قاضی شوکانی رح اور علامہ عثمانی رح کا حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے

نواب صدیق حسن خان صاحب رح لکھتے ہیں:۔

وجملہ اموات از مومنین وکفار در حصول علم شعور و ادراک وسماع وعرض اعمال ورد جواب بر زائر برابر اند تخصیص بہ انبیاء و صلحا نیست۔

(دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۸۴۴)

تمام مردے مومن ہوں یا کافر، حصول علم، شعور، ادراک، سماع، عرض اعمال اور زیارت کرنے والے کے سلام کے جواب لوٹانے میں برابر اور یکساں ہیں۔ ان امور کی تخصیص محض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور صلحاء کے ساتھ ہی نہیں ہے۔

ان اکابر کے علاوہ بھی بہت سے حضرات یہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی الحنفیؒ رقمطراز ہیں کہ:۔

وذهبت طوائف من اهل العلم الی سماعهم فی الجملة وقال ابن عبد البر ان الاکثرین علیٰ ذٰلك وهو اختیار ابن جریر الطبریؒ وکذا ذکره ابن قتیبة وغیره واحتجوا بما فی الصحیحین عن انس عن ابی طلحة رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال لما کان یوم بدر وظهر علیهم یعنی مشرکی قریش رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم امر ببضعة وعشرین رجلاً وفی روایة اربع وعشرین رجلاً من صنادید قریش فالقوا فی طوی ای بئر من اطواء بدر وان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم

اہلِ علم کے کئی طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مُردے فی الجملہ سُنتے ہیں۔ امام ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اسی پر ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبری رح نے اختیار کیا ہے اور اسی طرح امام ابن قتیبہ رح وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور ان حضرات نے بخاری اور مسلم کی اُس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو حضرت انس رضؓ حضرت ابو طلحہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب بدر کا دن تھا اور آں حضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم مشرکین قریش پر غالب آگئے تو آپ نے بیس۲۰ سے زائد سردارانِ قریش کے بارے میں ایک اور روایت میں آتا ہے کہ چوبیس۲۴ کے بارے میں حُکم دیا کہ ان کو بدر

نادا ھم یا اباجھل بن ھشام یا امیۃ بن خلف یا عُتبۃ بن ربیعۃ الیس قد وجد تم ما وعدکم ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یارسول اللہ ما تکلم من اجساد لاارواح لھا فقال والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم۔ زاد۔ فی روایۃ لمسلم عن انس رضؓ ولکنھم لایقدرون ان یجیبوا اھ۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۴۵۵)

کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں کے اندر ڈال دو لودا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکے نام لے لے کر انکو پکارا اور فرمایا اے ابوجہل بن ہشام، اے اُمیہ بن خلف، اے عُتبہ بن ربیعہ کیا تم نے وہ چیز پالی جو تمہارے ساتھ تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا بیشک میں نے وہ سب کچھ پالیا جو میرے ساتھ میرے رب نے وعدہ کیا تھا حضرت عمرؓ نے کہا۔ یارسول اللہ آپ ایسے جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں ارواح ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سُن رہے اور مُسلم کی روایت میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ اور لیکن وہ اس پر قادر نہیں کہ جواب دے سکیں۔

بقول امام ابن عبدالبر رح سماعِ موتیٰ کے قائل اکثر حضرات ہیں اور ان ہی میں امام ابن جریر الطبری رح بھی ہیں۔ اور ان سب حضرات نے اپنے دلائل

ہیں قلیب بدر والی حدیث بھی پیش کی ہے جیساکہ بیان ہو چکا ہے۔
علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رح لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اگرچہ
ان کے سماع کا انکار کیا ہے مگر وہ اس میں معذور ہیں۔

قال ابن تیمیۃ رح فی کتاب الانتصار للامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانکار عائشۃ رضؓ سماع اھل القلیب الکفار معذورۃ فیہ لعدم بلوغہا النص وغیرھا لایکون معذورًا مثلھا لان ھذہ المسئلۃ صارت معلومۃ من الدین بالضرورۃ انتھیٰ (المنحۃ الوھبیۃ ص ۱۳)

امام ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ کی نصرت میں جو کتاب لکھی ہے (جس کا نام الانتصار للامام احمدؒ ہے) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے قلیب بدر کے کفّار کے سماع کا جو انکار کیا ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہ تھیں اور ان کو یہ ارشاد نہیں پہنچا اور دوسرے اُن کی طرح معذور نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مسئلہ ضروریاتِ دین کی طرح معلوم ہو گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن تیمیہ رح سماعِ موتیٰ کے مسئلے کو ضروریاتِ دین کے مسائل میں شمار کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل ۵ امام سیوطی رح تحریر فرماتے ہیں کہ :-

واخرج العقيلي عن ابن هريرة
رضي الله تعالىٰ عنه قال قال ابو
رزين يا رسول الله ان طريقي على
الموتى فهل من كلام اتكلم به اذا
مررت عليهم قال قل السلام عليكم
يا اهل القبور من المسلمين و
المؤمنين انتم لنا سلف ونحن
لكم تبع وانا ان شاء الله بكم لاحقون
قال ابورزين يا رسول الله
يسمعون قال يسمعون ولكن لا
يستطيعون ان يجيبوا قال يا
ابا رزين الا ترضىٰ ان يرد
عليك بعددهم من الملائكة
(شرح الصدور ص۸۴ طبع مصر)

امام عقیلی رح نے حضرت ابوہریرہ رض کی اس
حدیث کی تخریج کی ہے کہ حضرت ابورزین رض نے
فرمایا۔ یا رسول اللہ میرا راستہ مُردوں کے
پاس (یعنی قبرستان) سے گزرتا ہے۔ پس کیا
مَیں ان کے پاس سے گزرتے ہوئے کوئی کلام
کیا کروں؟ آپ نے فرمایا۔ تم یہ کہو۔ سلام ہو تم
پر اے اہلِ قبور، جو مُسلمان اور مؤمن ہو۔ تم
ہمارے پیشرو ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور
ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں
حضرت ابورزین رض نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ
کیا وُہ سُنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں سنتے
ہیں مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے
آپ نے فرمایا اے ابورزین رض کیا تم اس بات
پر راضی نہیں کہ تم جتنے مرُدوں کو سلام کہو
اتنی ہی تعداد میں فرشتے تمھیں جواب دیں۔

اس حدیث سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ اہلِ قبور اپنی قبروں میں باہر سے سلام
کہنے والے کا سلام سُنتے ہیں۔ ہاں اس حدیث کے آخری حصّہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اسی حدیث کے بعد امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ :-

قوله لایستطیعون ان یجیبوا ای جوابًا یسمعه الجن والانس فهم یردون حیث لا یسمع (شرح الصدور ص۸۴)	آپ کے اس ارشاد کا کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے ، مطلب یہ ہے کہ ایسا جواب کہ جس کو جن اور انسان سن سکیں ۔ مُردے جواب تو دیتے ہیں مگر وہ (عادۃً) سُنا نہیں جاتا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے سلام سننے کے بعد اس کا جواب بھی دیتے ہیں ۔ مگر مکلّف مخلوق جن و انس (جن کو ثقلین سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس جواب کو نہیں سنتے ۔ اگر یہ عادۃً سُن لیتے تو ایمان بالغیب نہ رہتا ۔ حالانکہ یہی ان سے مطلوب و مقصود تھا کہ وہ دیکھتے اور سُنتے تو کچھ نہیں مگر بلا چُون و چرا وہ سب نصُوص پر ایمان رکھتے ہیں ۔ بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اشعث ہے جو مجہول ہے ، اور امام عقیلی رح نے کہا ہے کہ اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے (لسان ج۵ ص۸۹) بجا ہے مگر دیگر صحیح روایات اور اُمّت کا تعامل اس سے استدلال کا مؤید ہے اور یہ اس قدر کمزور نہیں کہ اس کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے اور جس مسئلہ کے اثبات کے لئے یہ حدیث پیش کی جاتی ہے وہ خود اختلافی مسئلہ ہے اور بنیادی عقائد اور حلال و حرام کے احکام سے نہیں ہے ۔

علّامہ آلوسی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

وما اخرجه العقيلي عن انهم يسمعون السلام ولا يستطيعون ردّه محمول على نفي استطاعة الردّ على الوجه المعهود الذي يسمعه الاحياء (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۰)

اور جس حدیث کی امام عقیلی رح نے تخریج کی ہے کہ مُردے سلام تو سُنتے ہیں لیکن جواب رَد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر محمول ہے کہ معہود طریقہ سے رَد کی طاقت نہیں رکھتے کہ اس جواب کو زندہ لوگ سُن سکیں۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ علامہ آلوسی رح کے نزدیک بھی یہ حدیث قابلِ قبول ہے۔ اسی لئے انھوں نے اس کو تسلیم کرکے اس کا صحیح محمل اور مطلب بیان کرنے کی زحمت اٹھائی ہے اور دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اس میں سلام کے رَد کرنے کی نفی مطلق نہیں بلکہ اس اَمر پر محمول ہے کہ مُردے ایسے انداز سے سلام کا جواب لوٹاتے ہیں کہ متعارف اور معتاد طریقہ پر زندہ لوگ اس کو نہیں سُن سکتے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رح تحریر فرماتے ہیں :۔

سوال نوزدہم سماعتِ موتیٰ سلام زائر در شرع آمدہ یا نہ؟ جواب سماعتِ موتیٰ سلام زائر را در شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری رح از سیوطی رح نقل نمودہ ھکذا عبارتہ قال السیوطی رح واخرج العقیلی عن ابی ھریرۃ رض اخرج (ما ُتہ

انیسواں[19] سوال۔ کیا قبور کی زیارت کرنے والے کے سلام کو مُردوں کے لئے سُننے کا ثبوت شریعت سے ثابت ہے یا نہیں؟ جواب۔ مُردوں کا زیارت کرنے والے کے سلام کے سُننے کا ثبوت ملا علی قاری رح نے شرح مشکوٰۃ میں امام

مسائل ص۳۴) سیوطی رح سے نقل کیا ہے اور امام سیوطی رح کی عبارت اس طرح ہے کہ امام عقیلی رح نے حضرت ابوہریرہ رض سے حدیث کی تخریج کی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے وہ پوری حدیث نقل کی ہے جو اوپر شرح الصدور کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔ اس سے بصراحت معلوم ہوا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رح بھی مُردوں کے لئے سماع سلام کے قائل ہیں اور اسی کو فی الجملہ سماع کہا جاتا ہے۔ مؤلف ندائے حق نے ص۱۵۳ میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رح کو بھی مطلقاً منکرینِ سماعِ موتیٰ میں شمار کیا ہے جو قطعاً غلط ہے۔

نوٹ: ان کے اس ارشاد کی تحقیق کہ نزد اکثر حنفیہ سماعت موتیٰ ثابت نیست الخ اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

چھٹی دلیل | امام ابوبکر بن ابی شیبہ رح (جن کا نام عبداللہ تھا اور وہ الحافظ، عدیم النظیر، الثبت اور النحریر تھے۔ ۲۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص۱۸) فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ رح بن موسیٰ رح نے بیان کیا (یہ صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص۵۲) وہ ابن ابی ذئب رح سے روایت کرتے ہیں (ان کا نام محمد رح بن عبدالرحمٰن رح بن المغیرہ رح تھا۔ یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں تھے اور ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص۳۰۳) وہ قرہ رح سے روایت کرتے ہیں (یہ قرہ رح بن خالد سدوسی رح ہیں جن سے صحاح ستہ کے جملہ مصنفین نے

روایت لی ہے اور وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۷۲) اور وہ عامر رح بن سعد رح سے روایت کرتے ہیں (علامہ ابن سعد رح فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ابن حبان رح ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور محدث عجلی رح فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۴) وہ اپنے والد ماجد حضرت سعد رض ابن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ :-

انہ کان یرجع من ضیعتہ فیمر بقبور	وہ جب اپنی زمین اور کھیتی سے واپس
الشھداء فیقول السلام علیکم وانا	آتے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے
بکم للاحقون ثم یقول لاصحابہ	تو فرماتے السلام علیکم اور بے شک ہم بھی
الا تسلمون علی الشھداء فیردون	تم سے ملنے والے ہیں۔ پھر اپنے ساتھیوں
علیکم (مصنف ابن ابی شیبہ	سے فرماتے کہ کیا تم شہداء کو سلام نہیں کہتے
ج ۴ ص ۱۳۸ طبع ملتان وشرح الصدور ص ۹۴ طبع مصر)	تاکہ وہ تمہیں تمہارے سلام کا جواب لوٹائیں

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد رض بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر، صاحب منقبت اور مستجاب الدعوات صحابی تھے ان کا بھی یہ نظریہ تھا کہ شہداء زندوں کا سلام سنتے اور ان کو جواب دیتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے وہ صریح اور صحیح حدیثیں تھیں جن میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں کو سلام کہنے اور ان کی طرف سے جواب لوٹانے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تمام احادیث اپنی حقیقت پر محمول ہیں تو پھر جلیل القدر صحابی ان کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے؟

ساتویں دلیل

پہلے یہ بات بحوالۂ فتاویٰ رشیدیہ عرض کی جاچکی ہے کہ تلقین میّت میں حنفیہ باہم مختلف ہیں۔ جو گروہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہے وہ تلقین کا بھی قائل ہے اور چونکہ دفن کے بعد بہت سی روایات اثباتِ سماع کرتی ہیں لہٰذا تلقین میّت اسی پر مبنی ہے (محصلہ) اور یہ تلقین اسی وجہ سے ہے کہ میّت قبر میں سُنتی ہے ورنہ یہ کارروائی بیکار ہے۔ علّامہ ابراہیم حلبی الحنفی رح (المتوفی ۹۵۶ھ) کہتے ہیں کہ :-

وانما لاینہیٰ عن التلقین بعد الدفن لانہ لاضرر فیہ بل فیہ نفع فان المیّت یستأنس بالذکر علیٰ ما ورد فی الاٰثار (فی صحیح مسلم عن عمرو رضؓ بن العاص اھ (غنیۃ المستملی طبع دیوبند ص۵۳۳)	بلاشبہ دفن کے بعد تلقین سے نہ منع کیا جائے کیونکہ اس سے ضرر تو کچھ ہے نہیں بلکہ اس میں فائدہ اور نفع ہے کیونکہ میّت ذکر سے مانوس ہوتی ہے جیساکہ آثار میں آیا ہے چنانچہ صحیح مُسلم میں حضرت عمرو رضؓ بن العاص سے روایت ہے

اِس کے بعد انھوں نے مُسلم کی روایت بھی نقل کی ہے اور اس کے علاوہ کچھ اور آثار بھی نقل کئے ہیں۔ چنانچہ مُسلم کی اس روایت کے آخر میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عمرو رضؓ بن العاص فاتح مصر (المتوفی ۴۳ھ) نے فرمایا کہ

فاذا دفنتمونی فَسُنُّوا علیّ التراب سنًّا ثم اقیموا حول قبری قدرما	جب تم مجھے دفن کرچکو تو مجھ پر مٹی ڈالو پھر میری قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہرے رہو،

تنحر جزور و يقسم لحمها حتیٰ استأنس بکم وانظر ماذا اراجع به رُسل ربی (مسلم ج ۱ ص ۷۶ واللفظ له وابو عوانه ج ۱ ص ۷۱)

جس میں اُونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہو تاکہ میں تمھاری وجہ سے مانوس ہو کر سوچ سکوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔

اس کتاب کے ص ۲۸ تا ۳۰ میں حافظ ابن تیمیہؒ، شیخ بدر الدین البعلیؒ اور کتاب الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ کے حوالوں سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ قبر کے پاس حاضر ہونے والے کو صاحب قبر جانتا اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور دفن کے بعد قبر پر ٹھہرنا اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا ثابت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ التثبت فانہ الاٰن یسئل (ابو داوٗد ج ۲ ص ۱۰۳ ومشکوۃ ج ۱ ص ۲۶)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہوگا۔

یہ سب باتیں صاحب قبر کے احساس و شعور پر دال ہیں ورنہ قبر کے پاس دعا کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ دعا دور سے بھی پہنچتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رح (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ :-

واخرج الطبرانی فی الکبیر وابن

امام طبرانی رح نے معجم کبیر میں اور اسی طرح

منده عن ابی امامۃ رض عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا مات احد من اخوانکم فسویتم علیہ التراب فلیقم احدکم علیٰ رأس القبر ثم لیقل یا فلاں بن فلانۃ فانہ یسمعہ ولا یُجیبُ اھ (شرح الصدور ص۴۴ - و مختصر تذکرۂ قرطبی رح ص۳۱ وقال الحافظ فی التلخیص ج ۲ ص۱۳۵ و اسنادہٗ صالح وقد قواہ الضیاء فی احکامہٖ اھ)

حافظ ابن مندہ رح نے حضرت ابو امامہ رض کی اس روایت کی تخریج کی ہے - آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب تمھارے بھائیوں میں سے کوئی فوت ہو جائے اور تم اس پر مٹی ڈال کر قبر درست کر چکو تو تم میں سے ایک اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر یہ کہے - اے فلاں فلانہ کے بیٹے کیونکہ بلاشک وہ سُنتا ہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتا (جس کو تم سُن سکو) اس کی اسناد صالح ہے اور محدّث ضیاء رح نے احکام میں اس کو قوی بتایا ہے -

اگرچہ اس حدیث کی بعض محدثین کرام رح نے تضعیف کی ہے لیکن حافظ ابن حجر رح اس کی سند کو صالح کہتے ہیں اور مشہور محدّث ضیاء الدین ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی رح (المتوفی ۶۴۳ھ) جو الامام العالم الحافظ الحجۃ اور محدّث شام تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۹۰) علامہ برزالی رح ان کو ثقۃ جبل حافظ دین اور امام ابن النجار رح ان کو حافظ متقن حجۃ عالم بالرجال کہتے ہیں (ایضاً ص۱۹۱) بھی اس حدیث کو قوی کہتے ہیں اور اس کے بعد حافظ ابن حجر رح التلخیص میں کہتے ہیں کہ اس کے کئی شواہد موجود ہیں -

(ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۱۳۶) اور پھر جمہور اُمت کے اس پر عمل سے اس کو تقویت حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم الحنبلی رح لکھتے ہیں کہ :۔

ویدل علی هذا ایضاً ما جری علیه عمل الناس قدیماً الی الآن من تلقین المیت فی قبره ولولا انه یسمع ذلك وینتفع به لم یکن فیه فائدة وکان عبثاً وقد سئل عنه الامام احمد رحمه الله تعالیٰ فاستحسنه واحتج علیه بالعمل ویروی فیه حدیث ضعیف ذکره الطبرانی فی معجمه من حدیث ابی امامة رض الیٰ ان قال فهذا الحدیث وان لم یثبت فاتصال العمل به فی سائر الامصار والاعصار من غیر انکار کاف فی العمل

اور قبر میں میت کی تلقین کے جواز کی اس کارروائی پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ قدیم سے اس وقت تک لوگوں کا عمل اس پر چلا آرہا ہے اور اگر مُردہ اس کو نہ سنتا ہو اور اس سے اس کو فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو یہ ایک بے فائدہ اور عبث کارروائی ہوگی اور امام احمد رح سے اس بارے میں سوال ہُوا تو انھوں نے اس کو مستحسن سمجھا اور اس پر انھوں نے دلیل یہ پیش کی کہ اس پر بدستور عمل چلا آرہا ہے اور اس سلسلہ میں ایک ضعیف حدیث بھی مروی ہے جس کا امام طبرانی رح نے اپنے معجم میں حضرت ابو امامہ رض سے ذکر کیا ہے (اس کے بعد انھوں نے یہی روایت نقل کی جو ہم نے ابھی شرح الصدور وغیرہ کے حوالہ سے عرض کی ہے۔ اس کے بعد

به وما اجری الله سبحانه	لکھتے ہیں) پس یہ حدیث اگرچہ ثابت[1] نہیں
العادة قط بان امة طبقت	(لیکن حدیث حسن سے بھی جمہور کے نزدیک
مشارق الارض ومغاربها	احتجاج درست ہے اور بقول حافظ ابن حجرؒ یہ
وهی اکمل الامم عقولاً واوفرها	روایت صالح ہے کما مرّ) لیکن تمام شہروں
معارف تطبق علی مخاطبة من	اور سب زمانوں میں بغیر انکار کے اس پر عمل
لا یسمع ولا یعقل وتستحسن	کا اتصال اس پر عمل کے لئے کافی ہے اور اللہ
ذلك ولا ینکره منها منکر بل	تعالیٰ کی یہ عادت کبھی جاری نہیں رہی کہ تمام
سنه الاول للآخر ویقتدی	اُمتوں سے عقل کے لحاظ سے بہتر اُمت اور
فیه الآخر بالاول اھ (کتاب	وافر معارف سے شناسا اُمت زمین کے مشرق
الروح ص۱۴ طبع دائرة	سے مغرب تک اس پر متفق ہو جائے کہ وہ ایسی
المعارف حیدر آباد دکن)	ذات کو مخاطب بنائے کہ نہ تو وہ سُنتی ہے اور نہ
	جانتی ہے اور پھر اس کو وہ اچھا بھی سمجھے اور
	کوئی مُنکر اس کا انکار بھی نہ کرے بلکہ پہلا اس کو

---

[1] حافظ ابن حجرؒ نتائج الافکار ص میں لکھتے ہیں کہ :-

لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت	نفیِ ثبوتِ حدیث سے اسکا ضعف ثابت
الضعف لاحتمال ان یراد بالثبوت	نہیں ہوتا کیونکہ احتمال ہے کہ ثبوت سے
الصحة فلا ینتفی الحسن اھ	صحت مُراد ہو (یعنی یہ حدیث صحت کو نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

بعد میں آنے والے کے لئے مسنون قرار دے
اور بعد کو آنے والا پہلے کی اقتداء کرے۔

حافظ ابن القیم رح نے زاد المعاد ج۱ ص۱۴۵ طبع مصر میں اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا رفع صحیح نہیں لیکن امام اثرم رح نے جب امام احمد رح سے اس کارروائی کا ثبوت طلب کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اہلِ شام (جو اس وقت سنت کا مرکز تھا) ایسا کرتے ہیں (محصلہ) یعنی حدیث کے ضُعف کو تعامل سے پُورا کیا۔

حافظ ابن القیم رح کی یہ عبارت بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ چند یہ ہیں:۔

(۱) امام اہل السنت والجماعت حضرت احمد بن حنبل رح بھی تلقین میّت کے قائل تھے بلکہ وہ اس کو مستحسن سمجھتے تھے۔ (۲) حافظ ابن القیم رح کے دَور تک (جن کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی) قدیم سے تمام شہروں اور سب زمانوں میں اس پر اُمت کا تعامل چلا آ رہا ہے۔ (۳) بلکہ بقول ان کے مشرق سے مغرب تک اس پر اُمت کا اتفاق رہا ہے (۴) اور کسی مُنکر نے اس کا انکار نہیں کیا (۵) یہ حدیث اگرچہ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

پہنچتی) تو اس سے حسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رح کے اس فنی نقطہ سے معلوم ہُوا کہ نفیِ ثبوت سے ثبوتِ ضعف لازم نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث صحت کو تو نہ پہنچتی ہو لیکن حسن کے درجہ کو پہنچ جائے اور اسی کو صالح سے تعبیر کر لیا گیا ہے اور حسن حدیث بھی جمہور کے نزدیک قابلِ احتجاج ہے۔

ثابت نہیں مگر اُمّت کے تعامل سے اس کا اعتبار ہے۔

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو علّامہ آلوسی رحؒ نے عبید بن مرزوق کے مرسل سے ابوالشیخ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ ایک عورت مسجدِ نبوی میں جھاڑو دیتی تھی۔ اس کی وفات ہوگئی اور آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اس کی وفات کا علم نہ ہو سکا۔ وہ دفن ہو چکی اور آپ اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ یہ قبر کس کی ہے؟

فقالوا ام محجن قال علیہ السلام التی کانت تقم المسجد؟ قالوا نعم فصف الناس فصلّی علیہا فقال علیہ السلام ایّ العمل وجدت افضل؟ قالوا یارسول اللہ أ تسمع؟ قال علیہ السلام ما انتم باسمع منہا فذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہا اجابتہ قم المسجد (روح المعانی ج ۲۱ ص ۷۹)

حضرات صحابۂ کرام رضؓ نے عرض کیا کہ یہ ام محجن رضؓ کی قبر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی؟ انھوں نے کہا ہاں حضرت وہی لوگوں نے صف باندھی اور آپ نے اُس کا جنازہ پڑھایا (جو آپ کی خصوصیت تھی یا اس کے لئے اجتماعی صورت میں دُعا کی) آپ نے اس بی بی سے دریافت کیا کہ تُو نے کون سا عمل افضل پایا؟ حضرات صحابہ کرام رضؓ نے کہا یارسُول اللہ! کیا وہ سُنتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اُس سے زیادہ نہیں سُن رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اُس نے جواب یہ دیا ہے کہ

میں نے مسجد کی صفائی افضل عمل پایا۔

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل کے بارے میں حضرات محدثین کرام رح کا فیصلہ یہ ہے۔ علامہ جزائری رح فرماتے ہیں کہ مراسیل سے گزشتہ زمانے میں علماء احتجاج کیا کرتے تھے۔ مثلاً امام سفیان ثوری رح، امام مالک رح اور امام اوزاعی رح۔ جب امام شافعی رح آئے تو انھوں نے مرسل کی حجیّت میں کلام کیا (توجیہ النظر ص۲۴۵) امام نووی رح فرماتے ہیں کہ امام مالک رح، امام ابو حنیفہ رح، امام احمد رح اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابلِ احتجاج ہے اور امام شافعی رح کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہو گا۔ مثلاً یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے۔ وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض صحابہ کرام رض یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو (مقدمہ نووی رح بر شرح مسلم ص۱۷) اور یہاں تقویت کے تمام اسباب موجود ہیں۔ اسی مضمون کی مسند روایت (بلکہ کئی روایات) بھی موجود ہے۔ حضرت سعد رض بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر صحابی رض (اور اسی طرح بعض دیگر حضرات صحابہ کرام رض کا بھی اس پر عمل تھا کما مرّ) اور اُمّت کی اکثریت کا بھی اس پر عمل ہے جیسا کہ اس کتاب سے واضح ہے۔ اور یہ کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہے اور چونکہ صحیح روایات سے عام مُردوں کے سماع کا ثبوت ہے لہٰذا اس کو آپ کی خصوصیّت پر حمل کرنا بھی درست نہ ہوگا جیسا کہ بعض کوتاہ فہم لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رح سے میّت کی تلقین کے بارے میں سوال کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں

الجواب هذا التلقين المذكور قد ثبت عن طائفة من الصحابة رض انهم امروا به كابي امامة الباهلي وغيره وروى فيه حديث عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لكنه مما لا يحكم بصحته ولم يكن كثير من الصحابة رض يفعل ذلك فلهذا قال الامام احمد رح وغيره من العلماء ان هذا التلقين لا بأس به فرخصوا فيه ولم يأمروا به واستحبه طائفة من اصحاب الشافعي رح واحمد رح وكرهه طائفة من العلماء من اصحاب مالك رح وغيرهم الى ان قال فلهذا اقيل ان التلقين	الجواب۔ یہ مذکور تلقین حضرات صحابہ کرام رض کے ایک طائفہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے اس کا حکم دیا ہے۔ جیسے حضرت ابو امامہ الباہلی رح وغیرہ اور اس میں آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے ایک روایت بھی مروی ہے لیکن اس کی صحت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور حضرات صحابہ کرام رض کی اکثریت یہ کارروائی نہیں کرتی تھی اس لئے حضرت امام احمد رح وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ اس تلقین میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سو ان حضرات نے اس کی اجازت دی ہے اور (تاکیدی) حکم نہیں دیا۔ اور اس کو امام شافعی رح اور امام احمد رح کے اصحاب میں سے ایک طائفہ نے مستحب قرار دیا ہے، اور حضرت امام مالک رح کے اصحاب میں سے علماء کے ایک طائفہ اور دوسرے حضرات نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (آگے فرمایا) سو

ينفعه فان الميّت يسمع النداء كما ثبت فى الصحيح عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انه قال انه يسمع قرع نعالهم وانه قال ما انتم باسمع لما اقول منهم وانه امرنا بالسلام على الموتىٰ فقال ما من رجل يمر بقبر الرجل كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الّا ردّ الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام والله تعالىٰ اعلم
(فتاوىٰ ابن تيمیہ ج ا ص۲۸۹)

اسی لئے کہا گیا ہے کہ تلقین مُردے کو نفع دیتی ہے کیونکہ وہ آواز کو سنتا ہے۔ جیساکہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے ثابت ہے کہ مُردہ لوگوں کی جُوتیوں کی آواز سنتا ہے اور نیز آپ نے فرمایا کہ مَیں جو کچھ ان سے کہتا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے اور نیز آپ نے ہمیں مُردوں پر سلام کہنے کا حکم دیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ تم میں جو شخص بھی کسی ایسے آدمی کی قبر سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی رُوح (یعنی توجہ) کو اس پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہے۔ وَاللہُ تعالےٰ اعلم۔

تعامل کی وجہ سے ضعیف حدیث دَرجۂ قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

حضرت مولانا سیّد محمّد انور شاہ صاحب رح لا وصیۃ لوارث کی تحقیق کرتے ہُوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وهذا الحديث ضعيف بالاتفاق مع ثبوت حكمه بالاجماع

یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے حالانکہ اس کا حکم بالاجماع ثابت ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں :-

وبحث فیه ابن القطان ان الحدیث الضعیف اذا انعقد علیه الاجماع هل ینقلب صحیحًا اولا؟ والمشهور الآن عند المحدثین انه یبقی علیٰ حاله والعمدة عندهم فی هذا الباب هو حال الاسناد فقط فلا یحکمون بالصحة علیٰ حدیث فی اسناده راوٍ ضعیف وذهب بعضهم الیٰ ان الحدیث اذا تأید بالعمل ارتقیٰ من حال الضعف الیٰ مرتبة القبول قلت وهو الا وجه عندی وان کبر علیٰ المشغوفین بالاسناد فانی قد بلوت حالهم فی تجازفهم

امام ابن القطان رح نے اس پر بحث کی ہے کہ کیا ضعیف حدیث جب اس پر اجماع منعقد ہو جائے، صحیح بن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس وقت محدثین میں مشہور یہی ہے کہ وہ اپنے حال پر باقی رہے گی اور ان کے نزدیک اس باب میں مدار صرف اسناد کے حال پر ہے تو وہ کسی ایسی حدیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے جس میں کوئی ضعیف راوی ہو۔ اور بعض محدثین اس طرف گئے ہیں کہ ضعیف حدیث جب عمل سے مؤید ہو جائے تو وہ ضعف کی حالت سے نکل کر درجۂ قبولیت تک پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی بات زیادہ درست ہے اگرچہ یہ بات ان لوگوں پر شاق

و تمسكهم في هذا الباب و اعتبار الواقع عندي اولیٰ من المشی علی القواعد وانما القواعد للفصل فيمالم ينكشف امرہ من الخارج علی وجهه فاتباع الواقع اولی والتمسك به احری انتهی (فیض الباری ج ۳ ص ۴۰۹)

گزرے گی جو صرف اسناد پر فریفتہ ہیں میں نے ان لوگوں کا حال اس باب میں ان کے تخمینہ اور ان کی چشم پوشی و سہل انگاری اور انکی سخت گیری سے بخوبی آزمایا ہے اور میرے نزدیک واقع کا اعتبار رہنے قواعد پر چلنے سے زیادہ بہتر ہے قواعد تو صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ جس چیز کی حقیقت خارج سے پوری طرح منکشف نہیں ہوئی قواعد سے کھل جائے۔ سو واقع کی پیروی اور اس سے تمسک اولیٰ اور زیادہ مناسب ہے

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اسناد کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اسناد کا بڑا دخل ہے اگر اسناد نہ ہو تو جس کا جو جی چاہے گا کہہ ڈالے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر کسی حدیث میں کوئی راوی ضعیف ہو (یہ یاد رہے کہ کذاب و وضاع وغیرہ راوی کی بات نہیں ہو رہی، صرف اُس راوی کی بات ہو رہی ہے جس کا ضعف محدثین کرام رح کے نزدیک قابلِ برداشت ہے) لیکن اس **ضعیف** حدیث پر اُمت کا اجماع ہو یا اکثریت کا تعامل ہو تو محض روات پرستی کی وجہ سے تعاملِ اُمت سے نظر پھیر کر اس حدیث کو ضعیف کہہ کر دل کی تسکین حاصل کر لینا (جیسا کہ مؤلف

ندائے حق و شفاء الصدور اور اقامۃ البرہان وغیرہ نے یہ وتیرہ اختیار کر رکھا ہے)

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک بالکل غلط ہے اور صرف اسی فنی وجہ سے تعامل اور توارث اُمّت سے اغماض کرنا صحیح نہیں ہے اور یہی کچھ حافظ ابن القیمؒ نے کہا ہے۔

قاضی شوکانی رحؒ ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ثم حکم ابن عبد البرؒ مع ذٰلك بصحتهٖ لتلقي العلماء له بالقبول فرده من حيث الاسناد وقبله من حيث المعنٰى اھ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵)

پھر امام ابن عبدالبرؒ نے باوجود اس کے کہ اس حدیث کی سند کمزور ہے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کرکے اس پر عمل کیا ہے۔ الغرض امام ابن عبدالبرؒ نے سند کے لحاظ سے اس کو رَدّ کیا ہے اور معنیٰ کے لحاظ سے اس کو قبول کیا ہے۔

اس سے بھی معلوم ہُوا کہ علماءِ اُمّت کا تعامل بھی ایک بڑی شئے ہے اور اس سے بھی صرفِ نظر نہیں کی جا سکتی اور ایسے فروعی مسائل میں ادلۂ قطعیّہ کی حاجت بھی نہیں ہوتی، فی الجملہ دلائل درکار ہوتے ہیں اور بحمداللہ تعالےٰ اس مسئلہ میں وہ سب موجود ہیں۔

قاضی شوکانیؒ ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

فالاحکام الفرعیّة لاتشترط فيها الادلة القطعية اھ (نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۸۴)

احکامِ فرعیّہ کے لئے ادلۂ قطعیہ شرط نہیں ہے۔

فقیہ کبیر امام الفقہاء حسن رح بن منصور رح المعروف بقاضی خان (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وان قرأ القرآن عند القبور ان نوی بذلك ان یؤنسهم صوت القرآن فانه یقرأ فان لم یقصد ذلك فالله تعالیٰ یسمع قرأة القرآن حیث كانت (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۷۹۱ طبع نولکشور لکھنؤ)	اگر کسی شخص نے قبور کے پاس اس نیت سے قرآن کریم پڑھا کہ اس کے قرآنِ کریم پڑھنے کی آواز سے مردے مانوس ہوتے ہیں تو بلاشک وہ پڑھے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ قرآن کریم کی قرأت کو سنتا ہے۔ (تو پھر قبور کے پاس پڑھنے کی کیا ضرورت ہے ؟)

اور یہ عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۷۷ طبع مصر میں بھی ہے۔ علماء کرام جانتے ہیں کہ فتاویٰ عالمگیری کو حضرت سلطان اورنگ زیب رح (المتوفی ۱۱۱۸ھ) کے زمانہ میں پانچ سو جیّد علماء کرام نے مدوّن اور مرتب کیا ہے۔ اگر مُردے فی الجملہ نہیں سنتے، تو قبروں کے پاس قرآن کریم پڑھنے والوں کی آواز سے مُردوں کے مانوس ہونے کا کیا مطلب ہے ؟ ان کا قرآن کریم کی آواز سے مانوس ہونا تو صرف اسی صورت میں متحقق ہو سکتا ہے کہ وہ قبور کے پاس قرآن پڑھنے والوں کی آواز کو سنتے ہوں اور سن کر اس سے مانوس اور منتفع ہوں۔ صوت القرآن کے الفاظ اس عبارت میں صراحۃً موجود ہیں۔ لہٰذا اس کی یہ تاویل کرنا جیسا کہ شفاء الصدور ص ۹۵ میں کی گئی ہے کہ جیسے سرسبز درختوں اور پودوں سے میّت کو فائدہ ہوتا ہے اسی طرح بغیر

سننے کے قرآن کریم سے بھی وہ فائدہ اٹھاتا ہے، سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے۔
حافظ ابن الھمام رحہ نے تلقین میّت کے بارے میں خاصی بحث کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

واما التلقین بعد الموت وھو فی القبر فقیل یفعل لحقیقتہ ماروینا ونسب الی اھل السنۃ والجماعۃ وخلافًا الی المعتزلۃ وقیل لایؤمر بہ ولا ینھٰی عنہ الیٰ ان قال وقد یختار الشق الاول والاحتیاج الیہ فی حق التذکیر لتثبیت الجنان للسوال فنفی الفائدۃ مطلقا ممنوع نعم الفائدۃ الاصلیۃ منتفیۃٌ الیٰ ان قال الا انہ علےٰ ھذا ینبغی التلقین بعد الموت لانہ یکون حین ارجاع الروح فیکون لفظ موتاکم فی حقیقتہ وھو قول طائفۃ من المشائخ

بہر حال مرنے کے بعد جبکہ میّت قبر میں ہو اس کی تلقین کے بارے میں اختلاف ہے سو کہا گیا ہے کہ یہ کارروائی کی جائے اس حقیقت کی بنا پر، جس پر ہم نے روایت نقل کی ہے۔ اور یہ بات اہل السّنت والجماعۃ کی طرف نسبت کی گئی ہے اور اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ تو اس کا حکم دیا جائے اور نہ اس سے منع کیا جائے (آگے فرمایا) اور بلا شک پہلی شق کو اختیار کیا گیا ہے اور میّت کو یاددہانی کرانے کے لئے اس کی حاجت بھی ہے تاکہ اس کا دل سوال کے وقت ثابت رہے اس لئے تلقین کے فائدہ کی مطلقاً نفی کرنا ممنوع ہے۔ ہاں اصلی فائدہ (کہ تکلیفی زندگی

او هو مجاز باعتبار ما کان نظرًا الیٰ انه الآن حی اذ لیس معنی الحی الا من فی بدنه الروح اھ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۶ و ص ۴۴۷)

کی طرح سُن کر قبول کرے) منتفی ہے (آگے فرمایا) ہاں اس لحاظ سے مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد تلقین کی جائے کیونکہ وہ رُوح کے لوٹائے جانے کے بعد ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں حدیث میں لفظ موتاکم حقیقت پر محمول ہو گا (قریب المرگ کے معنی میں نہ ہوگا) اور مشائخ میں سے ایک گروہ کا یہی قول ہے یا یہ مجاز ہے۔ اس سے کہ اعادۂ رُوح سے پہلے مُردہ تھا کیونکہ اس وقت تو وہ زندہ ہے اس لئے کہ زندہ کا معنیٰ اس کے بغیر اور کوئی نہیں کہ اس کے بدن میں رُوح ہو (اور یہاں ایسا ہی ہے)

مشہور فقیہ علامہ سیّد محمد امینؒ بن عمرُ الحنفی الشامیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وانما لا ینهی عن التلقین بعد الدفن لانه لا ضرر فیه بل فیه نفع اھ (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۹۶)

یقینی بات ہے کہ دفن کے بعد تلقین سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں نقصان تو کوئی ہے نہیں بلکہ اس میں (میّت کا) فائدہ اور نفع ہی ہے۔

سابق مفتیٔ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحؒ سے سوال ہُوا کہ" بعد دفن کے تلقین کرنا جائز ہے یا نہ ؟ اگر جائز ہے تو کس طرح ؟" اس کا جواب وہ یوں ارشاد فرماتے ہیں :۔

الجواب : تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز لکھا ہے (فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۳۹۲) ۔

فائدہ : قبر پر قرآنِ کریم پڑھنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرام رح کا اختلاف ہے ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح اور حضرت امام ابو یوسف رح کا مسلک یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں لیکن حضرت امام محمد رح اس کے جواز کا حکم دیتے ہیں ۔ اور فتویٰ اسی پر ہے ۔ چنانچہ امام السید احمد الطحطاوی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

قوله ثم لا يعود على المسلمين ۔	ان کا قول ثم لا یعود علی المسلمین اس میں کوئی
لم يصح فيه حديث كما ذكره	بھی حدیث صحیح نہیں ہے جیسا کہ ملا علی بن القاری رح
ملا علیؒ فی بعض كتبه واخذ	نے اپنی بعض کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس
من ذلك جواز القراءة على	سے قبر پر قرأت کا جواز اخذ کیا گیا ہے اور مسئلہ اختلافی
القبر والمسألة ذات خلافٍ	ہے ۔ امام صاحب رحؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے ۔
قال الامام تكره لان اهلها	کیونکہ اہلِ قبور مُردے ہیں اور ان کے نزدیک
جيفة ولم يصح فيها شئ	اس میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے
عنه عنه صلى الله تعالىٰ	کوئی چیز ثابت نہیں ہے اور امام محمد رحؒ فرماتے ہیں
عليه وسلم وقال محمد تستحب	کہ یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں آثار (واحادیث)

لورود الآثار وھو المذھب المختار کما صرحوا بہ فی کتاب الاستحسان انتہٰی (طحطاوی ص ۳۴۱)

وارد ہیں اور یہی مختار مذہب ہے جیساکہ حضرات فقہاء کرام رح نے کتاب الاستحسان میں اس کی تصریح کی ہے۔

عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف رح نے امام محمد رح کا قول لیا ہے کہ عند القبر قرآن کریم پڑھنا درست ہے اور البحر الرائق ج ۱ ص ۲۸۴ میں ہے کہ والفتوٰی علیٰ قول محمد رح۔ امام نووی رح شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴۱ میں اور علامہ عینی رح عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۷۹ میں اور حافظ ابن حجر رح فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۷ میں لکھتے ہیں کہ قبر پر کھجور کی ٹہنیاں (جریدتین) رکھنے سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عند القبر قراۃ قرآن اور تسبیح وغیرہ سے تخفیفِ عذاب ہوتی ہے۔

بَابُ دَوم

مُنکرینِ سماعِ موتیٰ کے دلائل

پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رض کے زمانہ سے تاہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔ اس مسئلہ میں خود حضرات فقہاء احناف رح اور نیز ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا آپس میں بھی اختلاف ہے۔ جو حضرات سماعِ موتیٰ کا انکار کرتے ہیں، اصولی طور پر اُن کی تین دلیلیں ہیں۔ (۱) ظاہر نصوصِ قرآنیہ۔ (۲) اقوال حضرات فقہاء کرام رح اور (۳) قیاسی د

عقلی دلیل۔ عقلی اور قیاسی دلیل کا، جو اَب چودھویں صدی میں ایجاد کی گئی ہے، تانا بانا اور کائنات صرف اتنی ہی ہے کہ رُوح کے بدن سے کُلی طور پر انقطاع کے بعد بے حساب مٹی کے ڈھیر کے نیچے قبر میں جبکہ نہ کوئی دروازہ ہے اور نہ دریچہ، عقل کیسے باور کر سکتی ہے کہ بیرُونی آواز مُردہ سُن سکتا ہے؟ جبکہ بسا اوقات بند کمرہ میں بیٹھا ہوا زندہ شخص بھی کمرہ سے باہر والوں کی آواز کو نہیں سُنتا۔ مگر اربابِ فہم و بصیرت پر مخفی نہیں کہ یہ ایک بڑا عقلی ڈھکوسلہ ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ صحیح مشہور بلکہ متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ قبر میں جسم کی طرف رُوح لوٹائی جاتی ہے اور جسم کا رُوح سے تعلّق قائم کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اُس کو ادراک و شعور حاصل ہوتا ہے اور اسی تعلق اور ادراک و شعور کی وجہ سے مُردہ سلام و کلام وغیرہ سُنتا ہے و ثانیاً سماعِ موتیٰ کی صحیح حدیثیں پہلے باحوالہ پیش کی جا چکی ہیں جو اپنی حقیقت پر محمول ہیں جیسا کہ جمہور شرّاحِ حدیث کی تشریح اور تفسیر سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے اور یہ طے شُدہ بات ہے کہ نص کے مقابلہ میں قیاس مردُود ہوتا ہے لہٰذا ان صحیح و صریح احادیث کے مقابلہ میں غیر معصوم اور غیر مجتہد کے اس بے وزن قیاس کی شرعاً کیا وقعت ہو سکتی ہے جس کے متعلق صرف اتنی ہی گزارش کافی ہے کہ ؏

خویش را تاویل کُن نے ذِکر را

ظاہرِ نصوص سے عہدِ حاضر کے مجتہدین حضرات نے جو استدلال کیا ہے

اصولی طور پر دو طرح کا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمام آیات ان حضرات کے نزدیک مسئلہ عدم سماعِ موتی پر ان کا مستدل ہیں جن میں غیر اللہ کو سفارشی بنانا اور ان کی عبادت کرنا اور غیر اللہ کو پکارنا اور اس کے نتیجہ میں ان کا اس عبادت اور پکار سے غافل اور بے خبر و لاعلم رہنا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت کریمہ

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِندَ اللّٰهِ (پ ۱۱۔ یونس رکوع)

اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے اُن کو اور نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔

کہتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ سے عِند القبور استشفاع اور علی الخصوص آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مغفرت کی سفارش کرنا ممنوع ثابت ہو رہا ہے کیونکہ یہی صورت اس منھی عنہ حکم میں داخل ہے۔

الجواب: اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ اس سے بُت (اصنام و اوثان) مُراد ہیں۔ جیساکہ تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۸۰، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۸۰، بر حاشیہ خازن تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۶، رُوح المعانی ج ۱۱ ص ۸۹ وغیرہ تفسیروں میں مذکور ہے۔ اس تفسیر پر تو قطعاً کوئی اعتراض و اشکال وارد نہیں ہوتا دُوسری تفسیر یہ ہے کہ مِن دونِ اللہ سے اصنام و اوثان کے علاوہ فرشتے اور حضرت مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وغیرہ حضرات بھی مُراد ہوں۔ جیساکہ رُوح المعانی

ج ۱ اصـ ۸۸ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس تفسیر پر بظاہر اشکال ہوگا مگر حقیقت میں کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ اس سے ایسی سفارش مراد ہے جو غائبانہ اور دور سے ہو۔ کیونکہ اس میں غیر اللہ کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب ماننا لازم آتا ہے جو ناجائز اور شرک ہے اور اسی صورت کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مَنْ قَالَ ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر سے تعبیر کیا ہے، رہی قبر کے پاس قریب سے سفارش کی درخواست کرنا تو یہ اس مد میں ہرگز نہیں۔ کیونکہ قریب سے کسی کی درخواست و التجاء کو سن کر غیر اللہ کی اللہ تعالٰی کے ہاں سفارش اگر اس میں داخل ہو اور شرک ہو تو زندہ سے بھی دعا کی التجاء کرنا شرک ہوگا۔ کیونکہ کوئی بھی بزرگ ہو، بہر حال وہ من دون اللہ میں داخل ہے، تو چاہئے کہ زندہ بزرگ کو دعا کے سلسلہ میں اللہ تعالٰی کے ہاں سفارشی بنانا بھی شرک ہو اور هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُنَا عِنْدَ اللّٰهِ کا مصداق ہو۔ حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور امتِ مسلمہ کا تعامل اس پر مستزاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس لوگ دعا کی درخواست لے کر آتے تھے اور آپ اللہ تعالٰی کے ہاں ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ایک لمبے قد اور کالے رنگ والی بی بی (حضرت ام زفر سعیرہ الاسدیہ رض) آئیں اور انھوں نے آپ سے مرگی کے دورہ کا شکوہ

کیا اور پھر کہا فادعُ اللہ ۔ حضرت آپؐ میرے لئے اللہ تعالےٰ سے دُعا فرمائیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو اس بیماری پر صبر کر اور اللہ تعالےٰ تجھے جنّت مرحمت فرمائے گا وَاِنْ شِئتِ دعوت اللّٰہ ان یعافیك فقالت اصبر الحدیث اور اگر تو چاہے تو مَیں تیرے لئے اللہ تعالےٰ سے دُعا کروں کہ وہ تجھے عافیت بخشے ۔ وہ بی بی عرض کرنے لگی تو مَیں صبر ہی کرتی ہوں (تاکہ جنت کا سودا برقرار رہے) (بخاری ج ۲ ص ۸۴۴) ۔

اگر آنحضرت صلّے اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دُعا کے سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کے ہاں سفارشی بنانا شرک ہوتا تو آپؐ اس بی بی کو سختی سے منع فرما دیتے اور کبھی بھی اس کے لئے دُعا نہ فرماتے ۔ حالانکہ اس صحیح حدیث میں وَاِنْ شئتِ دعوت اللّٰہ کے الفاظ صراحت سے موجُود ہیں اور بحوالۂ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رح یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ زندہ کو اور عند القبر مُردہ کو بسلسلہ دُعا سفارشی بنانا دونوں صُورتیں درُست ہیں اور ان میں کوئی بھی شرک نہیں ہے ۔ علاوہ ازیں حضرات فقہاء کرامؒ اور علی الخصوص فقہاء احناف رح کا تو وہ محتاط ، نکتہ رس اور ذمہ دار طبقہ ہے جس کی مثال دُنیا میں ناپید ہے اور حضرات مفسّرین کرام رح کا طبقہ ساتھ مل کر اس کو نُورٌ علیٰ نُور بنا دیتا ہے ۔ اور یہ تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلبِ مغفرت کی درخواست کرنا

جائز ہے اور اسی طرح حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض) سے یہ سفارش کروانا کہ آپ دونوں بزرگ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے ہاں میرے لئے سفارش کریں۔ حالانکہ یہ دونوں بزرگ من دون اللہ میں داخل ہیں۔ اگراس طرح کی سفارش اس آیت کریمہ کی تفسیر میں داخل ہوکر ھٰؤلاء شفعاء نا عند اللہ کا مصداق ہوتی تو حضرات فقہاء کرام رح اور مفسّرین عظام رح کا محتاط گروہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتا حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آیت کی یہ تفسیر ہرگز نہیں ہے اور یہ نری اختراع اور خانہ زاد ہے۔ اور مثلاً یہ آیت کریمہ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (پ ۲۶ - الاحقاف - ۱)

اور اس سے بہکا کون ہے؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اسکی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

اور مثلاً یہ ارشاد :۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو، پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمھارے شریک، پھر ہم ان کو الگ الگ کردیں گے اور کہیں گے

تَعۡبُدُوۡنَ ۝ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۝ (پ ۱۱۔ یونس ۔ ۳)

ان کے شریک تم ہماری بندگی تو نہ کرتے تھے سو اللہ کافی ہے گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی۔

اور اسی مضمون کی بے شمار آیات جن سے ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے مقدمہ کے صد ۲ سے صد ۱۴ تک اپنے مضمون کا حجم بڑھایا ہے اور اس دور میں اس مسلک والوں کے امام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری وگجراتی ایسی ہی آیات کریمات کو بڑے لے سے پڑھ کر مجمع پر اپنے استدلال کی قوت ظاہر کیا کرتے ہیں اور ان کی پیروی میں دیگر مقررین اور مبلغین حضرات بھی ان کی نقل اتارتے ہیں اور ان ہی آیات سے عدمِ سماعِ موتیٰ پر حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبور عدمِ سماع پر بھی استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عند القبور سماع ایک اتفاقی اور اجماعی عقیدہ ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اب اس اختلاف کے موجد صرف یہی حضرات ہیں اور اس جدید اختلاف کا یہ زنگ دار اور ملمع سازی کا سہرہ انھیں کے سر پر زیب دیتا ہے۔

ہماری طرف سے ان تمام آیات کا پہلا اور اصولی جواب وہی ہے جو خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے ایک منکرِ تقدیر کو دیا تھا جس نے قرآنِ کریم کی بعض آیات سے انکارِ تقدیر کا مسئلہ سمجھ رکھا تھا، اور اُن کا یہ جواب خاصی تفصیل

کے ساتھ ابوداؤد میں موجود ہے۔ جو اس قابل ہے کہ سنہری حروف سے لکھا جس میں اُن کا یہ ارشاد بھی ہے۔

لقد قرؤا منہ ما قرأتم و علموا من تاویلہٖ ما جھلتم الخ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۸)

کہ بلاشبہ ان سلف صالحین رح نے قرآنِ کریم پڑ جیسے تم پڑھتے ہو مگر وہ اس کی تفسیر کو جانتے تھے اور تم اس سے جاہل ہو۔

مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی یہی آیاتِ کریمات سلفِ صالحین رح کے سامنے بھی تھیں جن سے تم نے انکارِ تقدیر پر استدلال کیا ہے مگر وہ حضرات تو ان آیات سے وہ مطلب ہرگز نہیں سمجھے جو تم سمجھے ہو اور نہ انھوں نے ان کی وہ تفسیر اور تعبیر کی ہے جو تم کرتے ہو۔ اور مدار تو انہی کی سمجھ پر ہے۔ پھر کیسے تسلیم کیا جائے کہ تمھارا استدلال صحیح اور ان کی سمجھ معاذ اللہ تعالیٰ غلط تھی؟ سو ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ ان تمام آیات کا عند القبور عدمِ سماعِ موتیٰ سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر تعلق ہوتا تو یقیناً سلف صالحین رح صراحت کے س[illegible] ان سے استدلال کرتے اور اپنے مخالفین کے سامنے بطور احتجاج ان کو پیش کرتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ تو عہدِ صحابہ کرام رض سے اختلافی چلا آرہا ہے مگر یقین جانیئے کہ سلفِ صالحین رح میں جو حضرات عدمِ سماعِ موتیٰ کے قائل تھے اُنھوں نے بھی ان سے استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جملہ آیات اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق ہیں، اور نری زبان آوری، لفاظی اور سینہ زوری سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں

ہوتا۔ ہاں عقیدت مند مرید اور کم علم ہم جماعتی لوگ وقتی طور پر ضرور وجد و سرور میں آسکتے ہیں کہ دیکھو فلاں صاحب نے قرآنِ کریم کی کتنی آیات اپنے دعویٰ پر پیش کر ڈالیں مگر نرے واہ واہ سے کیا بنتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عبادت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً سجدہ کرنا، طواف کرنا، اور نذر و نیاز دینا وغیرہ۔ بلکہ جاہل لوگ بزرگوں کی قبروں پر چراغاں کرنا اور جھاڑو دینا بھی کارِ ثواب ہی سمجھتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر چپکے سے آکر سجدہ کرتا ہے یا خاموش رہ کر طواف کرتا ہے یا قبر پر نذر و نیاز ہی آکر رکھ دیتا ہے تو بزرگوں کو ان کی اس عبادت کی کیا خبر ہے؟ اور اسی طرح دور دراز سے ان کو پکارنے کی کیا خبر ہے؟ یہ تمام امور اپنے مقام پر حق اور صحیح ہیں اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ان آیات کریمات سے عند القبور سماعِ موتیٰ کی نفی ہوتی تو آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم جن پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں اُمّت کو کبھی عند القبور سلام کہنے کی تلقین اور طریقہ ارشاد نہ فرماتے کیونکہ آپ (معاذ اللہ تعالےٰ) قرآنِ کریم کی آیات کی خلاف ورزی کے لئے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ اُن کی مراد اور تفسیر لوگوں پر واضح کرنے اور ان پر عمل کرنے اور کرانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور پھر جمہور امّت نے بھی عند القبور سلام کہنے کا طریقہ اپنایا ہی ہے اس کا ردّ اور انکار نہیں کیا۔ اور یہ تمام آیات کریمات ان حضرات کے سامنے تھیں اور بعد میں آنے والوں سے کہیں بڑھ کر وہ حضرات

قرآنِ کریم پڑھتے بھی تھے اور اس کو صحیح معنی میں سمجھتے بھی تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی اور سچ مچ ان آیات کریمات سے قطعی اور حتمی طور پر عند القبور سماع کی نفی ہوتی ہے تو جو حضرات سماع موتیٰ کے قائل ہیں اُن کو کھل کر کافر کہنا چاہیئے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی کسی ایک آیت کا انکار یا اس کی بے جا تاویل کفر ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الآیۃ کی تاویل کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور ان کو کافر سمجھ کر ان سے جہاد کیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات کے منکر یا مؤوِّل کافر قرار نہ پائیں؟ جو حضرات محض تحزّب اور تعصّب کے جوش میں آکر ایسا کرتے ہیں اُن کو ہوش میں آکر ان اُمور پر غور کرنا چاہیئے۔

ندائے حق کے مقدمہ میں مقدمہ باز بزرگ نے بزعمِ خویش پینسٹھ [۶۵] آیات پیش کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں۔ ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجّت نہیں بن سکتا۔ (بلفظہٖ ص۱۴۰) شاباش اسی کا نام ہے علمی تحقیق۔ لاحول وَلاقوۃ اِلّا باللہ۔ قطعیات و یقینیات سے کیا مُراد ہے؟ اگر یہ مُراد ہے کہ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں جن کا ثبوت قطعی اور یقینی ہے تو یہ بتلایا جائے کہ سلف و خلف اور اکابر و اصاغر اور جماہیر و مشاہیر نے ان کا کب اور کہاں انکار کیا ہے؟ اور اگر مُراد یہ ہے کہ ان کی عدم سماع موتیٰ پر دلالت قطعی اور یقینی ہے تو یہ مؤلّف مذکور کا زعمِ باطل ہے۔ لاریب فیہ۔

بڑے دُکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ دُوسروں کے اکابر کو کوسنا اور اُن پر برسنا تو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے لیکن خود اپنے ہی اکابر کی مٹی جس طرح ان یار لوگوں نے پلید کی ہے، دُنیا کے کسی باہوش فرقہ سے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ الٰہی ! ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر ٭ شریکِ زُمرۂِ لایحزنوں کر

لیکن بات اِسی پر ختم نہیں ہوسکتی کہ سلف و خلف اور جماہیر و مشاہیر اور اکابر و اصاغر کا قول و فعل ان قطعیات اور یقینیات کے مقابلہ میں حجّت نہیں۔ بلکہ قرآنِ کریم کی قطعی اور یقینی آیات اور قطعی اور یقینی مطلب و مُراد (جوکہ مؤلف مذکور کا مدعٰی ہے) کے مقابلہ میں رائے اور نظریہ رکھنے والوں کی کُھلے طور پر تکفیر درکار ہے۔ دیدہ باید۔

اور پانچواں جواب یہ ہے کہ امام القاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البیضاوی رح (المتوفی ۶۸۵ھ) وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

لانها اما جمادات واما عباد مُسَخَّرون مشتغلون باحوالهم (تفسیر بیضاوی ص۴۴۳)	اس لئے کہ وہ یا تو جمادات (بُت) ہیں اور یا تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے احوال میں مصروف و مشغول ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی غفلت اور عدمِ سماع اس لئے نہیں کہ وہ سُنتے نہیں اور ان میں سُننے کی اہلیت نہیں بلکہ اللہ تعالٰے کے مقبول بندے اس لئے

پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں کہ وہ اپنے احوال میں مصروف ہیں اور پکارنے والوں کی پکار کی طرف ان کی توجہ و التفات ہی نہیں اور بغیر توجہ اور التفات کے سُننا کیسا؟

اور علامہ السیّد محمود آلوسی الحنفی رح غٰفِلُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

لایسمعون ولا یدرون اما ان	نہ وہ سنتے ہیں اور نہ وہ جانتے ہیں اس لئے
کان المدعو جماداً فظاھرٌ و	کہ اگر مدعو جماد ہیں تو ظاہر ہے اور اگر وہ ذوی العقول
اما ان کان من ذوی العقول	ہیں تو اگر وہ اللہ تعالےٰ کے مقبول اور مقرب
فان کان من المقبولین المقربین	ہیں تو وہ آرام و راحت میں مصروف رہ کر
عند اللہ تعالیٰ فلاشتغالہ	اس کارروائی سے بے خبر ہیں اور یا وہ ایسی جگہ
عن ذٰلک بما ھو فیہ من الخیر	ہیں جس میں ہونے کی وجہ اس میں رہنے والے
اوکونہ فی محل لیس من	کی شان یہ ہے کہ پکارنے والے کی پکار کو
شأن الذی فیہ ان یسمع دعاء	دوری کی وجہ سے وہ نہیں سنتے جیسے آجکل حضرت
الداعی للبعد کعیسٰی علیہ الصلوٰۃ	عیسےٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور یا اس لئے کہ
والسلام الیوم اولان اللہ تعالیٰ یصون	اللہ تعالےٰ اس کے کانوں کو اس سے محفوظ
سمعہٗ عن سماع ذٰلک لانہ لکونہٖ	رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اس کو پسند نہیں
مما لا یرضی اللہ تعالیٰ ان یؤلمہٗ	کرتا کہ اس ناپسندیدہ امر سے ان کو دُکھ پہنچائے
لو سمعہٗ وان کان من اعداء اللہ	اور اگر وہ اللہ تعالےٰ کے دُشمنوں میں سے ہیں مثلاً

تعالیٰ کشیاطین الجن والانس الذین عبدوا من دون اللّٰہ فان کان میّتا فلاشتغالہ بما ھو فیہ من الشر وقیل لان المیت لیس من شأنہ السماع ولا یتحقق منہ سماع الا معجزۃ کسماع اھل القلیب وفی ھذا کلام تقدم بعضہ وان کان حیّا فان کان بعیدًا مثلاً فالامر ظاھر وان کان قریبًا سلیم الحاسۃ فقیل الکلام بالنسبۃ الیہ بعد تاویل الغفلۃ بعدم السماع علی التغلیب لندرۃ ھذا القسم اھ (تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص ۷)

شیاطین الانس والجن، جن کو من دون اللّٰہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو اگر وہ مُردہ ہیں تو وہ اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں (لہٰذا غافل ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لئے غافل ہیں کہ میّت کی شان ہی سے سماع نہیں اور اُس سے سماع متحقق ہی نہیں ہو سکتا مگر معجزہ کے طور پر جیساکہ قلیب بدر والوں کا سماع اور اس میں کلام ہے۔ اس کا بعض حصّہ پہلے گزر چکا ہے اور اگر وہ زندہ ہیں۔ سو اگر وہ مثلاً دُور ہیں تو معاملہ بالکل واضح ہے اور اگر وہ قریب ہوں اور ان کے حواس بھی صحیح سالم ہوں تو کہا گیا ہے کہ انکی بہ نسبت یہ کلام بعد اس کے کہ غفلت سے مُراد عدم سماع ہو تغلیب پر ہے کیونکہ یہ قسم بالکل نادر ہے

اس عبارت کا بقیہ حصّہ تو بالکل روشن اور واضح ہے البتہ آخری حصّہ قابلِ توجہ ہے، وہ یُوں کہ اگر مدعو قریب ہو اور اس کے حواس بھی صحیح سالم ہوں اور غٰفلون میں غفلت کا معنی بھی عدم سماع ہو تو چونکہ بقیہ اقسام کے مقابلہ

ہیں یہ قسم کم اور نادر ہے تو بقیہ اقسام (مثلاً جماد۔ مقبولِ الٰہی ہو کر خوشی میں مشغول ہونے والے، اور دُور رہنے والے، اور بڑے ہو کر اپنی تکلیف میں مبتلا ہونے والے وغیرہ) کو ملحوظ رکھ کر تغلیباً یہ ارشاد ہُوا ہے کہ سب غافل اور بے خبر ہیں اور نہیں سُنتے، حالانکہ یہ قریب والے سُنتے ہیں اور تغلیب کا باب بڑا وسیع ہے مثلاً ابوین۔ عمرین وغیرہ وغیرہ۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لقضاءِ حاجتکم لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ لانها جمادات وَلَوْ سَمِعُوْا علی سبیل الفرض او علی تقدیر کون بعضهم ذا شعور کابلیس مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ لعدم قدرتهم علی الانفاع او لتبرئهم منکم ومما تدعون لهم من الالوهية کعیسٰی وعزیر والملائکة (تفسیر مظہری ج ۸ ص۵۰)

اگر تم ان کو پکارو اپنی حاجت براری کے لئے تو نہ سُنیں وہ تمھاری پکار کیونکہ وہ جمادات ہیں اور اگر وہ تمھاری پکار سُن لیں یعنی فرضی طور پر یا اس صُورت میں کہ ان میں سے بعض ابلیس کی طرح شعور والے ہیں نہ پہنچ سکیں تمھارے کام پر کیونکہ ان کو نفع پہنچانے کی قدرت نہیں اور یا اس لئے کہ وہ تم سے اور تمھاری اس کاروائی سے کہ تم ان کے لئے الوہیّت کا دعویٰ کرتے ہو بیزار ہیں جیسے حضرت عیسےٰ، حضرت عزیر اور فرشتے علیهم الصّلوٰۃ والسّلام۔

اس سے معلوم ہُوا کہ بُت وغیرہ جمادات تو سُننے سے ہی رہے اور اگر بالفرض

یہ سُن بھی لیں یا ابلیس کی طرح کسی شعور والے کو پکارا جائے تو وہ کس کو نفع دینے پر قادر ہے؟ اور آخر اس کے بس میں ہے کیا؟ اور اگر کوئی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور فرشتوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو حاجت کے لئے پکارتا ہے تو وہ سفارش اور دُعا کے لئے کب آمادہ ہو سکتے ہیں؟ وہ تو مشرکوں ہی سے بیزار ہیں اور اس پر وہ کب راضی ہیں کہ اُن کو الوہیت کا درجہ دیا جائے۔

اور یہی بزرگ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

لانہا اما جمادات لا یسمع و لا یعقل و اما عباد مسخرون متشغلون باحوالھم کعیسٰی وعزیر والملائکۃ۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۹۴)

جن کو حاجات کے لئے پکارا جاتا ہے یا تو وہ جمادات ہیں اسلئے نہ تو وہ سُنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور یا وہ تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے حالات میں مشغول و مصروف ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

حضرت شاہ عبدالقادر رح اور حضرت شیخ الہند رح وغیرہ بزرگوں نے نہ پہنچ سکیں کا ترجمہ کر کے شاید دُوری ہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور دُور ہوں تو پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر رہنا ظاہر ہے اور اگر نزدیک ہوں تو بھی یہ ضروری تو نہیں کہ ہر قریب کی بات سُنی جائے بلکہ اس کے لئے التفات اور توجہ اور سُننے کا قصد بھی ضروری ہے اور جو حضرات اپنے حالات میں مستغرق ہیں وہ کیا سُن سکتے ہیں؟ ہاں قصد اور توجہ و التفات کے بعد سُننا صحیح ہے اور اس کا مطلقاً

انکار درست نہیں ہے۔

مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں : پھر لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ اور وَھُمْ عَنْ دُعَآءِ ھِمْ غٰفِلُوْنَ ہ کے عمومی قاعدہ میں سے کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین، محدّث، مفسّر، متکلم کا چودہ صدیوں میں اِلَّا الانبیاء کا استثناء نہ بیان کرنا عدمِ سماعِ انبیاء علی القبور وغیرہا پر چودہ صدیوں کے علماء کے اجماع پر دال ہے۔ اب ہم بھی آپ سے پوچھتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیتیں دال بر عدم سماع انبیاء ہیں یا نہ؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ہے تو تم کس دلیل سے انبیاء کو مستثنیٰ کرتے ہو؟ اھ صـ۱۳۷

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان آیات کا تعلّق ہی عدمِ سماعِ انبیاء سے ہرگز نہیں ہے پھر استثناء کی کیا ضرورت ہے؟ اور آپ ان آیات کی مذکورہ تفسیریں ملاحظہ فرمالیں کہ یہ تعلق کیوں نہیں ہے؟

اور حضرت تھانوی رح وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غَافِلُوْنَ ہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :- "جمادات (یعنی اصنام وغیرہ۔ صفدر) تو بوجہ عدم قوّتِ سامعہ کے اور ذوات الارواح میں بایں معنی کہ جیسی خبر کے کفّار معتقد تھے (کہ دور سے بھی سنتے ہیں۔ صفدر) سماع لازم و دائم اور مفید ہے، وہ منفی ہے" (بیان القرآن ج ۱۱ صـ۳) اور اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ : "اور ان کا غافل ہونا ان کی عبادت سے ظاہر ہے اس واسطے کہ بتوں کو ایسا شعور ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے اور اگر اور معبودین،

مثل ملائکہ وغیرہم کو بھی عام لیا جائے تو بھی غافل ہونا صحیح ہے کیونکہ علم ملائکہ وغیرہم کا محیط نہیں ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہیں" (ج ۳ ص۱۱)

دونوں تفسیروں کی مراد واضح ہے۔ اوّل کی اس طرح کہ مشرکین ذوات الارواح مخلوق کے لئے سماع کو لازم و دائم اور مفید سمجھتے تھے۔ حالانکہ سماع فی الجملہ ہے اور وہ بھی بالکل نزدیک سے نہ کہ دُور سے، اور سُننے کے بعد بھی بھلا وہ کسی کو کیا خزانے بخش دیں گے؟ جیسا کہ مشرکین کا باطل خیال تھا اور دُوسری اس طرح کہ فرشتے اور اللہ تعالےٰ کے نیک بندے علم محیط تو رکھتے نہیں تاکہ دُور دراز کے حالات کا بھی ان کو علم ہو، یا مثلاً قبور کے پاس چُپکے سے سجدہ اور طواف و نذر و نیاز کا ان کو علم ہو۔ الغرض ان آیات سے عند القبور سماع موتیٰ کی نفی کرنا یا ان سے فقہی قاعدہ کے مطابق دُعا کرانے کا انکار کرنا بالکل اور یقیناً ایک غیر متعلق بات ہے اور نری سینہ زوری ہے اللہ تعالےٰ بچائے

اور دوسرا طریق ان حضرات کے استدلال کا یہ ہے کہ

قرآنِ کریم کی وہ آیات جن میں لَا یَسْمَعُوْا اور لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ وارد ہوا ہے۔ ان سے وہ عند القبور سماعِ موتیٰ کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ضرورت ہے تاکہ عُقدہ حل ہو جائے۔ پہلی آیت کریمہ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ :-

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اگر تم ان کو پکارو تو وہ سُنیں نہیں تمہاری پکار

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ الآيَة (پ ۲۲- الفاطر - ۲) اور اگر سُن بھی لیں تو تمھارے کام پر نہ پہنچ سکیں (اور نہ تمھارا کام کر سکیں)۔

مُنکِرین سماعِ موتیٰ کا کہنا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ مُردے نہیں سُنتے۔

الجواب:- اس سے اس سماعِ موتیٰ کی نفی نہیں ہوتی جس کے جمہور قائل ہیں کہ نزدیک سے سماع ہے نہ کہ دُور سے۔ چنانچہ علّامہ آلوسی الحنفی رح وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مُردہ یا زندہ دُور ہو تو تمام اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے کہ عادۃً وہ دُور سے نہیں سُنتا۔ خرقِ عادت کا معاملہ ہی الگ ہے اس کو درمیان میں لاکر غلط مبحث کرنا علماء اور عقلاء کی شان کے سراسر خلاف ہے آدمی قریب ہو اور اپنی کسی مصرُوفیت اور فکر میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سُنتا۔ قریب سے بھی بات سُننے کے لئے توجہ اور التفات کی ضرُورت ہوتی ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رض ایک فکر میں ڈوبے ہوئے تھے، حضرت عمر رض ان کے پاس سے گزرے اور انھیں سلام کیا مگر حضرت عثمان رض نہ سُن سکے۔ حتّیٰ کہ حضرت عمر رض نے حضرت ابوبکر رض سے حضرت عثمان رض کی اس بے التفاتی کی شکایت کی۔ حضرت عثمان رض نے معذرت کی اور فرمایا کہ :-

واللّٰہ ما شعرت انک مررت ولا سلّمت الحدیث (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶) بخدا میں نہیں جانتا کہ تو میرے پاس سے گزرا اور نہ تو نے سلام کیا۔

حضرت مولانا تھانوی رح لکھتے ہیں کہ " دیکھئے حضرت عثمان رض کو حضرت عمر رض کے

سلام کی خبر نہ ہوئی جس کا جواب دینا واجب تھا۔ اکثر فرح یا غضب کے غلبہ سے ایسا ہو جاتا ہے اھ (بوادر النوادر ص۱۰۴)

کیا آج بھی ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو گانے بجانے اور ریڈیو وغیرہ کی غیر مشروع آوازوں سے نامانوس ہیں اور قریب ہوتے ہوئے بھی ان آوازوں کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے اور نہ سُنتے ہیں۔ اُن کی بلا سے کہ کون کیا کہہ رہا ہے؟ الغرض اس آیتِ کریمہ سے سماع عند القبور کی اُس قسم کی نفی کرنا، جس کے قائل سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں، ثابت نہیں ہے۔

(۲) وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (پ۲۲-الفاطر-۳)

اور برابر نہیں زندے اور مُردے بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سُناتا ہے اور تو اُن کو نہیں سُنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔

مُنکرین سماعِ موتیٰ کا کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ میں زندوں اور مُردوں کا فرق ظاہر کیا گیا ہے اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تو اہلِ قبور کو نہیں سُنا سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سُنا دے اور جب اِسماع کی نفی ہو گئی تو استماع اور سماع کی نفی بھی ہو گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ مُردے نہیں سُنتے۔

الجواب:۔ اس سے اُس سماع کی نفی نہیں ہوتی جس کے اثبات کے درپے سماعِ موتیٰ کے قائلین ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رح لکھتے ہیں:۔

واما قوله وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ

بہر حال وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي

الْقُبُوْرِ فسياق الآية يدل علٰے
ان المراد منها ان الكافر الميت
القلب لا تقدر علٰے اسماعه اسماعًا
ينتفع به كما ان من فى القبور
لا تقدر علٰى اسماعهم اسماعًا
ينتفعون به ولم يُرِد سبحانه
ان اصحاب القبور لا يسمعون
شيئًا البتة كيف وقد اخبر النبى
صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم
انهم يسمعون خفق نعال
المشيعين واخبر ان قتلٰى
بدر سمعوا كلامه وخطابه
وشرع السلام عليهم بصيغة
الخطاب الذى يسمع واخبر ان
من سلّم علٰى اخيه المومن
رد عليه السلام اھ (كتاب
الروح ص ۵۵)

تو آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس سے
مُراد ایسا کافر ہے جو مُردہ دِل ہو۔ تو مطلب
یہ ہے کہ تو ایسے شخص کو اس طرح نہیں سُنا
سکتا کہ وہ اس سے منتفع ہو جیسا کہ تو اُن لوگوں
کو جو قبوروں میں جا پہنچے ہیں، اس طرح نہیں سُنا
سکتا جو اس سے نفع حاصل کریں اور اللہ
تعالیٰ کی یہ مُراد نہیں کہ اصحابِ قبور قطعاً
کوئی چیز نہیں سُنتے، کیسے یہ مُراد ہو سکتی ہے،
جبکہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے
یہ خبر دی ہے کہ مُردے رخصت کرنے والوں
کی جوتیوں کی آواز سُنتے ہیں اور آپ نے یہ
خبر بھی دی کہ مقتولینِ بدر نے آپ کے کلام
اور خطاب کو سُنا اور نیز آپ نے مُردوں
پر خطاب کے ایسے صیغہ سے سلام مشروع
قرار دیا ہے جو سُنا جاتا ہے اور آپ نے یہ
خبر بھی دی ہے کہ جو اپنے مؤمن بھائی (کی قبر)
کے پاس سے گزرتا ہے اور اُسے سلام کہتا ہے

تو وہ اُس کے کلام کا جواب دیتا ہے۔

حافظ ابن القیم رح کے اس مدلّل بیان سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ سے اللہ تعالیٰ کی ہرگز یہ مُراد نہیں کہ مُردے نہیں سُنتے۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کے پیغام پہنچانے پر مامور ہیں، ہرگز سماعِ موتیٰ کی خبر نہ دیتے۔

علّامہ قرطبی رح وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

ای هم بمنزلة اهل القبور فی انهم لا ینتفعون بما یسمعونه ولا یقبلونه (تفسیر قرطبی ج ۱۴ صفحہ ۳۴۰)	یعنی وہ بمنزلہ اہلِ قبور ہیں اس معنی میں کہ وہ سُنی ہوئی چیز سے نفع نہیں اٹھاتے اور نہ اُسے قبول کرتے ہیں۔

اور علّامہ داؤد رح بن سلیمان الحنفی البغدادی رح اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کا مطلب معتمد اور مستند علماء کرام (اساطین العلمؒ) سے بیان اور نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

لان السماع المنفی فی الآیتین هو سماع القبول والاذعان للایمان وقد نسبه الله الکفار الاحیاء الذین لهم اسماع وابصار وعقول بالاموات لا من حیث انعدام الادراکات	جس سماع کی ان دونوں آیتوں میں نفی کی گئی ہے وہ سماعِ قبول اور ایمان کو اذعان ویقین کے ساتھ سُننے کی نفی ہے، اور بلاشک اللہ تعالےٰ نے ان کُفار کو جو زندہ ہیں اور جن کے کان، آنکھیں اور عقول،

والحواس بل من حیث عدم قبولهم الهدٰی والایمان اھ (المنحتہ الوھبیۃ فی رد الوھابیہ صـ طبع استنبول)

سب کچھ موجود ہیں، مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ ان کے ادراکات وحواس معدوم ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ ہدایت اور ایمان قبول نہیں کرتے۔

اِس عبارت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زندہ کافروں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی یہی وجہ ہے کہ جیسے مُردوں میں ادراک، شعور اور احساس ہوتا ہے مگر وہ سماع سے فائدہ اور نفع نہیں اٹھا سکتے۔ یہی حال ان زندہ کافروں کا ہے۔ علّامہ بدر الدین ابُوعبداللہ محمد بن علی البعلی الحنبلی رح لکھتے ہیں کہ :-

وسماع المیّت لقرع نعالھم والسلام علیہ ونحوذٰلك مما ثبت ان جنس الاموات یسمعونہ لیس ذٰلك مخصوصًا بقومٍ معینین بل ھو مطلق وقولہ تعالیٰ فانك لاتسمع الموتیٰ المراد السماع المعتاد الذی یتضمن القبول و الانتفاع کما فی حق الکفار

مُردے کا زندہ لوگوں کی جُوتیوں کی آواز اور سلام وغیرہ سُننا جوثابت شدہ ہے کہ جنس اموات سُنتے ہیں یہ کسی معین قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا۔ اس سے مُراد سماع معتاد ہے وہ جو قبول اور انتفاع کو متضمن ہے جیساکہ کفار کے حق میں نفی سماع نافع کی ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اگر اللہ ان میں خیر جانتا تو انہیں

السماع النافع فی قولہ تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ وقولہ تعالیٰ لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ فاذا کان قد نفی عن الکافر السمع مطلقًا وعلم انہ انما نفی سمع القلب المتضمن للفھم والقبول لا مجرد سماع الکلام فکذٰلک المشبّہ بہ وھو المیت اھ (مختصر الفتاویٰ المصریۃ ص ۱۶۹ طبع مصر)

سُنا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (کافر قیامت کے دن دوزخ میں پہنچ کر کہیں گے) اگر ہم سُنتے ہوتے یا ہم جانتے ہوتے (تو ہم دوزخ میں نہ آتے) اور جب کافر سے بظاہر مطلقاً سُننے کی نفی کی گئی ہے حالانکہ معلوم ہے کہ نفی دل کے اُس سُننے کی ہے جو فہم وقبول کو متضمن ہو نفی محض سماعِ کلام کی نہیں ہے سو اسی طرح مُشبّہ بہ یعنی میّت میں مُراد لینی چاہیئے (تاکہ مُشبّہ اور مُشبّہ بہ کا تعلّق ظاہر ہو)۔

قارئین کرام کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ مختصر الفتاویٰ المصریہ، فتاویٰ ابن تیمیہؒ کا ملخص ہے۔ گویا یہ سب کچھ حافظ ابنِ تیمیہؒ نے کہا ہے۔ ان تمام واضح اور روشن عبارات سے معلوم ہؤا کہ مُردوں سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اس سماع کی نفی کی گئی ہے جو سماع مفید اور نافع ہو سکتا ہے کیونکہ زندہ کفار سے (جو مُشبّہ ہیں) جس سماع کی نفی کی گئی ہے وُہ سماع قبول اور نافع ہے۔ سو اِسی طرح مُردوں سے بھی (جو مُشبّہ بہ کے درجہ میں ہیں) نفی مطلقاً سماع کی نہیں، بلکہ اُس سماع کی نفی ہے جو مفید اور نافع ہے۔ اور نصُوصِ قطعیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ کُفار اس دُنیا میں جبکہ وہ بقیدِ حیات ہیں، ویسے تو سُنتے ہیں اور ان کے

کان، آنکھیں اور دِل سبھی کچھ موجود ہیں۔ مگر سماع قبول سے محروم ہیں۔ ذیل کی قرآنی آیات سے اس مسئلہ پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ کُفار کے لئے کِس سماع کا ثبوت ہے۔ اور کون سا سماع ان سے منفی ہے۔:

(۱) اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ (پ۱ - البقرہ - ۲)

وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔

کون عقلمند یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ دُنیا میں سبھی کفار بہرے، گونگے اور اندھے ہوتے ہیں اور کوئی کافر دُنیا میں نہ تو کوئی بات سُنتا ہے اور نہ کسی سے کلام کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو دیکھ سکتا ہے؟ بات صرف اتنی ہے کہ ویسے تو بہرے نہیں مگر بتفسیر حضرت شیخ الہند رح یعنی بہرے ہیں جو سچّی بات نہیں سُنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع و نقصان کو نہیں دیکھتے اھ۔ حالانکہ بظاہر ان کے کان، آنکھیں اور زبانیں بالکل درست ہیں لیکن وہ ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّأَبْصَارًا وَّأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا

اور ہم نے ان کو دیئے تھے کان اور آنکھیں اور دِل۔ پھر کام نہ آئے اُن کے کان اور نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل کسی چیز میں

يَجۡحَدُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ (پ ۲۶ - الاحقاف - ۳)

اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالےٰ کی باتوں سے اور ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس سے وہ مسخرہ کرتے تھے۔

یعنی ان کو نصیحت سُننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بُوجھنے کے لئے دِل دیئے گئے تھے، پر وہ کسی قوّت کو کام میں نہ لائے۔ اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہوگئے۔ آخر انجام یہ ہُوا کہ یہ سب قوتیں موجُود ہیں اور عذاب الٰہی نے آگھیرا۔ کوئی اندرُونی اور بیرُونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔ اس آیت کریمہ سے صراحۃً معلوم ہُوا (اور بھلا مشاہدہ کو جھٹلا بھی کون سکتا ہے؟) کہ کفّار کے لئے دُنیا میں کان، آنکھیں اور دِل تھے مگر وہ بدبخت اپنے سُوءِ اختیار سے ان سے فائدہ اور نفع نہ لے سکے اور انجام کار تباہ ہوگئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ

اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور انسان ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سُنتے نہیں، وہ ایسے ہی جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی

بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (پ۹۔ الاعراف ۲۲) زیادہ بے راہ اور وہی لوگ ہیں غافل۔

یعنی دِل کان آنکھ سب کچھ موجود ہیں لیکن نہ دِل سے آیات اللہ میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سُنتے ہیں جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں۔ یہی حال ان کا ہے کہ دِل و دماغ ہاتھ پاؤں کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دُنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف ہیں انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں (از مولانا عثمانیؒ)

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ (پ ۹ - الاعراف - ۱۳)

کیا ظاہر نہیں ہُوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے زمین کے، وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑلیں ان کے گناہوں پر اور ہم نے مہر کر دی ان کے دِلوں پر، سو وہ نہیں سُنتے۔

اس آیت کریمہ کے آخری حصّہ میں اس کی تصریح ہے کہ کافر نہیں سُنتے کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ سچ مچ حقیقۃً کافر دُنیا میں نہیں سُنتے؟ کون مسلمان اس ظاہری مفہوم سے دھوکا کھا سکتا ہے!

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

کِتَابٌ فُصِّلَتْ آیَاتُہٗ قُرْآنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ (پ ۲۴۔ حٰمٓ السجدۃ - ۱)	(یہ) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں جُدا جُدا تفصیل سے بیان کی گئی ہیں قرآن (ہے) عربی زبان میں سمجھنے والوں کے لئے خوش خبری سُنانے والا اور ڈرانے والا پر ان میں اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا، سو وُہ نہیں سُنتے۔

اِس مضمون میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کافر قرآنِ کریم کو نہیں سُنتے حالاں کہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کفّار اپنے سر میں لگے ہوئے حسّی کانوں سے قرآنِ کریم سُنتے تھے اور سُنتے ہیں لیکن اُنھوں نے اس کو قبول نہ کیا اور گوشِ دِل سے نہ سُنا اور اُنھیں اسے تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی تو سُنا اَن سُنا برابر ہے۔ اب اگر قرآنِ کریم کے صحیح مطلب اور مُراد سے چشم پوشی کر کے کوئی شخص اس دعویٰ پر مُصر رہے کہ اس دُنیا میں زندہ رہ کر بھی کافر مطلقًا اور قطعًا قرآنِ کریم نہیں سُنتے تھے اور فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ اس کی قطعی اور یقینی دلیل ہے تو ایسے ضِدّی انسان کو بھلا دُنیا میں کون سمجھا سکتا ہے؟ اور اس کا علاج بھی کیا ہے؟

(۶) اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا	اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں

وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ (پ۹۔ الانفال) نے کہا ہم نے سُن لیا اور وہ نہیں سُنتے۔

اس آیت کریمہ میں کافروں کے لئے سماع بھی ثابت ہے اور سماع کی نفی بھی ہے کہ جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ کافر زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا لیکن وہ سُننا ہی کیا ہے جس کو آدمی قبول نہ کرے اور ماننے پر آمادہ نہ ہو۔ اب اگر کوئی شخص وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ کے ظاہری مفہوم پر ہی ڈٹ جائے۔ اور لوگوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہو کہ زندہ کافر بھی نہیں سُنتے تو یہ اس کی کوئی دینی خدمت نہ ہوگی، اور قرآن فہمی اور دین شناسی ہوگی۔ اللہ تعالےٰ سوءِ فہم اور تعصّب اور تحزّب سے بچائے۔

(۷) اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (پ ۲۱۔ لقمٰن - ۱) (ونحوہ پ ۲۵۔ الجاثیہ - ۱)

اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وُہ پیٹھ پھیرتا ہے تکبّر سے گویا اُس نے ان کو سُنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ سو خوشخبری سُنا اس کو دردناک عذاب کی۔

یعنی کافر و مُشرک پر جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وُہ سُنتا تو ہے لیکن حق سے ضد اور عناد رکھ کر پیٹھ پھیر دیتا ہے اور تکبّر و غرور کے

نشے میں مست رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا اُس نے سُنا ہی نہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا ان کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے اور کوئی بات اس کے کانوں تک پہنچتی ہی نہیں۔ کیونکہ جب سُننے کا فائدہ اور نفع اس کو قبول کرنا ہے مگر جب قبول نہ کیا تو کیا سُنا؟ اور اس سُننے کا کیا ثمرہ نکلا؟ یوں کہہ دیجئے گویا اُس نے سُنا ہی نہیں۔

(۸) اللّٰہ تعالےٰ کا فرمان ہے :۔

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ۝ (پ ۱۹۔ الفرقان۔ ۴)	کیا تو خیال کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سُنتے ہیں یا سمجھتے ہیں؟ اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بھٹکے ہُوئے ہیں راہ سے۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی یہ حقیقت آشکارا کی گئی ہے کہ کفّار کی اکثریت نہ تو سُنتی ہے اور نہ سمجھتی ہے۔ لیکن سماع اور سمجھ کی اس نفی کا یہ مطلب نہیں کہ کُفّار کانوں اور عقل سے بے بہرہ ہیں، بلکہ اس سے وُہی سماع اور عقل مُراد ہے جس سے نفع و ضرر کی شناخت ہو سکے اور بُرے بھلے کی تمیز کی جا سکے اور اپنی سرکشی کی وجہ سے کفار اسی سے حرماں نصیب ہیں۔

(۹) فرمانِ خداوندی ہے :۔

وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ	اور تُو نہیں ہدایت دے سکتا اندھوں کو

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا ان کی گمراہی سے، تو نہیں سُنا سکتا مگر صرف
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (پ ۲۰-النحل ان کو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں،
۶ - و پ ۲۱ - الروم - ۵) سو وہ مسلمان ہوتے ہیں۔

اس سے ظاہری اور سطحی طور پر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم صِرف اُنہی لوگوں کو سُنا سکتے تھے (اور صرف وُہی لوگ سُنتے تھے) جو مُؤمن اور مُسلمان ہوتے تھے۔ نہ دُوسروں کو آپ سُنا سکتے تھے اور نہ وہ سُنتے تھے۔ کون مُسلمان اس ظاہری مفہوم سے دھوکا کھا سکتا ہے اور یہ بے بنیاد دعویٰ کر سکتا ہے کہ واقعی نہ تو نبی کریم صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کافروں کو سُنا سکتے تھے اور نہ کافر سُنتے تھے۔ بات تو صِرف اس قدر ہے کہ نصیحت سُنانا ان کے حق میں نافع ہو سکتا ہے جو سُن کر اس کا اثر قبول کریں اور اسے مان لیں لیکن کافروں نے اس کا اثر قبول نہیں کیا گویا انھوں نے سُنا ہی نہیں اگرچہ حقیقت میں اُنھوں نے سُن ہی لیا ہوتا ہے۔ الغرض ان تمام مضامین میں سماع سے جو مقصود ہے، وہ مان لینا اور قبول کرنا ہے اور اسی قبولیت اور تسلیم سے کافر محروم ہیں۔ حضرت مولانا عثمانی رح سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"سمّاعون کے معنی ہیں بہت زیادہ سُننے اور کان دھرنے والے۔ پھر بہت زیادہ سُننا کبھی تو جاسُوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنے ہوتے ہیں بہت

زیادہ قبول کرنے والا جیسے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ میں سُننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔" اھ (حاشیہ ص۱۴۷)

(۱۰) اللہ تعالےٰ نے کفّار کی مذمّت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ وَکَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ہ (پ ۱۶۔ الکھف ۔ ۱۱)

وُہ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور وُہ نہ سُن سکتے تھے۔

یعنی حق کے ساتھ ضِد اور عناد کی وجہ سے حق سُننے کی تاب بھی وہ اپنے اندر نہیں رکھتے تھے اور اتنا حوصلہ ہی نہ تھا کہ دِلجمعی اور عالی ہمتی کے ساتھ شرح صدر سے حق کو سُن لیتے۔ ان بدبختوں نے وہ قدرت ہی ضائع کردی جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔

علّامہ عبدالعزیز فرہاروی الحنفی رح (المتوفی فی حدود ۱۲۳۶ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ولھذا ای لان تارک قصد الخیر مضیع للقدرۃ علیہ ذُمّ الکافرون بانھم لایستطیعون السمع ای لایقصدون سمع الحق علےٰ وجہ القبول فلایخلق فیھم

اور اسی لئے کفار کی مذمّت کی گئی ہے کہ وہ سُننے کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ خیر اور نیکی کے قصد کرنے کا تارک خود قدرت کو ضائع کرنے والا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے ارادہ سے سُننے کا

الا ستطاعة على سمعه ولو قصدوٗ لخلقها فيهم فهم المضيعون لها اھ (نبراس ص ۲۸۱)

قصد ہی نہیں کرتے لہٰذا اللہ تعالٰے ان میں اس کے سُننے کی استطاعت ہی پیدا نہیں کرتا اور اگر وہ اس کا قصد کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں استطاعت پیدا کر دیتا ۔ سو وُہی اس قدرت کو ضائع کرنے والے ہیں ۔

قرآنِ کریم کے ان صریح مضامین اور ان کی تشریح وتفسیر سے جو بیشتر مولانا عثمانی رح کی تفسیر سے ماخوذ ہے ۔ یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ کُفّار و مُشرکین کے لئے اس دُنیا کی زندگی میں بھی سماع کی نفی کی گئی ہے لیکن اس سے مُراد سماع نافع مفید اور سماع قبول ہے، مطلقاً سماع مُراد نہیں ہے ۔ اسی طرح اس سماع کی نفی سے بھی جو موتیٰ سے ہے، سماعِ نافع و قبوُل مُراد ہے نہ کہ مطلق سماع ، اور اسی صورت میں منشاءِ خداوندی بھی پورا ہوتا ہے اور مُشبّہ اور مُشبّہ بہ میں وجہ تشبیہ بھی خوب واضح ہوتی ہے اور ہر چیز اپنے موقع پر بالکل فِٹ بیٹھی ہے اور کسی کا کسی سے تعارض و تضاد باقی نہیں رہتا اور اس ٹھوکر کا یہ مرحلہ اسی وقت پیش آتا ہے جب بجائے حضرات سلفِ صالحین رح اور اکابر کی بات پر اعتماد کرنے کے اپنی اختراعی تاویلات سے کام لیا جائے ۔ جیساکہ علّامہ اقبال رح نے فرمایا ہے ؎

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفےٰ را

دوسری آیت کریمہ: اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ:-

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ	البتہ تو نہیں سُنا سکتا مردوں کو اور نہیں
الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ہ رپ	سُنا سکتا بہروں کو اپنی پکار جب لوٹیں
۱۹- النمل -۶ و پ ۲۱- الروم -۵)	وہ پیٹھ پھیر کر-

حضرات منکرین سماع موتیٰ اپنے دعویٰ کے لئے اس آیتِ کریمہ سے بزعمِ خویش سمجھی ہوئی مراد کو حجتِ قطعیہ سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مردے نہیں سُنتے کیونکہ جب اسماع کی نفی ہوئی تو سماع کی لازماً نفی ہو گئی۔

الجواب:- اس آیتِ کریمہ کی دو تفسیریں مشہور ہیں پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس میں سماعِ نافع کی نفی ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ کثیر رح لکھتے ہیں:-
ای لا تسمعھم شیئاً ینفعھم اھ (تفسیر ابنِ کثیر ج ۳ ص ۳۸۴) یعنی تو اُن کو کوئی ایسی شئے نہیں سُنا سکتا جو اُن کو نفع دے۔ مطلب واضح ہے کہ مطلق سماع و اسماع کی نفی نہیں بلکہ سماعِ مفید و نافع کی نفی ہے اور سابق پیش کردہ مفصّل بحث اور قرآنِ کریم کی صریح آیات اور ان کی ضروری تشریح کی موجودگی میں اس کے سمجھنے میں کسی بھی عقلمند کو قطعاً کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی۔ ہاں دشواری ہو گی تو صرف حق تسلیم کر لینے اور اسکو قبول کر لینے میں۔

حافظ ابنِ کثیرؒ کے اس مختصر مگر کافی وشافی تفسیر کی موجودگی میں مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ طلباءِ علم کو علمی و تحقیقی طور پر کوئی اُلجھن باقی نہ رہے۔ اس لئے مزید تشریح کرتے ہیں اور چند اہم حوالے ہم عرض کئے دیتے ہیں۔ ماننے والوں کے لئے ان میں اطمینانِ قلب کا خاصا مواد ہوگا اور نہ تسلیم کرنے والوں کا پارہ اس سے اور چڑھ جائے گا۔ اور یہ ایک فطری بات ہے کسی کے بس کی نہیں۔

حافظ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد استدلت ام المؤمنین عائشة رضی الله تعالیٰ عنها بهذه الآية اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى على توهيم عبد الله بن عمر فی روایته مخاطبة النبی صلی الله علیه وسلم القتلى الذین القوا فی قلیب بدر بعد ثلاثة ایام ومعاتبته ایاهم وتقریعه لهم حتی قال له عمر یارسول الله ما تخاطب

حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضؓ نے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی آیت سے حضرت ابن عمر رضؓ کے وہم پر استدلال کیا جو (بقول اُن کے) ان کو اس روایت کے بیان کرنے میں ہُوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مقتولینِ بدر سے جب ان کو کنوئیں میں ڈالا گیا، تین دن کے بعد خطاب کیا اور اُن کو ڈانٹ پلائی اور اُن کو سرزنش کی یہاں تک کہ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا۔ یا رسُول اللہ! آپ ایک مُردہ قوم سے کیسے

من قوم قد جيفوا؟ فقال
والذی نفسی بيده ما انتم
باسمع لما اقول منهم ولکن
لا يجيبون وتاولته عائشة رضؓ
على انه قال انهم الآن ليعلمون
ان ما كنت اقول لهم حق وقال
قتادة احياهم الله له حتى
سمعوا مقالته تقريعًا وتوبيخًا
ونقمة والصحيح عند العلماء
رواية عبد الله بن عمر
لما لها من الشواهد على
صحتها من وجوه كثيرة
من اشهر ذلك ما رواه
ابن عبد البر مصححا له الخ
(تفسير ج ۳ ص ۴۳۸)

خطاب فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اُس
خُدا کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان
ہے، تم اس بات کو جو مَیں اُن سے کہہ رہا
ہُوں، اُن سے زیادہ نہیں سُنتے۔ لیکن وہ جواب
نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اس
کی یہ تاویل کی کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ بلاشبہ
یہ کُفّار اب جانتے ہیں کہ مَیں جو کچھ اِن سے کہا
کرتا تھا وہ حق ہے۔ قتادہ رحؒ کہتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے اُن کو آپ کی خاطر زندہ کیا
حتّیٰ کہ اُنھوں نے آپ کی بات سُنی اور یہ
سب کچھ سرزنش، ڈانٹ اور اُن کی بُرائی
اُن پر ظاہر کرنے کے لئے تھا لیکن جمہور علماء
کے نزدیک حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ ہی
کی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی صحت
کے متعدد اسانید سے بکثرت شواہد ہیں
جن میں سے مشہور وہ روایت ہے جس
کی امام ابن البر رحؒ نے تصحیح کی ہے۔

اس کے بعد اُنہوں نے وُہی سابق روایت نقل کی جس کی مفصّل بحث پہلے گزر چکی ہے۔

حافظ ابنِ کثیرؒ کے اس بیان کے مطابق حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت صحیح ہے کیونکہ اس کی صحت پر متعدد وجوہ سے شواہد موجود ہیں اس کے بعد اُنھوں نے کچھ شواہد پیش کئے ہیں جن میں سے ایک حضرت ابنِ عباسؓ کی وہ مرفوع روایت ہے جس کی تصحیح امام ابن البرؒ نے کی ہے اور ہم باحوالہ پہلے اس کو عرض کر چکے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت اور ان کا استدلال خود محتاج تاویل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ کا علمی مقام اور شان اپنی جگہ پر مسلّم ہے لیکن حضرت عمرؓ جن کی روایت مسلم ج۲ صـ۳۸۷ میں ہے، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت ابوطلحہؓ جن کی روایت بخاری ج۲ صـ۵۶۶ اور مسلم ج۲ صـ۳۸۷ میں ہے، وغیرہ جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ کی صحیح روایات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور جمہور کی تحقیق کو نظر انداز کر کے کس کس کے وہم کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے جب کہ حضرت حسنؓ نے جنگ جمل کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ فرمایا تھا۔

وتعلمون ان وهن النساء و	اور تم جانتے ہو کہ بے شک عورتیں کمزور اور
ضُعف رأيهنّ الى التلاشی	ان کی رائے بھی ضعیف و مضمحل ہوتی ہے۔

(الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہؒ ج ۱ صـ۶۷ طبع مصر)

حضرت عائشہؓ کی حضرت ابن عمرؓ پر یہ گرفت بخاری ج۲ صـ۵۶۷ و مسلم ج۲ صـ۳۸۷ وغیرہ میں موجود ہے جس میں انهم الآن ليعلمون

کے الفاظ موجود ہیں لیکن علم سماع کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

وقال علماء الامۃ ان العلم یستلزم السماع ولا ینافیہ کما حققہ ابن تیمیۃ وابن القیم وابن رجب والسیوطی وغیرھم الخ (المنحۃ الوھبیۃ ص ۹)

علماء اُمت نے یہ کہا ہے کہ علم سماع کو مستلزم ہے اس کے منافی نہیں ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رح امام ابن القیم رح علامہ ابن رجب رح اور امام سیوطی رح وغیرہ نے اسکی تحقیق کی ہے

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں :۔

وھذا مصیر من عائشۃ رض الیٰ رد روایۃ ابن عمر رض المذکورۃ وقد خالفھا الجمھور فی ذٰلک وقبلوا حدیث ابن عمر رض لموافقۃ من رواہ غیرہ علیہ واما استدلالھا بقولہ تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی فقالوا معناھا لا تسمع سماعًا ینفعھم اولا تسمعھم الّا ان یشاء اللہ تعالیٰ قال السھیلی عائشۃ رض لم تحضر قول النبی صلے اللہ علیہ

حضرت عائشہ رض اپنی اس تاویل میں اس طرف جارہی ہیں کہ حضرت ابن عمر رض کی مذکورہ روایت مردود ہے لیکن جمہور اہلِ اسلام نے حضرت عائشہ رض کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رض کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں ان کے موافق ہیں۔ رہا ان کا اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی سے استدلال تو جمہور نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو ان کو اس طرح نہیں سُنا سکتا، جس سے ان کو نفع ہو یا تو اُن کو اللہ تعالےٰ

وسلم فخيرها ممن حضر
احفظ للفظ النبي صلے اللہ تعالےٰ
عليه وسلم وقد قالوا له يارسول
الله انخاطب قوما قد جيفوا
فقال ما انتم باسمع لما اقول
منهم قال واذا جاز ان يكونوا
في تلك الحال عالمين جاز ان
يكونوا سامعين اما باذان
رؤسهم كما هو قول الجمهور
او باذان الروح على رأي من يوجه
السوال الى الروح من غير
رجوع الى الجسد قال واما الآية
فانها كقوله تعالى أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ
الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ اي ان
الله تعالى هو الذي يسمع ويهدي
انتهى وقوله انها لم تحضر صحيح
لكن لا يقدح ذلك في روايتها

کی مشیّت کے بغیر نہیں سُنا سکتا۔ امام سہیلیؒ
فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ بدر میں آپ کے
اس ارشاد کے موقع پر حاضر ہی نہ تھیں لہٰذا
اُن حضرات کو جو اس موقع پر حاضر تھے آپ
کا فرمان زیادہ یاد ہو سکتا ہے حالانکہ انھوں نے
آپ سے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ایسی قوم سے
خطاب فرماتے ہیں جو مُردہ ہے؟ سو آپ نے
فرمایا کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے
زیادہ نہیں سُنتے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب
کفار اس حالت میں جاننے والے ہیں تو جائز
ہے کہ وہ سننے والے بھی ہوں یا تو اپنے سَر
کے حِسّی کانوں سے، جیساکہ جمہور کا قول ہے
اور یا رُوح کے کانوں سے اُن حضرات کے
نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ (نکیرین کا) سوال
رُوح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور رُوح بدن
کی طرف نہیں لَوٹتی اور فرمایا کہ رہی آیت
کریمہ، تو وُہ اللہ تعالےٰ کے اس اِرشاد کی

لانہ مرسل صحابی ھو
محمول علیٰ انہا سمعت
ذٰلک ممّن حضرہ او
من النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم بعد ولوکان
ذٰلک قادحًا فی روایتہا لقدح
فی روایۃ ابن عمر رض
فانہٗ لم یحضر ایضًا ولا
مانع ان یکون النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال
اللفظین معًا فانہ لا تعارض
بینہما وقال ابن التین
لا معارضۃ بین حدیث
ابن عمر رض والآیۃ لان
الموتٰی لا یسمعون بلا شک
لکن اذا اراد اللہ تعالیٰ
اسماع ما لیس من شانہٗ

طرح ہے کہ کیا تو بہروں کو سُنا سکتا ہے یا
اندھوں کو ہدایت دے سکتا ہے یعنی تیری
قدرت نہیں) اللہ تعالیٰ ہی سناتا اور ہدایت
دیتا ہے۔ امام سہیلی رح کا بیان ختم ہوا۔ اُن کا
یہ ارشاد کہ حضرت عائشہ رض اس موقع پر حاضر
نہ تھیں صحیح ہے لیکن اس کی وجہ سے
ان کی روایت میں کوئی عیب پیدا نہیں
ہوتا کیونکہ وہ صحابی کا مرسل ہے جو اس بات
پر محمول ہے کہ انھوں نے اُس موقع پر
حاضرین سے سُنا یا براہِ راست آں حضرت
صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے اس کے بعد
سُنا اور اگر اس وجہ سے ان کی روایت پر
قدح ہو سکتی ہے تو یہی اعتراض بعینہ حضرت
ابن عمر رض کی روایت پر بھی ہے جو اُس موقع
پر حاضر نہ تھے اور کوئی مانع نہیں کہ آپ نے
دونوں لفظ (سماع اور علم کا) اکٹھے ارشاد
فرمائے ہوں۔ کیونکہ ان دونوں میں کوئی

السماع لم يمتنع كقوله تعالیٰ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الآیۃ وقوله فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا الآیۃ (فتح الباری ج ۳ ص ۴۷۷)

تعارض نہیں۔ محدث ابن التین رح فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رض کی حدیث اور اس آیت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مُردے خود نہیں سُنتے لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہے کہ ایسی چیز سُنا دے جس کی شان سُننا نہیں تو یہ ممتنع نہیں ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی اور جیسا فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا کہ تم خوشی سے بن جاؤ یا جبراً

امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی رح (المتوفی ۵۸۱ھ) کی جس عبارت کا حوالہ حافظ ابنِ حجر رح نے دیا ہے وہ اُن کی کتاب الروض الانف ج ۲ ص ۴۴ طبع مصر میں ہے۔ اس عبارت میں بے شمار فوائد میں سے چند یہ ہیں جو صراحت سے درخشاں ہیں (۱) جمہور نے حضرت عائشہ رض سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے (۲) جمہور نے حضرت ابنِ عمر رض کی اس روایت کو قبول کیا ہے کہ مُردے سُنتے ہیں۔ (۳) اس روایت کے بیان کرنے میں حضرت ابن عمر رض متفرد نہیں بلکہ اور صحابہ کرام رض بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ (۴) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے ایسے سماع کی نفی ہے جو نافع اور مفید ہو اور مرنے کے بعد جب تکلیفی زندگی ہی ختم ہو گئی تو

اب ان کو اس سماع سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ (۵) اور یا یہ مطلب ہے کہ تو ان کو نہیں سُنا سکتا یعنی تجھے اس پر قدرت نہیں - ہاں اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کو سُنا دے (۶) جمہور کے نزدیک یہ سماع رُوح اور بدن دونوں کے ساتھ وابستہ ہے (۷) ہاں کچھ لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ سماعت رُوحانی ہے اور وہ رَد الروح الی الجسد کے قائل نہیں ہیں لیکن جمہور کا یہ مسلک نہیں ہے ۔ والحق مع الجمہور ۔ اور آگے کتاب المغازی میں فرماتے ہیں کہ :-

قال البیہقی رح العلم لا یمنع من السماع والجواب عن الآیۃ انہ لا یسمعھم وھم موتی ولکن اللہ تعالیٰ احیاھم حتیٰ سمعوا کما قال قتادۃ ولم ینفرد عمر رض ولا ابنہ بحکایۃ ذٰلک بل وافقھما ابوطلحۃ رض کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث	امام بیہقی رح نے فرمایا کہ علم سماع سے نہیں روکتا اور آیت کریمہ کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ اس حالت میں وہ نہیں سُنتے جب وہ مُردے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتّیٰ کہ انھوں نے آپ کا کلام سُنا جیسا کہ قتادہ رح کی روایت میں ہے اور اس حدیث اور حکایت کو بیان کرنے میں حضرت عمر رض اور ان کے بیٹے ابن عمر رض ہی متفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ رض بھی ان کے موافق ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اور طبرانی میں حضرت ابن مسعود رض کی روایت بھی ایسی ہی ہے جس کی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن سیدان

عبد اللہ بن سیدان
نحوہ وفیہ قالوا یا رسول
اللہ وھل یسمعون؟ قال
یسمعون کما تسمعون
ولکن لا یجیبون
وفی حدیث ابن مسعود
ولکنھم الیوم لا یجیبون
ومن الغریب ان فی المغازی
لابن اسحاق روایۃ یونس
بن بکیر باسناد جیّد عن
عائشۃ رض مثل حدیث ابی
طلحۃ وفیہ ما انتم
باسمع لما اقول منھم
واخرجہ احمد باسناد
حسن فان کان محفوظًا
فکانّھا رجعت عن الانکار
لما ثبت عندھا من

سے بھی اسی مضمون کی روایت ہے اور اس
روایت میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رض نے
فرمایا یا رسول اللہ کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا
ہاں سنتے ہیں اسی طرح جیسے تم سنتے ہو لیکن وہ
جواب (جس کو تم سنو) نہیں دے سکتے۔ اور
حضرت ابن مسعود رض کی روایت میں ہے لیکن
وہ آج کے دن جواب نہیں دیتے اور یہ بڑی
نرالی بات ہے کہ ابن اسحاق رح کے مغازی
میں یونس رح بن بکیر رح کے طریق سے جیّد اسناد
کے ساتھ حضرت عائشہ رض سے اسی طرح روایت
ہے جیسے حضرت ابوطلحہ رض سے۔ جس میں
ما انتم باسمع لما اقول منھم کے الفاظ
موجود ہیں اور امام احمد رح نے بھی حسن اسناد
کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ سو اگر یہ الفاظ
محفوظ ہوں تو گویا یہ اس پر دلالت کرتے ہیں
کہ حضرت عائشہ رض نے سماع موتیٰ کے انکار
سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان

روایات ھؤلاء الصحابۃ رض لکونھا لم تشھد القصۃ ۔ (فتح الباری ج ۸ ص۳۰۵ و ص۳۰۶)

جلیل القدر حضرت صحابہ کرام رض کی روایتیں ثابت ہو گئیں (جو موقع پر حاضر تھے اور) حضرت عائشہ رض ناظر نہ تھیں۔

اس سے معلوم ہُوا کہ (۱) اثبات علم اور اثبات سماع کی حدیثوں میں حقیقۃً کوئی تعارض نہیں۔ دونوں جمع ہو سکتی ہیں (۲) آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ ان کو مُردہ ہونے کی حالت میں نہیں سُنا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تھا جیسا کہ حضرت قتادہ رح نے کہا تو پھر انھوں نے سُن لیا (اور اعادہ رُوح سب کے لئے ثابت ہے لہٰذا سب سُن سکتے ہیں۔ صفدر) (۳) سماعِ موتیٰ کی روایت بیان کرنے میں صِرف حضرت عمر رض اور ان کے فرزند عبد اللہ بن عمر رض ہی متفرد نہیں بلکہ حضرت ابُو طلحہ رض، حضرت ابن مسعود رض اور عبد اللہ بن سیدان رض بھی اس قصہ کے بیان میں ان کے مؤید و مصدّق ہیں۔ (۴) اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود حضرت عائشہ رض سے بقول حافظ ابنِ حجر رح باسناد جیّد اور باسناد حسن سماعِ موتیٰ کی روایت مروی اور ثابت ہے۔ (۵) اگر حضرت عائشہ رض کی اس روایت میں سماع کا لفظ محفوظ ہے (اور جب بقول ان کے سند جیّد اور حسن ہے تو قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ لفظ محفوظ ہی ہے۔ صفدر) تو پھر یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رض نے انکارِ سماعِ موتیٰ سے رجُوع کر لیا تھا کیونکہ

جب ان کے نزدیک دیگر حضرات صحابہ کرام رض کی روایات ثابت ہوگئیں جو اصل موقع پر موجود تھے اور وہ خود وہاں موجود نہ تھیں تو انھوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کر لیا اور اس مسئلہ میں اُن کی ہمنوا ہوگئیں کیونکہ اکثریت دوسری طرف تھی اور مشہور ہے کہ ع

زبانِ خلق کو نقّارۂ خُدا سمجھو!

مولانا مبارکپوری صاحب رح نقل کرتے ہیں کہ :-

قال الحافظ فی فتح الباری قال القرطبیؒ انکار عائشۃ رض ذلک وحکمها علی الراوی بالتخطئۃ او النسیان او علی انہ سمع بعضًا ولم یسمع بعضًا بعید لان الرواۃ لهذا المعنیٰ من الصحابۃ رض کثیرون وهم جازمون فلا وجه للنفی مع امکان حمله علی محمل صحیح انتهٰی (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۳۶)

حافظ ابن حجر رح فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رض کا سماعِ موتیٰ کا انکار اور ان کا راوی پر خطا یا نسیان کا حکم لگانا یا یہ کہنا کہ راوی نے بعض حصّہ سُنا اور بعض نہیں سُنا ایک بعید سی بات ہے کیونکہ حضرات صحابۂ کرام رض سے اس مفہوم کو بیان کرنے والے بکثرت ہیں جو جزم سے بیان کرتے ہیں لہٰذا نفی کی کوئی وجہ نہیں جبکہ اس کو صحیح محمل پر (مثلاً یہ کہ سماعِ قبول کی نفی ہے) حمل کرنا ممکن ہے۔

حضرت مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنوی رح لکھتے ہیں :-

وامارد عائشة رض بعض تلك الاحادیث
فلم یعتد به جمهور الصحابة رض
ومن بعدهم واما قوله تعالی
انك لا تسمع الموتىٰ ففیه نفی الاسماع
لا السماع علی ان الصحیح ان المراد
بالموتیٰ هناك موتی القلوب وهم
الكفار لا الاموات العرفية الی ان
قال وبالجملة لم یدل دلیل قوی
علی نفی سماع المیت وادراکه
وفهمه وتألمه لا من الکتاب ولا من
السنة بل السنن الصحیحة الصریحة
دالة علی ثبوتها له والحق فی هذا
المقام ان هذا کله من تقریرات
المشائخ وتوجیهاتهم وتکلفاتهم
ولا عبرة بها حین مخالفتها الاحادیث
الصحیحة وآثار الصحابة الصریحة
واما ایمتنا فهم بریئون عن

بہرحال حضرت عائشہ رض کا اِن بعض احادیث
کا رد کرنا تو جمہور صحابہ کرام رض اور ان کے بعد
کے حضرات نے اس رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا
رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی
تو اس سے نفیٔ اسماع مراد ہے نہ کہ نفیٔ سماع
علاوہ ازیں صحیح بات یہ ہے کہ الموتیٰ سے مراد اس
مقام پر وہ کافر ہیں جن کے دل مردہ ہیں عرفی
اموات مراد نہیں ہیں (پھر آگے فرمایا) خلاصۂ
کلام یہ ہے کہ میت کے سماع ادراک فہم اور
اسکے تکلیف اٹھانے کی نفی پر کوئی قوی دلیل
دال نہیں ہے نہ کتاب اللہ سے اور نہ سُنّت
سے بلکہ صحیح اور صریح حدیثیں ان امور کے میت
کے لئے اثبات پر دال ہیں اور حق اس مقام
میں یہ ہے کہ نفی کی جملہ تاویلات مشائخ کی اپنی
تقریریں اور توجیہات و تکلفات ہیں اور احادیث
صحیحہ اور آثار صحابہ رض کے مقابلہ اور مخالفت
میں ان تکلّفات کا کوئی اعتبار نہیں۔ رہے

انکار هذه الامور اه (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۵۴)

ہمارے ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ رح امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح وغیرہ) تو نفی سماعِ موتیٰ وغیرہ امور سے وہ بالکل بری ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں کہ :-

والنص الصحیح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مقدم علی تاویل من تاوّل من اصحابه وغیره ولیس فی القرآن ما ینفی ذلك فان قوله إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ انما اراد به السماع المعتاد الذی ینفع صاحبهٗ فان هذا مثل ضرب الکفار والکفار تسمع الصوت لکن لا تسمع سماع قبولٍ بفقه واتباعٍ اه (فتاوی ابن تیمیہ رح ج ۴ ص ۲۹۸)

وہ نص صحیح جو آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے وارد ہے وہ اس تاویل پر جو آپ کے بعض صحابہ رض وغیرہم نے کی ہے، مقدم ہے اور قرآنِ کریم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی نفی کرتی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ بے شک تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا، اس سے مُراد وہ معتاد سماع ہے جو سامع کو نفع دے۔ بلاشبہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفّار کے لئے بیان فرمائی ہے اور کفار آواز سُنتے ہیں لیکن سمجھ اور پیروی کے جذبہ سے سماعِ قبول اُن کو حاصل نہیں ہے۔

اور اس سے قبل انھوں نے حضرت عائشہ رض کا نام لے کر اُن کی عدم

سماعِ موتیٰ کی تاویل کو مرجوح قرار دیا ہے اور پھر زوردار الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ:۔

واھل العلم بالحدیث والسنۃ	حدیث و سُنّت کا علم رکھنے والے اس امر
اتفقوا علی صحۃ مارواہ انس رض	پر متفق ہیں کہ حضرت انس رض اور حضرت عمر رض
وابن عمر رض وان کانالم یشھدا	سے (سماع موتیٰ کی) حدیثیں صحیح ہیں۔
بدرا فان انسا رض روی ذٰلک عن	وہ دونوں اگرچہ غزوہ بدر میں شریک نہیں
ابی طلحۃ رض وابوطلحۃ رض شہد	ہوئے لیکن حضرت انس رض نے یہ روایت
بدرا الخ (فتاویٰ ج ۴ ص ۲۹۷)	حضرت ابوطلحہ رض سے روایت کی ہے اور
	وہ بدر میں شریک تھے۔

لطیفہ حافظ ابن حجر رح اور امام ابن تیمیہ رح وغیرہ کی محدثانہ اور فقیہانہ تحقیق تو آپ نے ملاحظہ کرلی اور مؤلف ندائے حق کی یہ گپ بھی آپ کو یاد ہوگی جو پہلے بیان ہوچکی ہے کہ:۔ " تو یہ صحابہ رض کا سکوت بطور ندامت کے تھا کہ کیسے صاف صاف قرآن پاک میں سماعِ موتیٰ کی نفی وارد ہے مگر ہمارے ذہن سے ذہول ہوگیا مارے شرمندگی کے خاموش ہوگئے اور اس مسئلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ اُمّ المؤمنین رض کے ساتھ ہوگئے اور عدمِ سماعِ موتیٰ پر تمام صحابہ کرام رض کا اجماع ہوگیا" (ص ۱۵۱)

سبحان اللہ تعالیٰ کیا ہی عجیب تحقیق ہے جس کو سُننے کے بعد محققین کے سر بھی شرم کے مارے جُھک جاتے ہیں۔ موصوف کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جمہور حضرات

صحابہ کرام رضؓ کا سماعِ موتیٰ کا جو موقف پہلے تھا وہ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت اور تاویل سُن کر بھی بدستور باقی رہا۔ نہ تو وہ حضرات شرمندہ ہوئے اور نہ خاموش رہے۔ وہ بدستور زور و شور کے ساتھ سماعِ موتیٰ کی حدیثیں بیان کرتے رہے اور تمام حضرات صحابہ کرام رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کے ہمنوا تو کیا ہوتے بقول حافظ ابن حجر رحؒ خود حضرت عائشہ رضؓ انکارِ سماعِ موتیٰ سے رجوع کر کے جمہور حضرات صحابہ کرام رضؓ کی ہمنوا ہو گئیں اور حضرت عائشہ رضؓ کے رجوع کی وہ صحیح روایت بھی تائید کرتی ہے جو حضرت ابن ابی ملیکہ رحؒ سے یوں مروی ہے کہ :-

قال توفی عبد الرحمٰن رضؓ بن ابی بکرؓ بالحُبْشِیّ قال فحمل الی مکۃ فدفن فیھا فلما قدمت عائشۃ رضؓ اتت قبر عبد الرحمٰن رضؓ بن ابی بکر فقالت الی قولہ ثم قالت واللّٰہ لو حضرتک ما دُفِنْتَ اِلّا حیث مُتَّ ولو شھدتک ما زُرتک۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷ و رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰)	عبد الرحمٰن رضؓ بن ابی بکر رضؓ (مکہ مکرمہ کے قریب) حُبْشِیّ کے مقام پر وفات پا گئے اور ان کو اٹھا کر مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں ان کو دفن کیا گیا جب حضرت عائشہ رضؓ (حج کے موقع پر) آئیں تو عبد الرحمٰن رضؓ بن ابی بکر رضؓ کی قبر پر بھی آئیں تو کہا (مرثیہ کے دو شعر پڑھے جو ان کتابوں میں مذکور ہیں) پھر فرمایا بخدا اگر میں تیری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو تو وہاں ہی دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی تھی۔

اور اگر مَیں اُس وقت موجود ہوتی تو اب
تیری قبر کی زیارت کے لیے مَیں نہ آتی۔

ظاہر بات ہے کہ اگر یہ محض تحسّر اور افسوس کے طور پر خیالی رنگ میں حضرت عبدالرحمٰن رض سے خطاب ہوتا تو حضرت عائشہ رض کو اُن کی قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی، وہ مدینہ طیبہ میں یا دُور ہی سے ایسا کہہ دیتیں۔ یہ خطاب اُن کے رجوع کا واضح قرینہ ہے۔

اور القاضی البیضاوی رح لکھتے ہیں کہ:-

وانما شُبّھوا بالموتیٰ لعدم انتفاعھم باستماع ما یتلیٰ علیھم کما شُبّھوا بالصم فی قولہ تعالیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین فان اسماعھم فی ھذہ الحالۃ ابعد (تفسیر بیضاوی علی القرآن العظیم ص۳۲۱ طبع مصر)

ان زندہ کافروں کو مُردوں کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اس چیز کو جو اُن پر پڑھی جاتی ہے، سُن کر نفع نہیں حاصل کرتے جیسا کہ ان کو وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ۔ کے ارشاد میں بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس حالت میں اُن کا سُننا بعید تر ہے۔

اس تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ زندہ کفار کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ اس امر میں نہیں دی گئی کہ وہ سِرے سے سُنتے ہی نہیں بلکہ تشبیہ اس سماع کی ہے جو موجبِ انتفاع ہو اور یہ بالکل واضح ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) انک لا تسمع الموتی کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"ف۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے ہرچند کہ مردوں سے مراد یہاں کفار ہیں مگر تشبیہ جب ہی درست ہو سکے گی جب مردے نہ سنتے ہوں لیکن چونکہ بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ نہ کہ بعید سے وارد ہے اس لیے بعض علماء نے آیت (کے معنی) میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے اور قرینہ اس کا علاوہ دفع تعارض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا۔ پس مردوں سے بھی یہی منفی ہے (یعنی تشبیہ صرف اس پہلو میں ہے نہ کہ نفس سماع میں۔ صفدر) چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے، بیکار ہے کیونکہ وہ دار العمل نہیں اور ثواب سے نفع ہونا یا تلاوت قرآن سے انس ہونا یہ دوسری بات ہے، مقصود مواعظ کا نافع نہ ہونا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ مردے میں مردۂ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سن سکتا مگر اس سے روح کی نفی لازم نہیں آتی (یعنی سماع بہرکیف ثابت ہے بدن اور روح مل جل کر سنیں جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے یا نفس روح سنے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ صفدر) اور علماء مانعین نے حدیثوں میں کچھ مناسب تاویلیں کر کے تعارض کو دفع کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم" انتھی بلفظہ (تفسیر بیان القرآن ج ۸ ص ۹۸) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اہل کشف تو عموماً سماع موتی کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں، میں انہیں کا معتقد ہوں کیونکہ مجھے ظن غالب ہے کہ موتی سنتے ہیں دیکھئے حدیث میں صاف وارد ہے وانہ یسمع قرع نعالھم یعنی مردہ گورستان میں آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے الخ (ملفوظات اسعد الابرار ص ۲۹۱، جمع کردہ

مولانا سید محمد ابرار الحق صاحب خلیفہ حضرت تھانوی)

حضرت مولانا عبد الحق صاحب حقانی رح جن کو مؤلف ندائے حق مفسّر و متکلّم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۷۲) (المتوفی ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۴ء) اپنی مستند اور محقق تفسیر میں آیت روم کی اسی مذکورہ آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

"ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مُردہ نہیں سُنتا، اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آجکل یہ مسئلہ سماعِ موتیٰ باہمی قیل وقال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدمِ سماع کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ اِس لئے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے رہے احادیث و اقوال، ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میّت نہیں سُن سکتی بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مُردے زندوں کی آواز سُنتے ہیں از انجملہ وہ احادیث ہیں جو زیارتِ قبور کی بابت وارد ہیں" الخ (تفسیر حقانی ج ۶ ص ۱۴) اس کے بعد انھوں نے چند صحیح احادیث کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا ذکر ہم باحوالہ پہلے کر چکے ہیں۔ الغرض جن آیات سے منکرین سماعِ موتیٰ انکار پر استدلال کرتے ہیں۔ ان آیات کی عدمِ سماعِ موتیٰ پر دلالت تو کیا ہوتی۔ بقول علامہ حقانی رح ان میں عدمِ سماع کا

اشارہ تک بھی نہیں ہے مگر یہ ظلم ہے کہ اب جو حضرات سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں وہ اس آیت سے اپنے استدلال کو نصِّ قطعی سمجھتے ہیں اور مجوّزین سماعِ موتیٰ کی تکفیر کرتے ہیں جیسا کہ اسی کتاب میں باحوالہ نیلوی صاحب کی عبارتیں عرض کر دی گئی ہیں۔

دُوسری تفسیر

اس مضمون کی آیات کی دُوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مثلاً اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بس، اختیار اور قدرت میں یہ بات نہیں کہ تو مُردوں کو سُنائے یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یعنی نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجر رح فرماتے ہیں کہ :-

لان الاسماع هو ابلاغ الصوت من المُسمع فی اذن السامع فالله تعالیٰ هو الذی اسمعهم بان ابلغهم صوت نبیّه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بذلك (فتح الباری ج ۸ ص۳۰۶)	اسماع کا معنی یہ ہے کہ سنانے والے کی آواز کو سُننے والے کے کان تک پہنچایا جائے سو یہ کام اللہ تعالےٰ کا ہے کہ اس نے آنحضرت صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی آواز کفّار کے کانوں تک پہنچادی۔

اور یہ بات شرعًا بالکل ثابت ہے کہ جو کام عادۃً انسان کے بس میں نہ ہو باوجود اس کے وہ کام کرنے کے اس سے نفی درست ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى الآیۃ (پ ۹- الانفال - ۲)	سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ تعالےٰ نے پھینکی۔

ظاہر امر ہے کہ غزوہ بدر میں کفار کو قتل کرنے والے حضرت حمزہ رضؓ حضرت علی رضؓ اور حضرت عبیدہ رضؓ وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضؓ تھے اور کنکریوں کی ایک مٹھی آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تین مرتبہ شَاهَتِ الْوُجُوهُ (ای قُبِّحَتْ) فرما کر پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ بظاہر دونوں کی نفی فرما رہے ہیں کہ نہ تو تم نے کافروں کو قتل کیا ہے اور نہ حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی ہے بلکہ یہ کام اللہ تعالےٰ نے کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں ملنے لگے۔ اِدھر سے مُسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا۔ آخر بہت سے کافر کھیت رہے۔ اُسی کو فرماتے ہیں کہ بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں۔ یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے مُنہ پھیر دیئے اور تم بے سر و سامان قلیل التعداد مُسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمھارے زورِ بازو سے کافروں کے ایسے ایسے مُنڈ مارے

جاتے۔ یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اتارا۔ (فوائد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح)۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :۔

اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ	بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ	سے تو محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ جس
وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ۝	کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی خوب
(پ ۲۰۔ القصص۔ ۶)	جانتا ہے اُن کو جو ہدایت پانے والے ہیں۔

اب اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کسی فرد کو ہدایت نہیں دے سکتے تو اس کو ہدایت حاصل بھی نہیں ہو سکتی۔ مُراد تو بالکل واضح ہے کہ ہدایت دینا اللہ تعالےٰ کا کام ہے آپکا نہیں۔ آپ صرف راہ بتاتے اور رہنمائی کرتے ہیں اور اس معنی میں آپ ہادیٔ برحق ہیں لیکن ہدایت دینے کے معنی میں ہادی صرف حق تعالےٰ ہے اور بس۔ کسی اور کا اس میں رتّی بھر دخل نہیں ہے۔

اسی مد میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

اِنَّ اللّٰهَ یُسۡمِعُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ	بے شک اللہ تعالیٰ سُناتا ہے جس کو چاہے
بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ۝	اور تو نہیں سُنا سکتا قبروں میں پڑے
(پ ۲۲۔ الفاطر۔ ۳)	ہوؤں کو۔

لہٰذا اسماع کی نفی سے سماع کی نفی نہیں ہوتی اور اسی کو حضرت مولانا نانوتوی رح اور حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب رح وغیرہ حضرات نے یوں تعبیر فرمایا کہ سمع اموات حدِ اسماع سے تو پرے ہے پر استماع اموات ممکن ہے۔ حافظ ابنِ کثیر رح لکھتے ہیں کہ :۔

یقول تعالیٰ کما انک لیس فی قدرتک ان تسمع الاموات فی اجداثها ولا تبلغ کلامک الصم الذین لا یسمعون وهم مع ذٰلک مدبرون عنک کذٰلک لا تقدر علیٰ هدایة العمیان عن الحق وردهم عن ضلالتهم بل ذٰلک الی الله تعالیٰ فانه تعالیٰ بقدرته یُسمِعُ الاموات اصوات الاحیاء اذا شاء ویهدی من یشاء ویضل من یشاءُ و لیس ذٰلک لاحد سواه :

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے تیرے بس میں یہ نہیں کہ تو مُردوں کو اُن کی قبروں میں سُنائے اور نہ یہ کہ تیرا کلام ان بہروں تک پہنچ سکے جو سُنتے نہیں جبکہ انھوں نے تیری طرف اپنی پیٹھ بھی پھیر دی ہو۔ اسی طرح تو حق سے اندھوں کو ہدایت دینے پر اور ان کو گمراہی سے ہٹانے پر قادر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وُہ مُردوں کو اپنی قدرت سے جب چاہتا ہے زندوں کی آوازیں سُنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور یہ کارروائی اللہ تعالےٰ کے بغیر کسی اور کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔

اس تفسیر کے رُو سے نفی اس سماع کی ہے جو انسان کے بس اور قدرت میں نہیں اور اِنَّ اللہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۔ میں اس سماع کا اثبات ہے جو مُردوں کے لئے ثابت ہے جیساکہ ابھی اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ الآیۃ کی تفسیر میں نفی اور اثبات کا معنی بیان ہُوا ہے۔

امام محمّد بن جریر رح الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) اِنَّ اللہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

کما لا یقدر ان یسمع من فی القبور کتاب اللہ فیھدیھم بہ الی سبیل الرشاد فکذلک لا یقدر ان ینفع بمواعظ اللہ وبیان حججہ من کان میت القلب من احیاء عبادہ عن معرفۃ اللہ وفھم کتابہ وتنزیلہ وواضح حججہ اھ (تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص ۱۲۹)

جس طرح اہلِ قبور کو اللہ تعالٰے کی کتاب سُنا کر ان کو راہِ راست پر لانے کی قدرت کسی کو نہیں۔ اسی طرح یہ قدرت بھی کسی کو نہیں کہ اللہ تعالٰی کی نصیحتیں اور اسکی واضح دلیلیں بیان کرکے ان مُردہ دلوں کو نفع پہنچایا اور زندہ کیا جائے جو اس کے بندوں میں سے اس کی معرفت اس کی کتاب کی فہم اس کے اُترنے اور اس کی واضح دلیلوں کی معرفت سے بے خبر اور مُردہ دِل ہیں۔

نیز وہ لکھتے ہیں :-

وقولہ انک لا تسمع الموتی

اور اللہ تعالٰی کا ارشاد کہ بے شک تو مُردوں

يقول يا محمد لا تقدر ان تفهم الحق من طبع الله على قلبه فاماته لان الله قد ختم عليه الا يفهمه الخ (تفسیر ابن جریر ج ۲۰ ص ۱۲)

کو نہیں سنا سکتا یعنی اے محمدؐ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم) تو اس پر قادر نہیں کہ اس شخص کو حق سمجھا دے جس کے دِل پر اللہ تعالےٰ نے مُہر لگا دی ہے اور اس کو مُردہ کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مُہر لگا دی ہے کہ وہ حق کو نہ سمجھے

اِس تفسیر میں بھی اس کی تصریح ہے کہ نفی سماع کی نہیں بلکہ نفی اس کی ہے کہ بجز پروردگار کے کِسی کو سُنانے کی قدرت نہیں ہے اور تحریر فرماتے ہیں :-

ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرين يقول لو ان اصم ولى مدبرا ثم ناديته لم يسمع كذلك الكافر لا يسمع ولا ينتفع بما يسمع - (تفسير ابن جرير ج ۲۱ ص ۵۶)

اور تو بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں نہیں سُنا سکتا - اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی بہرہ شخص پیٹھ پھیر کر لوٹ جائے پھر تو اس کو پکارے تو وہ نہیں سُنتا - اسی طرح کافر نہ سُنتا ہے اور نہ سُنی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے -

اس سے معلوم کہ کافر کے عدم سماع کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے انتفاع نہیں کرتا - شیخ معین الدین رح (المتوفی ۸۸۹ھ) فرماتے ہیں :-

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اى الكفار فانهم كالموتى فى عدم الانتفاع

بے شک تو مُردوں یعنی کافروں کو نہیں سُنا سکتا کیونکہ وہ سُنی ہوئی چیز سے عدم انتفاع

بمایستمحون الیٰ قولہ اِنْ تُسْمِعُ سماع انتفاع اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ الخ (تفسیر جامع البیان ص۳۲۴)

میں مردوں کی طرح ہیں (پھر آگے فرمایا) تو نہیں سُنا سکتا سماعِ انتفاع مگر صرف ان کو جو ایمان لائیں الخ۔

اس تفسیر سے بھی معلوم ہُوا کہ نفی مطلق سماع کی نہیں بلکہ سماع انتفاع کی نفی ہے۔

حافظ ابن حجر رح اور مولانا عثمانی رح حافظ اسماعیلی رح (ابوبکر احمدؒ بن ابراہیمؒ المتوفی ۳۷۱ھ ہو الامام اور الحافظ تھے الکمال ص۶۲۸ اور ہو الامام الحافظ الثبت اور شیخ الاسلام تھے تذکرہ ج ۳ ص۱۴۹) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:-

وقال الاسماعیلی کان عند عائشۃ من الفھم والذکاء وکثرۃ الروایۃ والغوص علیٰ غوامض العلم مالامزید علیہ لکن لاسبیل الی ردّ روایۃ الثقۃ الابنصّ مثلہ یدلّ نسخہ او تخصیصہ او استحالتہ فکیف والجمع بین الذی انکرتہ واثبتہٗ غیرھا ممکن لان قولہ تعالیٰ اِنَّکَ لا

امام اسماعیلیؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس فہم، ذکاء، کثرتِ روایت اور علم کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی وہ خوبی تھی جس سے زیادہ کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا مگر بایں ہمہ ثقہ راوی کی روایت کو رد کرنے کی بھی کوئی سبیل نہیں مگر ہاں یہ کہ اگر کوئی اس جیسی نص ہو جو اس کے منسوخ یا مخصوص یا محال ہونے پر دلالت کرے پھر بھلا کیونکر یہ روایت رد

تسمع الموتیٰ لا ینافی قولہ صلے
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہم
الآن یسمعون لان الاسماع
ھو ابلاغ الصوت من المسمع
فی اذن السامع فاللہ تعالے
ھو الذی اسمعھم بان
ابلغھم صوت نبیہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم واما جوابھا
بانہ انما قال انہم لیعلمون ان
کانت سمعت ذلک فلا ینافی
روایۃ یسمعون بل
یؤیدھا اھ (فتح
الباری ج ۸ ص ۳۰۶ و
فتح الملہم ج ۲
ص ۴۷۸)

کی جا سکتی ہے جبکہ حضرت عائشہ رض کی
روایت جس میں انھوں نے سماع کا انکار
کیا ہے اور دوسرے حضرات کی روایت جس
میں اس کا اثبات ہے۔ جمع اور تطبیق بھی
ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد اِنَّكَ
لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلّم کے اس ارشاد اِنَّهُمُ الْآنَ
یسمعون (یعنی کفار اب سن رہے ہیں)
میں کوئی منافاۃ نہیں ہے کیونکہ اسماع کا یہ
معنی ہے کہ سُنانے والے کی آواز سننے
والے کے کان میں پہنچائی جائے تو سنانے
والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے کفار کو اپنے
نبی کی آواز پہنچائی۔ رہا حضرت عائشہ رض
کا یہ جواب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے تو یہ فرمایا تھا کہ بے شک وہ اسوقت جانتے
ہیں اگر واقعی حضرت عائشہ رض نے یہ لفظ آپ
سے سُنے تھے تو پھر بھی یہ یسمعون کے ہرگز

منافی نہیں بلکہ اس کے مؤید ہیں۔

امام شمس الدین محمدؒ بن یوسفؒ بن علیؒ الکرمانی الشافعیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) بخاری شریف ج ۲ ص ۵۶۷ حدیث عائشہ رضؓ ما قال انهم یسمعون ما اقول وانما قال انهم الآن لیعلمون الحدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

فان قلت کیف جاز تکذیب	اگر تو یہ کہے کہ حضرت ابن عمر رضؓ کی تکذیب
ابن عمر رضؓ قلت ما کذبہ	کیسے جائز ہو گئی ؟ تو میں کہوں گا کہ انکی تکذیب
احد بل البحث فی انہ حمل	کسی نے نہیں کی بلکہ بحث اس میں ہے کہ
علی الحقیقۃ وعائشۃ رضؓ حملتہ	حضرت ابن عمر رضؓ نے اس کو حقیقت پر
علی المجاز فان قلت هل	محمول کیا ہے اور حضرت عائشہ رضؓ نے مجاز پر
وجب تاویل کلامہ بما	پھر اگر تو یہ کہے کہ کیا حضرت ابن عمر رضؓ کے کلام
اولتہ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ	کی تاویل واجب ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ
عنها قلت یحتمل ان یکون	نے کی ؟ تو میں کہوں گا کہ احتمال ہے کہ آیت
معنی الآیۃ انک لا تسمع	کا معنی یہ ہو کہ بے شک تو نہیں سُنا سکتا،
بل اللہ هو المسمع مع ان	بلکہ اللہ تعالےٰ سُنانے والا ہے ۔ علاوہ ازیں
المتاولین قالوا المراد من	تاویل کرنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ (یہاں
الموتی الکفار باعتبار موت	مُردوں سے حقیقی مُردے مُراد نہیں ہیں
قلوبهم وان کانوا احیاء صورۃ	بلکہ) موتیٰ سے کفّار مُراد ہیں۔ اس اعتبار

وكذا المراد من الآية الاخرىٰ قال صاحب الكشاف فى قوله تعالىٰ انك لاتسمع الموتىٰ شبهوا بالموتىٰ وهم احياء لان حالهم حال الاموات وفى قوله تعالےٰ ما انت بمسمع من فى القبور اى الذين هم كالمقبورين (كواكب الدرارى ج ۱۵ ص ۱۶۷ و ص ۱۶۸)

سے کہ ان کے دِل مر چکے ہیں اگرچہ صُورۃً وہ زندوں کی شکل میں ہیں (لہٰذا اہلِ قبوُر کے عدمِ سماع کا مسئلہ ہی اس سے غیر متعلق ہے) اور اسی طرح دوسری آیت سے یہی مُراد ہے۔ صاحب کشاف نے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتىٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان زندہ کافروں کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ ان کی حالت مُردوں کی سی ہے (کہ جیسے وہ سماع سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اسی طرح یہ بھی ہیں) اور اسی طرح مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ کا مطلب بھی یہی ہے کہ باوجود زندہ ہونے اہلِ قبوُر کی طرح یہ نفع حاصل نہیں کر سکتے۔

اس سے معلوم ہُوا کہ بقول علّامہ کرمانی رح حضرت عائشہ رض نے حضرت ابنِ عمُر رض کی تکذیب نہیں کی بلکہ یہاں معاملہ حقیقت و مجاز کا ہے۔ حضرت ابن عمر رض نے انھم یسمعون کی حدیث کو حقیقت پر حمل کر کے سماعِ موتیٰ کا قول کیا ہے اور حضرت عائشہ رض نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے کہ مُراد اس سے علم ہے یعنی مُردے اس وقت جانتے ہیں۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ جب حقیقت

شرعاً متعذر نہیں تو پھر مجاز کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ مشہور تو یہ ہے کہ المجاز قنطرة الحقیقة کہ مجاز حقیقت کا پل ہے۔ اور پھر یہ بات بھی پہلے بحوالہ حافظ ابن حجر رح وغیرہ گزر چکی ہے کہ یسمعون اور یعلمون میں تطبیق بھی ممکن ہے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

حافظ بدر الدین محمود العینی الحنفی رح رقم طراز ہیں کہ:۔

واجیب عن الآیة بان الذی یسمعهم هو اللہ تعالیٰ والمعنیٰ انہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یسمعهم ولکن اللہ تعالیٰ احیاهم حتی سمعوا کما قالہ قتادة وقال السهیلیؒ وعائشۃ رضی لم تحضر وغیرها ممن حضر احفظ للفظہ وقد قالوا لہ اتخاطب قوماً قد جیفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منهم واذا جاز ان یکونوا سامعین اما بآذان رؤسهم اذا قلنا

اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو سناتا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو نہیں سنا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا یہاں تک کہ انھوں نے سن لیا جیسا کہ قتادہ رح نے کہا ہے اور امام سہیلی رح فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عائشہ رض حاضر نہ تھیں اور دوسرے حضرات جو وہاں حاضر تھے وہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ کو زیادہ یاد رکھنے والے ہیں حالانکہ انھوں نے آپ سے کہا کہ کیا آپ ایسی قوم سے خطاب فرما رہے ہیں جو سنتی نہیں، آپ نے جواب میں فرمایا کہ

الارواح تعاد الى الاجساد عند المسألة وھو قول الاکثر من اھل السنة واما باذان القلب والروح على مذھب من یقول یتوجه السوال الى الروح من غیر رجوع منه الى الجسد او الى بعضه اھ (عمدة القاری ج ۱۷ ص ۹۳)

تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سُن رہے اور جب (بقول حضرت عائشہؓ) اس حالت میں ان کا عالم ہونا جائز ہے تو ان کا سامع ہونا بھی جائز ہے۔ یا تو سر کے حِسّی کانوں سے اگر ہم یہ کہیں کہ سوال کے وقت ان کے ابدان میں اَرواح کو لوٹایا جاتا ہے جیساکہ اکثر اہل السنّت والجماعت کا قول ہے اور یا دِل اور رُوح کے کانوں سے ان لوگوں کے مذہب پر جو یہ کہتے ہیں کہ سوال رُوح کی طرف متوجہ ہوتا ہے بغیر اسکے کہ سارے بدن یا اس کے بعض حِصّہ میں رُوح لوٹائی جائے۔

اس عبارت سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اہل السنّت والجماعت کی اکثریت بدن اور رُوح دونوں کے ساتھ سماعِ اموات کی قائل ہے اور یہی اکثریت عود الرُوح الى الجسد کی بھی قائل ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح لِکھتے ہیں کہ:-

قُلت اذا صح عن النبی صلے

مَیں کہتا ہوں کہ جب آنحضرت صلّی اللہ

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان الموتیٰ تسمع کلام الحی ثم معنیٰ قولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ یاخنیا ذلک وقد رتک کما انت تسمع الحی علیٰ ماجری بہ عادۃ اللہ تعالیٰ لکن اللہ تعالیٰ یسمع الموتیٰ کلام الاحیاء اذا شاء او انک لاتسمع الموتیٰ سماعا تترتب علیہ الفائدۃ انتہیٰ (منہ نور اللہ مرقدہٗ حاشیۂ تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۳)

تعالیٰ علیہ وسلّم سے یہ صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ مُردے زندہ کے کلام کو سُنتے ہیں تو اِنَّکَ لَاتُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تو اپنے اختیار اور قدرت سے مُردوں کو نہیں سُنا سکتا جیساکہ اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی عادت کے مطابق تو زندہ کو سُنا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی زندوں کا کلام مُردوں کو جب چاہتا ہے سُنا دیتا ہے اور یا اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ تو مُردوں کو اس طریقہ پر نہیں سُنا سکتا جس پر (قبول کرنے کا) فائدہ مترتب ہو۔

الغرض حضرات مفسّرین کرام رح کی کوئی بھی تفسیر لے لیں۔ قدرِ مشترک سب اس پر متفق ہیں کہ اس مضمون کی تمام آیات سے عدمِ سماعِ موتیٰ ہرگز ثابت نہیں ہے جس کے درپے مؤلف شفاء الصدور و ندائے حق اور ان کے حواری ہیں اور اس پر بضد ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح اِنَّکَ لَاتُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی کی آیت کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔ "یعنی تم یہ نہیں کر سکتے

کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مُردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مُردہ سُن لے اس کا انکار کوئی مؤمن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سُننا ثابت ہو جائے گا اُسی حد تک ہم کو سماعِ موتیٰ کا قائل ہونا چاہیئے۔ محض قیاس کر کے دُوسری باتوں کو سماع کے تحت نہیں لا سکتے۔ بہر حال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" انتہیٰ (حاشیہ ص ۵۳۱)۔

بہر حال اس آیت کریمہ کی پہلی تفسیر لیں یا دُوسری، بہر کیف دونوں سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی بلکہ سماعِ نافع و مفید یا اِسماع کی نفی ہے اور نفسِ سماعِ موتیٰ فی الجملہ ثابت ہے۔ صحیح احادیث اور جمہور امت کا بیان اس کی واضح دلیل ہے۔

مسئلۂ سماعِ موتیٰ اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

قرآنِ کریم کے تیسرے پارہ میں ایک واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے جس کا نہایت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ہستی کو اللہ تعالیٰ نے وفات دے دی۔ سو سال تک مُردہ رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا تو اُن سے فرمایا کہ تم اس حالت میں کتنا

عرصہ رہے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ صرف ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصّہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تم تو سو سال اس حالت میں رہے (محصلہ)
جمہور مفسّرین کرام کے نزدیک یہ بزرگ ہستی حضرت عزیر علیہ الصّلوٰۃ
والسّلام کی تھی۔ بعض حضرات نے سماعِ موتیٰ کے انکار پر اس واقعہ سے بھی
استدلال کیا ہے۔ چنانچہ مؤلف جواہر القرآن لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے
سماعِ موتیٰ کی نفی ہوتی ہے کیونکہ عزیر علیہ السّلام دُنیا میں ہونے والے تمام
انقلابات سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلافات
کا اُن کو پتہ چلا اور نہ ہی بیرونی آوازیں اُنھیں سُنائی دیں۔ (جواہر القرآن ص ۱۲۷)
الجواب :- اس واقعہ سے سماعِ موتیٰ کی نفی پر استدلال صحیح نہیں ہے،
اوّلاً اس لئے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضؓ سے اختلافی چلا آ رہا ہے مگر حضرات
سلف صالحین رحؒ میں سے کسی نے اس واقعہ سے عدمِ سماعِ موتیٰ پر استدلال
نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ واقعہ اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق
ہے۔ ہمارے پیر و مُرشد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے اس واقعہ سے
استدلال کیا ہے۔ لیکن حضرت مرحوم کے کئی تفردات ہیں جن میں سے ایک یہ
بھی ہوگا۔ الحمد للہ تعالیٰ حضرت مرحوم کا ادب و احترام سویدائے قلب میں
موجود ہے اور ان کی بے لوث دینی خدمات اور اپنے مخصوص رنگ میں توحید
و سُنّت کی نشر و اشاعت اور اپنے نرالے ذوق میں شرک و بدعت کا رَد

ناقابلِ تردید حقیقت ہے لیکن شریعت کا حق سب سے مقدم ہے۔ امام تاج الدین ابونصر عبدالوہاب السُبکی (المتوفی ۷۷۱ھ) اپنے استاد محترم ناقدِ فنِ رجال علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کی بعض علمی کوتاہیوں اور تفردات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وانا قلت غیر مرۃ ان الذھبی استاذی وبه تخرجت فی علم الحدیث الّا ان الحق احق بالاتباع اھ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۹ طبع مصر)	میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ علامہ ذہبیؒ میرے استاد ہیں اور انہی کی بدولت میں نے علمِ حدیث میں مہارت حاصل کی ہے مگر حق کی پیروی کرنا زیادہ مناسب ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح سے یہ سوال ہُوا کہ آپکی فلاں مسئلہ میں یہ رائے ہے حالانکہ آپ کے پیر و مُرشد اس کے خلاف کہتے ہیں تو آپ ان کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں (محصلہ) تو اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:۔

" اور حجت قول و فعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں جب اُن کے پیر سلطان نظام الدین قدس سرہ کے فعل کی حجت کوئی لاتا کہ وہ ایسا کرتے ہیں، تم کیوں نہیں کرتے؟ کہ فعلِ مشائخ حجت نہ باشد اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاءؒ بھی پسند

فرماتے لہٰذا جناب حاجی (امداد اللہ صاحبؒ) سلمہ اللہ کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بے جا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ا صد ۹۸۔ طبع دہلی)۔

مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں۔ "اسلام مشائخ اور اساتذہ کی تقلیدِ بے جا کا نام نہیں بلکہ دلائل شریعت کے اتباع کا نام ہے" (صد ۳۱۲)۔

ظاہر امر ہے کہ جب حضرات سلف صالحین رحمہ میں سے کسی نے عدمِ سماعِ موتیٰ پر یہ واقعہ پیش نہیں کیا حالانکہ قرآن کریم کا یہ واقعہ بھی ان کے پیشِ نظر تھا اور اس مسئلہ کا اختلاف بھی ان کے سامنے تھا تو یہ اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔

ثانیاً اس واقعہ سے نفی سماعِ موتیٰ اتب متحقق ہو سکتی ہے جب تحقیقی اور تاریخی طور پر یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عزیر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس کوئی پہنچا ہو اور اُس نے اُن سے علیک سلیک کی اور کلام کیا ہو مگر نہ تو وہ سُن سکے اور نہ اُن کو خبر ہوئی۔ بہت ممکن ہے کہ جہاں ان کی وفات ہوئی تھی وہاں کوئی بھی نہ گیا ہو اور نہ کسی کو ان کی خبر ہوئی ہو، محض عقلی طور پر یہ کہہ دینا کہ سو سال تک وہاں کوئی نہ گیا ہو اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی ہو، کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ تاریخی حقائق کے لئے محض عقلی مُوشگافیاں ناکافی ہیں۔ حضرت شیخ الھند مولانا محمود الحسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) اس واقعہ کے بارے

میں لکھتے ہیں کہ :- "حضرت عزیر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے راہ میں ایک شہر دیکھا۔ ویران اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکر حق تعالیٰ ان کو جلا دے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اُسی جگہ اُن کی رُوح قبض ہوئی اور اُن کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو برس تک اُسی حالت میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا نہ اُن کی خبر ہوئی۔" الخ
(حاشیہ قرآن کریم ص۵۵)

اس سے معلوم ہُوا کہ سو سال کے عرصہ تک اُن کے پاس سرے سے کوئی گیا ہی نہیں تھا اور نہ کسی کو اُن کی خبر ہُوئی تھی تو پھر سلام و کلام کرنے نہ کرنے اور سُننے نہ سُننے کا کیا معنیٰ؟ اور انکارِ سماعِ موتیٰ کا کیا مطلب؟ حکیم الاُمّت حضرت مولانا تھانوی رح اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ :- "رہی یہ بات کہ جب دُوسروں نے دیکھا نہیں تو لوگوں کے لئے نمونۂ قدرت کس طرح ہو گا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرائن خارجیہ قطعیہ سے ان کا صدقِ بیان لوگوں کو بطور علم ضروری کے معلوم ہو جاوے گا جیسا کہ خود ان کو ایسے ہی قرائن سے نیز اپنا مُردہ رہنا مدتِ طویل تک معلوم ہو گیا۔" واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر بیان القرآن ص۱۴۵ ج۱۲)
اس سے بھی معلوم ہوا کہ نہ کوئی ان کے پاس گیا اور نہ اُن کو دیکھا۔

ثالثاً اس واقعہ سے جو کچھ ثابت ہے وہ صرف اِس قدر ہے کہ برزخ میں رہنے کی مُدّت کا احساس نہیں ہو سکتا اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وقت

کتنا گزرا، اور اس کا عدمِ سماعِ موتیٰ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رح اس واقعہ کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ پانچویں شے بعد بعث کے برزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہونا الیٰ ان قال اور پانچویں امر کی نظیر اُن کا جواب یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہنا جیسا کہ بعینہٖ یہی جواب بعض اہلِ محشر دیں گے اھ (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۵) یہ بالکل صاف عبارت ہے کہ برزخ کی مدت معلوم نہیں ہو سکتی۔

لطیفہ۔ راقم الحروف نے تسکین الصدور میں نہایت اختصار کے ساتھ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعہ سے عدمِ سماعِ موتیٰ پر استدلال کرنے والوں کا جواب عرض کیا تھا۔ اس جواب سے مؤلف تسکین القلوب خاصے پریشان اور برہم ہوئے ہیں اور راقم کی تردید میں جو کچھ اُنھوں نے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے حالات کا علم نہ ہو سکا جو حضوری ہے تو غیروں کے حالات و اقوال کا علم کیسے ہو گیا، جو علم حصولی ہے؟ اور نیز لکھتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشی میں انہماک کے باعث اپنے ذاتی حالات سے تو بے خبر ہو گئے اور باقی سب کچھ دیکھ سُن رہے ہیں (تسکین القلوب ص ۵۵، ص ۵۶ محصلہ)

الجواب:۔ موصوف نے یہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہے صرف مناظرانہ دفع الوقتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ ایک تو اس لئے کہ ہم نے یہ دعویٰ تو نہیں کیا کہ

غیروں کے سب حالات کا ان کو علم ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ اور سُن سکتے ہیں۔ خویش و اقارب[1] کے بعض اعمال کا علم اقارب پر عرضِ اعمال کی حدیث کے پیش نظر قابلِ انکار نہیں۔ باقی سب حالات اور اعمال کا علم بجز پروردگار کے اور کسی کو نہیں ہے اور سُننے کا دعویٰ بھی عند القبر اور نزدیک سے ہے۔ دُور دراز سے سُننے کا دعویٰ بھی نہیں ہے۔ موصوف نے بلا وجہ موجبہ کلیہ کا

---

[1] حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمھارے اعمال تمھارے اقارب پر ان کی قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں اگر عمل اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر دُوسری مَد کے ہوتے ہیں تو وہ اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں (محصلہ مسند ابو داؤد طیالسی صفحہ ۲۴۸) اور اسی مضمون کی روایت حضرت انس رضؓ سے بھی مَروی ہے (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۱۶۵) اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زندوں کے اعمال اُن کے مُردہ خویش و اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اور وہ ان کے لئے دُعا بھی کرتے ہیں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب شرح الصدور صفحہ ۱۱ فی احوال الموتیٰ والقبورؔ میں لکھا ہے کہ امام احمد رحؒ نے حضرت انس رضؓ کے طریق سے سند کے ساتھ حدیث آنحضرت صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ بے شک تمھارے اعمال تمھارے اقارب اور تمھارے خاندان کے لوگوں پر، جو مَر چکے ہوتے ہیں، پیش کئے جاتے ہیں۔ سو اگر عمل اچھا ہو تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر عمل بُرا ہو تو کہتے ہیں اے پروردگار۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

سور داخل کر کے تعمیم پیدا کرنے کی ناکام کوشش فرمائی ہے اور باقی سب کچھ دیکھ سُن رہے ہیں" الخ۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا سوال حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ان کے ذاتی حالات وصفات کے متعلق نہیں تھا تاکہ علم حضوری اور علم حصولی کی منطقیانہ بحث یہاں چل نکلے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے کَمۡ لَبِثۡتَ ارشاد فرما کر زمانہ کی تعیین و توقیت دریافت فرمائی ہے اور زمانہ و وقت نہ تو انسان کے ذاتی حالات میں داخل ہے نہ صفات میں بلکہ ظرف ہے اور الگ مقولہ سے ہے۔ اگر زمانہ انسان کے ذاتی اور صفاتی حالات میں داخل

صفحہ گزشتہ کا بقیہ

تو ان کو ہدایت دیئے بغیر نہ مار (مائۃ مسائل ص۳۸) اور اسی مضمون کی ایک مرفوع روایت حضرت نعمان رضؓ بن بشیر رضؓ سے اور ایک حضرت ابُوہریرہ رضؓ سے اور ایک عبد الغفور عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعًا مروی ہے (شرح الصدور ص۱۱) اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے بھی مروی ہے (مجمع الزوائد ج ۲ ص۳۲۷) خویش و اقارب پر عرض اعمال کی ایک حدیث امام الطائفہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) عوارف المعارف علی الاحیاء ج ۴ ص۱۵۳ میں اور ایک حدیث امام غزالی رحؒ احیاء العلوم ج ۴ ص۴۱۲ میں پیش کر کے ان سے عرض اعمال پر استدلال کرتے ہیں۔ اصل عبارت تسکین الصدور میں ملاحظہ کریں۔ الغرض یہ جملہ روایات مل جُل کر اس فرعی مسئلہ کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔ وفیھا کفایۃ لمن لہٗ ھدایۃ

ہوتا تو حشر کے دِن قبوُر سے نکلنے کے بعد ہر ایک کو دُنیا یا قبر اور برزخ میں اپنے ٹھہرنے کا صحیح اور ٹھیک وقت معلوم ہوتا اور وہ ایک دُوسرے کو یا فرشتوں کو جواب دیتے اور بتاتے ہوُئے یہ مختلف تعبیریں نہ کرتے۔ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا (تم نہیں ٹھہرے مگر صرف ایک دن) اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (تم نہیں ٹھہرے مگر دس دِن) كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (گویا کہ وہ جس دِن قیامت کو دیکھ لیں گے یوُں سمجھیں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دِن کا پچھلا یا پہلا حصہ) كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (گویا کہ وہ جس دِن اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ اُن سے کیا جا رہا ہے، ایسا خیال کریں گے کہ وہ دن کا صرف ایک ہی گھنٹہ ٹھہرے ہیں) علاوہ ازیں اگر وقت اور زمانہ انسان کی ذات و صفات میں داخل ہوتا تو ہر آدمی کو اپنی تاریخِ پیدائش، عمر اور زندگی کے دوُسرے واقعات تاریخ وار معلوم ہوتے اور ایسے حالات میں لوگ ظن اور تخمینہ سے ہرگز کام نہ لیتے، حالانکہ بجز اُن لوگوں کے جن کے حافظے بڑے قوی ہوتے ہیں یا وہ لوگ جن کے پاس تاریخ ولادت اور زندگی کے اہم واقعات لکھے ہوُئے ہوتے ہیں اور کوئی شخص اپنی عمر یا زندگی کے واقعات زمانہ اور وقت کی تعیین و تحدید کے ساتھ نہیں بتا سکتا اور نہ لوگ اپنی صُلبی اولاد اور قریب ترین رشتہ داروں اور عزیزوں کی عمریں صحیح صحیح بتا سکتے ہیں حالانکہ وُہ اُنہی کے ہاں اور اُن کے

سامنے پیدا ہوئے ہوتے ہیں اگر وقت اور زمانہ علم حضوری میں داخل ہوتا تو پھر بلا تامّل ہر شخص متعین طور پر یہ امور بتا سکتا اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے تو کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وقت اور زمانہ انسان کی ذات وصفات میں داخل ہو کر علم حضوری بن گیا؟

مشہور محقق ملا جلال الدین الدوانی رح (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں :-

وعلمها بذاتها وصفاتها علم حضوری کما بُیّنَ فی موضعہ (ملا جلال ص ۹۰)

اور نفس کا اپنی ذات وصفات کے بارے میں علم، علم حضوری ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔

اور اس کے شارح میر زاہد بن محمد المسلم (المتوفی ۱۱۰۱ھ) لکھتے ہیں کہ :-

قد اشتھر فیما بین القوم ان علم النفس بذاتها وصفاتها علم حضوری (میر زاھد ص ۸۸)

(منطقیوں کی) قوم میں یہ بات مشہور ہے کہ نفس کا اپنی ذات وصفات کے متعلق علم، علم حضوری ہوتا ہے۔

الحاصل نفس کا اپنی ذات وصفات کے بارے میں علم بلا شبہ علم حضوری ہوتا ہے مگر وقت اور زمانہ نہ انسان کی ذات ہے نہ اس کی صفت ہے۔ اس لئے غیر متعلق بحث کو درمیان میں لا کر گلو خلاصی نہیں کی جا سکتی۔

وثالثًا اہل السنت والجماعت کا سماعِ موتیٰ کے بارے میں اختلاف

جس طرز کا بھی ہے، عام موتیٰ کے بارے میں ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے بارے میں نہیں ہے۔ اس میں سب متفق ہیں کہ وہ قریب سے سُنتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رح کی یہ عبارت پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ "مگر انبیاء علیہم السّلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں" الخ (فتاویٰ رشیدیہ ج ا ص ۹۹) جب حضرت عزیر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نبی ہیں تو پھر ان کے عدمِ سماع کا کیا معنیٰ؟

اصحابِ کہف کا واقعہ

اس وقت کے وہ حضرات جو عدمِ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں وہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں بلکہ اس پر خاصا زور دیتے ہیں کیونکہ ان کے واقعہ میں بھی یہ آتا ہے کہ جب وہ تین سَو نو ۳۰۹ سال گزار کر نیند سے بیدار ہوئے تو انھوں نے آپس میں ایک دُوسرے سے سوال کیا کَمۡ لَبِثۡتُمۡ۔ تم کتنا عرصہ یہاں ٹھہرے ہو؟ جواب دینے والوں نے کہا۔ لَبِثۡنَا یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ کہ ہم ایک دِن یا دِن کا کچھ حصّہ ٹھہرے ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ جب نیند میں جبکہ رُوح بھی کُلی طور پر بدن میں ہوتی ہے ان کو وقت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا اور باہر کی دُنیا کا اُن کو علم نہ ہو سکا تو بھلا مُردے کیونکر باہر کی بات کو سُنتے ہیں؟ مگر یہ ان حضرات کا بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ نیند کی حالت میں ادراک و شعور ایک گونہ معطّل

ہو جاتا ہے اور انسان بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند کی حالت میں طلاق و عتاق اور اسلام و ردت وغیرہ کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اور قبر میں اعادۂ روح کے بعد میّت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ میّت میں ادراک و شعور اور علم باقاعدہ ہوتا ہے اور اسی بناء پر جب نکیرین سوال کرتے ہیں اور مُردہ اس کا جواب دیتا ہے تو اس کے جواب کا باقاعدہ اعتبار ہوتا ہے اور امتحان میں اس کی کامیابی یا ناکامی پر اُسے جزا و سزا ملتی ہے اور اُسے اسی اِدراک و شعور کے ساتھ راحت و کُلفت محسُوس ہوتی ہے اس لئے مُردے کا سونے والے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے لہٰذا اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی عدم سماعِ موتی کا مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نہ حضرات سلف صالحین رح میں سے کسی نے اس سے اس پر استدلال کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس واقعہ سے بھی صرف اس قدر ثابت ہے کہ ان کو اپنے رہنے کی مُدت اور زمانہ معلوم نہ تھا اور آج بھی سونے والوں کو سونے کا صحیح وقت اور کئی لوگوں کو اپنی عمروں کا متعین وقت معلوم نہیں ہوتا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وُہ نہیں سُنتے۔

عدمِ سماعِ موتیٰ اور حضرت امام ابُوحنیفہ رح

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ فتاویٰ غرائب (یا الغرائب فی تحقیق المذاہب) میں ہے کہ حضرت امام ابُوحنیفہ رحمہ نے

ایک آدمی کو دیکھا جو نیک اور بزرگ لوگوں کی قبروں پر جاتا اور ان کو سلام کہتا اور ان سے مخاطب ہو کر ان سے باتیں کرتا اور ان سے کہتا۔ اے اہلِ قبور کیا تمھیں کوئی خبر ہے یا کوئی علامت ہے۔ میں کئی مہینوں سے تمھارے پاس آرہا ہوں اور تمھیں پکار پکار کر کہہ رہا ہوں اور یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میرے لئے دُعا کرو۔ کیا تمھیں کچھ پتہ چلا یا تم بے خبر ہی رہے؟ حضرت امام ابوحنیفہ رح نے اس شخص سے فرمایا کہ کیا انھوں نے تجھے کوئی جواب دیا؟ اس شخص نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے دوری ہو اور تو ذلیل وخوار ہو۔ تو ایسے اجسام سے باتیں کرتا ہے جو نہ تو جواب دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ان کو کسی چیز کا اختیار ہے اور نہ کوئی آواز ہی سُن سکتے ہیں اور پھر آپ نے بطور استدلال یہ آیت کریمہ پڑھی۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (محصلہ تفہیم المسائل لمولانا بشیر الدین قنوجی رح صد ۱۷۲ اور بہ حوالہ تحریرات حدیث صد ۲۰۶ اور شفاء الصدور صد ۴۴ و اقامۃ البرھان صد ۷۹ وغیرہ کتابوں میں بھی ذکر کیا گیا ہے)۔

الجواب۔ یہاں چند اُمور قابلِ توجہ ہیں۔ اوّلؔ قاضی بشیر الدین قنوجی رح شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب اور استاد نواب صدیق حسن خان صاحب رح غیر مقلد تھے۔ سب سے پہلے اس حوالہ کا ماخذ ہماری معلومات کی بنا پر انہی کی کتاب ہے۔ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ حضرات فقہاء

احناف رح میں سے مسئلہ سماع موتیٰ کے مثبت اور منفی پہلو میں نہ تو متقدمین حضرات کو یہ حوالہ دستیاب ہؤا ہے اور نہ متاخرین کو، اور ہماری دانست میں کسی معتبر حنفی فقیہ نے ان سے پہلے اس کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ مَن ادعیٰ خلافہ فعلیہ البیان بالبرھان

دوم۔ یہ فتاویٰ غرائب کس کی تالیف ہے؟ اور اس کے مصنّف کون تھے؟ اور کس مسلک سے تعلّق رکھتے تھے؟ اور یہ کس زمانہ کی تالیف ہے؟ اور فقہاء احناف اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس کے مصنّف اور کتاب کا کیا پایہ ہے؟

سوم۔ ایسی غیر متعارف اور مجہول کتاب کے حوالہ کا صریح اور صحیح احادیث اور جمہور اُمّت کے واضح اقوال کے مقابلہ میں کیا وُقعت اور اعتبار ہو سکتا ہے؟ حضرت ملا علی ن القاری الحنفی رح فرماتے ہیں کہ :-

قلت ومن القواعد الکلیۃ ان نقل الاحادیث النبویۃ والمسائل الفقھیۃ والتفاسیر القرآنیۃ لا یجوز الا من الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علیٰ غیرھا من وضع الزنادقۃ والحاق الملاحدۃ بخلاف الکتب المحفوظۃ فان

مَیں کہتا ہوں کہ قواعد کلیہ میں سے یہ بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی احادیث اور فقہی مسائل اور قرآن کریم کی تفاسیر کا نقل کرنا جائز ہے مگر صرف ان کتابوں سے جو متداول ہیں کیونکہ دوسری کتابوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں زندیقوں کی جعلسازی اور ملحدوں کا الحاق شامل ہو بخلاف

نسخها تکون صحیحۃ متعددۃ انتھٰی (موضوعات کبیر ص۱۰۴ و ص۱۰۵ وبوادر النوادر ص۵۰۹)

محفوظ کتابوں کے، کیونکہ ان کے نسخے صحیح اور متعدد ہوتے ہیں (اور ان میں قطع و برید کا موقع جعلسازوں کو نہیں مِل سکتا)۔

اِس سے صاف طور پر معلوم ہوُا کہ فقہی مسائل کا غیر متداول اور مجہُول کتابوں سے نقل کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی الحنفی رح (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

صرح فی فتح القدیر من باب القضاء انہ لایحل النقل من الکتب الغریبۃ اھ (الفوائد البھیۃ ص۱۹۰ طبع مصر)

فتح القدیر کے باب القضاء میں تصریح موجود ہے کہ کُتُب غریبہ سے نقل کرنا حلال اور جائز نہیں ہے۔

حافظ ابن الھمام رح کی عبارت یوُں ہے :۔

وطریق نقلہ لذٰلک عن المجتھد احد امرین اما ان یکون لہ فیہ سند الیہ او یأخذہ من کتاب معروف تداولتہ الایدی نحو کتب محمد رح بن الحسن رح ونحوھا من التصانیف المشھورۃ للمجتھدین لانہ بمنزلۃ الخبر المتواتر عنھم او المشھور

کہ قاضی کے مجتہد سے مسئلہ نقل کرنے کے سلسلہ میں دو طریقوں میں سے ایک ہونا چاہیئے۔ یا تو مجتہد تک سند کے ساتھ یہ سلسلہ پہنچے اور یا کسی ایسی معرُوف کتاب سے نقل کرے جو ہاتھوں میں متداول رہی ہو۔ جیسے حضرت محمد رح بن الحسن رح کی کتابیں اور انکی مانند مجتہدین کی اور مشہور کتابیں کیونکہ یہ

هكذا ذكر الرازيؒ فعلى هذا لو وجدنا بعض نسخ النوادر في زماننا لا يحل عزو ما فيها الى محمدؒ ولا الى ابي يوسفؒ لانها لم تشتهر في عصرنا في ديارنا ولم تتداول نعم اذا وجد النقل عن النوادر مثلاً في كتاب مشهور معروف كالهداية والمبسوط كان ذلك تعويلاً على ذلك الكتاب الخ (فتح القدير ج ۳ ص ۲۴۶ طبع هند و ج ۵ ص ۴۵۶ طبع مصر)

ان سے بمنزلہ خبر متواتر یا مشہور کے منقول ہیں اسی طرح امام (ابوبکر الجصاص) رازی رحؒ نے ذکر کیا ہے سو اس تحقیق کے پیشِ نظر اگر ہمارے زمانہ میں کوئی چیز نادر کتابوں کے بعض نسخوں میں پائی گئی تو نہ ان سے نقل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی نسبت حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام ابو یوسف رحؒ کی طرف کرنی جائز ہے. کیونکہ ہمارے زمانہ میں ہمارے علاقہ کے اندر ان نادر کتابوں کی شہرت نہیں ہے اور نہ یہ متداول ہیں۔ ہاں اگر نادر کتابوں سے نقل کسی مشہور اور معروف کتاب میں ہو مثلاً ہدایہ اور مبسوط وغیرہ تو اس نقل کا اعتبار اس مشہور اور معروف کتاب کی وجہ سے ہوگا ۔

اگر حافظ ابن الہمام رحؒ کے دَور میں اور ان کے علاقہ میں جو علم و عرفان کا دَور اور فقہ کا گہوارہ تھا، نادر کتابوں کی نقل کا اعتبار نہیں ہو سکتا تو آج اُن سے نقل کئے ہوئے مسئلہ کو کون تسلیم کرتا ہے؟

یہ پوری عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۳۷۸ طبع مصر میں بھی موجود ہے اور اس کے آخر میں ہے کذا فی البحر الرائق یعنی اسی طرح البحر الرائق میں ہے۔ الغرض فتح القدیر، البحر الرائق اور عالمگیری وغیرہ تمام معتبر کتابوں میں یہ عبارت اس امر کو واضح سے واضح تر کرتی ہے کہ نادر کتابوں کے حوالہ سے کوئی مسئلہ حضرات ائمہ کرام رح کی طرف نسبت نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رح علامہ ابن نجیم مصری رح کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

لا تجوز الفتوی من التصانیف الغیر المشہورۃ انتہی (مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ ص ۱۱)	غیر مشہور تصانیف سے فتویٰ جائز نہیں ہے۔

اور فتاویٰ غرائب کے اس حوالہ کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

چہارم۔ پہلے یہ بات باحوالہ گزر چکی ہے کہ حضرت ملا علی ن القاری رح اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رح نے فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح اور (نیز آپ کے مایہ ناز شاگردوں امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح وغیرہ) سے عدم سماعِ موتیٰ کے بارے میں قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور حضرت مولانا گنگوہی رح فرماتے ہیں:۔

الجواب۔ مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اول زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آئی ہیں، شاذ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ج۲ ص۹۳)۔

گویا حضرت گنگوہی رح کے نزدیک بھی فتاویٰ غرائب کا یہ حوالہ شاذ ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ہے اور سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رح فرماتے ہیں کہ "سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رض کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کُتب میں بعض مسائل (مسئلہ یمین جس کی بحث آرہی ہے) ایسے مذکور ہیں جن سے عدم سماع معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارہ میں نہیں نقل کرتے۔" اھ (فتاویٰ دارالعلوم ج۵ ص۴۶۱ طبع دیوبند) ان تمام جان دار اور شان دار حوالوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ فتاویٰ غرائب کے اس حوالہ کا حضرت امام صاحب رح سے قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ حوالہ بالکل اس کا مصداق ہے کہ ؎

یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی

اور خود مؤلف شفاء الصدور کو اس کا اقرار ہے کہ جو روایت اصُول کے خلاف ہو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ اور مناقضۃ الاصول کا مفہوم یہ ہے۔ اسلامی دفاتر اور مسند احادیث اور مشہور کتُب سے خارج ہو۔" انتھیٰ (بلفظہ ص۸۷)۔

مؤلّف مذکور کا حضرت امام صاحبؒ پر خالص بہتان

مؤلّف مذکور نے حضرت امام صاحبؒ کا یہ مسلک بتایا ہے کہ "مُردے بلا استثناء انبیاء کرام علیہم السّلام نہیں سُنتے" بلفظہٖ (ندائے حق صفحہ ۳۲۰) مؤلف مذکور اپنی پوری جماعت کے ساتھ مل کر بھی قیامت تک صراحت کے ساتھ کسی معتبر حوالہ سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ حضرت امام صاحبؒ حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے سماع کے مُنکر تھے۔ (دیدہ باید)۔

دیدہ دلیری اور قبل از وقت واویلا

مؤلّف ندائے حق بزعم خویش حضرت بہلولؒ اور شیخ پھلّی کی طرح خیر القرون کے حضرات سے عدمِ سماعِ موتیٰ پر اتفاق ثابت کر چکنے کے بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ خیر القرون کے بعد کا عہد۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ "اوراق سابقہ میں سمجھ لیا ہوگا کہ دعویٰ صاحبِ تسکین کہ سماعِ موتیٰ پر سلف کا اجماع ہے' صحیح نہیں۔ اور سلف کا اطلاق صحابہ رضؓ پر آتا ہے اور بعض نے توسیع کر کے خیر القرون پر بھی سلف کا اطلاق کیا جس کی خیریت کی شہادت نبی صلعم نے دی اب ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ مسئلہ مختلف فیہا رہا ہو، بعد کے علماء نے سماع پر اجماع کر لیا ہو۔ اوّل تو یہ وہم ہے سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا قطعاً نہ تھا (شاباش نیلوی صاحب۔ صفدر) ومن ادعیٰ

نعلیہ البیان بالادلۃ دون اقوال من بعدھم بلا برھان بلفظہ ص۱۵۳) اس کے بعد انھوں نے ستر بزرگوں کے نام ذکر کئے جن میں صاحب فتح القدیرؒ۔ ابن قیمؒ۔ ابن تیمیہؒ۔ صاحب تفسیر ابن کثیرؒ۔ صاحب تفسیر مظہری۔ صاحب تفسیر روح المعانی رح۔ شاہ محمد اسحاق رح۔ قاضی خان رح۔ طحطاوی رح۔ صاحب رد المحتار۔ صاحب فتاویٰ عالمگیریہ (مؤلّف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فتاویٰ عالمگیریہ کو تقریباً پانصد جیّد علماء کرام کی کمیٹی نے مرتّب کیا ہے اس کے مرتّب صاحب نہیں اصحاب ہیں۔ صفدر) تھانوی رح، ملا علی قاریؒ۔ شاہ عبد القادر رح۔ بحر العلوم رح۔ عبد الحی رح۔ محمد قاسم نانوتوی رح۔ حسین احمد مدنی رح وغیرہ حضرات کے نام لئے۔ پھر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تمام قبروں میں پڑے ہوئے دھڑوں کے سُننے کے قائل نہیں اور جن علماء کے اقوال آپ کے ذہن میں ہیں یا آپ ان کو اپنی تحقیق انیق اور بڑی کاوش سے جمع کر کے منصّۂ شہود پر لانے والے ہیں، وہ آپ کو کسی طرح سُود مند نہیں۔ اس کا جواب کتاب شائع ہونے سے پہلے ہی سُن لیں اور اپنی کتاب میں اس بات کا جواب ضرور دیں ورنہ آپ کی کتاب ناقص تصوّر ہوگی۔

بات یہ ہے کہ سماعِ موتیٰ میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس کے حل کے لئے دلائل اور نظر و فکر کی ضرورت ہو۔ مسئلہ اپنے مقام پر بالکل بدیہی ہے۔ عرفاً، شرعاً، ظاہراً و باطناً اور در اصل جس بات

میں حنفیہ و شوافع کا باہمی اختلاف ہے وہ سماع روحانی میں ہے نہ کہ قبروں میں پڑے ہوئے دھڑوں کے سننے نہ سننے میں (بلفظہٖ صد ۱۵۳، صد ۱۵۴) اس کے بعد انھوں نے صد ۱۶۲ میں حضرت مرحوم، حضرت تھانوی رح، علامہ آلوسی رح، شاہ عبدالقادر رح، مولانا عثمانی رح، مولانا سیّد انور شاہ صاحب رح، اور مولانا مدنی رح کی بعض ادھوری اور مجمل عبارتیں نقل کی ہیں جن میں روح کے سننے کا ذکر ہے (محصلہ) اور ایسا ہی انھوں نے شفاء الصدور صنہ صا۷ میں لکھا ہے

الجواب۔ قارئین کرام! آپ مؤلف مذکور کی اس عبارت کو سرسری طور پر پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ آیا اس میں انھوں نے کوئی ٹھکانے کی بات کی ہے؟ پہلے تو وہ لکھتے ہیں کہ سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا، قطعاً نہ تھا۔ اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ سماع موتیٰ میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں معلوم نہیں ان کی کون سی بات صحیح ہے پہلے آپ ٹھوس حوالوں سے پڑھ چکے ہیں کہ یہ مسئلہ عہد صحابہ کرام رضے تاہنوز مختلف فیہا ہے اور پھر آگے جن بزرگوں کے نام دیئے ہیں ان میں حضرت تھانوی رح کی عبارت میں روح کے سننے کا اور حضرت شاہ عبدالقادر رح کی عبارت میں روح کے سننے اور دھڑ کے نہ سننے کا اور حضرت مدنی رح کی عبارت میں سماع روحانی کا ذکر ہے۔ باقی کسی کی عبارت میں اس کی تصریح موجود نہیں کہ روح سنتی ہے اور دھڑ نہیں سنتا۔ یہ تمام اکابر روح اور جسم دونوں کے تعلق سے سماع کے قائل ہیں

یہ مؤلف مذکور کی کیسی اور کتنی دیدہ دلیری ہے کہ وہ ان اکابر پر غلط الزام لگا رہے ہیں۔ حضرت تھانوی رح کی عبارتیں اپنے مقام پر آرہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اور پھر مؤلف مذکور نے ہماری کتاب کے طبع ہونے سے قبل ہی واویلا شروع کر دیا ہے کہ تمہارے ذہن میں یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ ہم اس کا جواب قبل از وقت ہی دے دیتے ہیں۔ نیلوی صاحب آپ اتنے پریشان اور خوفزدہ کیوں ہیں؟ انشاء اللہ تعالیٰ ہم طبع دوم میں اس مسئلہ کی مزید تشریح کریں گے۔ سرِدست نقد طور پر آپ اس کتاب میں ضروری مواد تو پڑھ لیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اور علماء ملت کیا فرماتے ہیں۔

حضرت تھانوی رح

حضرت تھانوی رح قبر اور برزخ کی زندگی پر بحث کرتے ہوئے طویل بحث میں یہ بھی لکھتے ہیں:

(۱) پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہے اِس چشم سے لینا چاہیئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودۂ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور "السلام علیکم یا اہل القبور" کہنے سے جواب ملتا ہے اھ (المصالح العقلیہ حصہ سوم صـ ۳۲۶ طبع دیوبند)

(۲) غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے۔ ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے الخ (ایضاً صـ ۳۲۷)

(۳) اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدان سے بھی رُوح کا تعلّق رہتا ہے گو نیکوں کی رُوح علیین میں ہوتی ہے اور بدوں کی سجّین میں لیکن رُوحوں کا رُوحانی تعلّق ابدان کے ذرّات کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلادیں۔ خواہ وہ ڈوب جائے۔ ذرّے ذرّے کے ساتھ رُوح کا تعلّق (بالاتر از فہم) رہتا ہے۔ اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی رُوح کا تعلّق باوجود علّیین وسجّین کے تعلق بدان کے ساتھ بھی ہے، اور ضرور ہے مگر اس دُنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کرسکتیں۔ اھ (ص ۳۲۷، ص ۳۲۸)۔

حضرت کی ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رُوح کے بدن عنصری (کیونکہ ذرّہ ذرّہ بھی بدن ہوتا ہے جسم مثالی تو ذرّہ ذرّہ نہیں ہوتا) کے تعلّق کے ساتھ مُردہ قبر میں سلام سُنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔ ہاں رُوح کا ایک تعلّق بدن سے وہ تھا جو دُنیوی زندگی میں تدبیر اور نشو ونما کا تھا، برزخ اور قبر میں یہ تعلّق نہیں ہوتا۔ صرف رُوحانی تعلق ہوتا ہے جو ادراک وشعور اور سماع وغیرہ میں منحصر رہتا ہے۔

حضرت مدنی رح

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رح (المتوفی ۱۳۷۷ھ) آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر حاضری کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارہ میں مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرورِ کائنات علیہ السّلام کی زیارت اور آپ کے توسّل کی غرض سے ہونی چاہیئے۔ آپ کی حیات نہ صرف رُوحانی ہے جو کہ عام مؤمنین و شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دُنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ سے توسّل نہ صرف وجودِ ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیئے۔ محبوبِ حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے الخ۔ (مکتوبات شیخ الاسلام۔ جلد اوّل ص۱۱۹، ص۱۲۰)۔

اور جلد ا ص۳۱۲ میں فرماتے ہیں: "حاضری روضۂ مبارک کے وقت آں حضرت علیہ السّلام کی رُوح پر فتوح کو وہاں جلوہ افروز سُننے والی جاننے والی غایت جمال و جلال کے ساتھ تصوّر کرتے ہوئے شہنشاہِ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جُملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے" اھ۔ حضرتؒ کی ان عبادات سے معلوم ہُوا کہ سماع صرف رُوحانی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت کی عبارات میں سے صرف رُوحانی کا لفظ پلّے باندھ لیا ہے (جیسے مؤلف ندائے حق وغیرہ) تو ان کا نظریہ درُست نہیں ہے۔ ان پر اخلاقی طور پر یہ لازم ہے کہ حضرت رح کی تمام عبارات کو پیشِ نظر رکھ کر ان کا مطلب لیں

فقہی دلیل حضرات منکرینِ سماع ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں ۔ جو کتب فقہ و فتاویٰ میں موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ میں فلاں سے کلام اور گفتگو نہیں کروں گا اور وہ شخص فوت ہو گیا اور قسم اٹھانے والے نے اس کی قبر پہ جاکر اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا ۔

لان الموتٰی لا یسمعون ۔ کیوں کہ مُردے نہیں سُنتے ۔

اس جزئی کی فقہی عبارات کو نہایت اختصار کے ساتھ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے نقل کیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

سوال بست و ششم سماعتِ موتیٰ کلام احیاء سوائے سلام در شرع جائز است یا گناہ ؟ کدام گناہ ؟

چھبیسواں (۲۶) سوال سلام کے بغیر مُردوں کا زندوں کے کلام کا شرعًا سُننا کیسا ہے ؟ جائز ہے یا گناہ ؟ اور گناہ کیسا ہے ؟

جواب : عادت و تکیہ سائل است در ہر جا می پرسد جائز است یا گناہ ؟ کدام گناہ ، بنا پر تکیہ کلام خود نیز ایں جا می پرسد کہ جائز است یا گناہ ؟ و الّا ایں مقام پرسیدن بایں عبارت نمی سزد زیرا کہ جواز و گناہ در افعال و اعمال می شود و ایں

الجواب :۔ سائل کی عادت اور تکیۂ کلام یہ ہے کہ وہ ہر جگہ یہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا گناہ ؟ اور گناہ ہے تو کیسا ؟ اپنے اسی تکیۂ کلام کی وجہ سے یہاں بھی وہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا گناہ ؟ ورنہ اس مقام میں اس طرح پوچھنا مناسب نہیں ہے ۔ کیونکہ جواز اور گناہ افعال اور اعمال میں ہوتا ہے ۔

متعلق باخبار است کہ ایں امر ثابت است یا نہ پس جواب ایں است کہ نزد اکثر حنفیہ سماعت موتیٰ ثابت نیست چنانچہ از کافی شرح وافی و فتح القدیر حاشیۂ ہدایہ صراحۃً واشارۃً کہ قریب بتصریح است و از مستخلص شرح کنز و عینی شرح کنز و کفایہ شرح ہدایہ معلوم می شود چنانچہ عبارات آنہا مرقوم می شود و در دیگر کتب ہم موجود بنا بر طول عبارات بر نقل عبارت ایں پنج کتب اکتفا نمودہ شدہ اھ۔ (مائۃ مسائل صـ۴۶)

اور یہ سوال اخبار کے متعلق ہے کہ یہ معاملہ ثابت ہے یا نہ۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر احناف رح کے نزدیک سماعِ موتیٰ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ کافی شرح وافی اور فتح القدیر حاشیۂ ہدایہ میں صراحۃً اور اشارۃً جو تصریح کے قریب ہے۔ اور مستخلص شرح کنز اور عینی شرح کنز اور کفایہ شرح ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ ان کی عبارات لکھی جا رہی ہیں، اور دوسری کتابوں میں بھی یہ موجود ہے مگر طوالت کے ڈر سے صرف ان پانچ کتابوں کی عبارت کے نقل پر ہم اکتفاء کرتے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے صـ۴۶ سے صـ۵۳ تک ان کتابوں کی وہ تفصیلی عبارتیں نقل کی ہیں جو قسم اور یمین کے مسئلہ سے متعلق ہیں اور بظاہر عدمِ سماعِ موتیٰ پر دال ہیں۔

الجواب:۔ حضرات مجوّزین سماعِ موتیٰ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں جیساکہ حضرت ملا علی ن القاری رح اور حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب رح

کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ قسم کا مدار عرف پر ہے اور عرف عام میں لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے (یعنی ان کے سننے کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا کیونکہ تکلیفی زندگی باقی نہیں رہتی) اس لئے قسم اٹھانے والا باوجود کلام کرنے کے حانث نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنوی رح تحریر فرماتے ہیں :۔

وانما حکموا فی الحلف بالضرب والکلام والدخول علیہ ونحوھا بعدم الحنث عند وجود ھٰذہ الاشیاء بالمیت لکون الایمان مبنیۃ علی العرف والعرف قاض علیٰ ان ھٰذہ الامور یراد بھا ارتباطھا مادام الحیوٰۃ لا بعد الموت فالکلام بالمیت وان کان کلاماً حقیقۃً ویوجد فیہ الاسماع والافھام لکن العرف یحکم بان المراد فی قولہ لا اکلمک ھو الکلام حالۃ حیاتہ الخ (عمدۃ الرعایۃ ج ۲ ص ۲۵۴)

مشائخ نے میت کو مارنے اس سے کلام کرنے اور اس کے پاس جانے وغیرہ امور میں عدم حنث کا حکم کیا ہے کیونکہ قسموں کا مبنیٰ عرف ہے اور عرف یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان امور کا ارتباط زندگی تک ہے بعد الموت نہیں۔ پس میت سے کلام اگرچہ حقیقۃً کلام ہے اور اس میں اسماع اور افہام پایا جاتا ہے لیکن عرف یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس عدم تکلم سے حالتِ حیات میں عدم تکلم مراد ہے۔

اور حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی رح اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں :۔

واما مسألة الايمان التی ذکرها الشیخ ابن الهمامؒ فمبنی الایمان علی العرف فاذا حلف احد انه لا یکلم فلانا فلا یفهم منه اهل العرف الا التکلیم فی حالة الحیوة فلا یحنث بتکلیمه میتاً والله تعالیٰ اعلم (فتح الملهم ج ۲ ص۴۷۹)	بہر حال قسم کا مسئلہ جس کو شیخ ابن الہمامؒ نے بیان کیا ہے (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) قسموں کا مبنی عُرف پر ہوتا ہے۔ سو جب کوئی شخص یہ قسم اٹھائے کہ مَیں فلاں سے کلام نہیں کروں گا تو اس سے اہلِ عُرف یہی سمجھتے ہیں کہ زندگی .... کی حالت میں کلام کرنا مُراد ہے لہٰذا مُردہ کے ساتھ کلام کرنے کی وجہ سے وہ حانث نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سے معلوم ہُوا کہ عرفِ عام میں کلام کرنے نہ کرنے کا تعلّق زندوں سے ہوتا ہے جس پر عادۃً کوئی اثر اور نتیجہ مرتّب ہو اور کلام کرنے والا مخاطب کی گفتگو سے بھی فائدہ اٹھا سکے اور اس کے ہاں یا نہیں اور رضا اور عدم رضا سے آگاہ اور واقف ہو سکے۔ اور مُردہ چونکہ مکلّف نہیں، اور عادۃً اس کی آواز بھی نہیں سُنی جا سکتی اس لئے عُرفِ عام کے لحاظ سے مُردہ سے وُہ کلام نہیں جو زندہ سے تھا لہٰذا متکلّم اور حالف اس سے حانث نہ ہوگا۔

علّامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی رحؒ لکھتے ہیں کہ :-

فقال المحقق الشیخ علی ن القاری
الحنفی فی شرح المشکوٰۃ فی شرح
حدیث اھل القلیب اقول ھذا
منھم مبنی علیٰ ان مبنی الایمان
علی العرف فلا یلزم منہ نفی حقیقۃ
السماع کما قالوا فیمن حلف لا
یأکل اللحم واکل السمک
مع انہ تعالیٰ سماہ لحماً طریاً،،
اقول وھذا کذٰلک فان من
حلف لا یکلم زیداً وکان میّتاً
فکلمہ لا یحنث لان التکلم المراد
منہ المتعارف الذی یکون فیہ
محاورۃ باخذ الکلام وردہ
ولما کان المیت یسمع ولا
یرد رداً متعارفاً بل رداً نؤمن
بہ ولا نسمعہ غالباً لم یحصل
حقیقۃ التکلم العرفی فلھذا

محقق الشیخ ملا علی ن القاری رحمہ نے مشکوٰۃ
کی شرح میں حدیث اہلِ قلیب (یعنی وہ کنواں
جس میں مقتولینِ بدر کو پھینکا گیا تھا) کی شرح
میں فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حضرات
فقہاء کرام رح کا یہ ارشاد اس بات پر مبنی ہے
کہ قسموں کا مدار عرف پر ہے سو اس سے حقیقتِ
سماع کی نفی لازم نہیں آتی۔ جیساکہ انھوں نے
کہا ہے کہ جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ گوشت
نہیں کھائے گا اور اس نے مچھلی کھالی تو وہ
حانث نہ ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُس پر
لحماً طریاً (تازہ گوشت) کا لفظ اطلاق
فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اسی طرح
ہے جس نے قسم اٹھائی کہ وہ زید سے بات
نہیں کرے گا، اور زید مر چکا ہے اور
اُس نے اُس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔
کیونکہ تکلّم سے مُراد وہ متعارف کلام ہوتا
ہے جس میں طرفین سے گفتگو کرنے اور رد

قالوا لا یسمع لا لان المیّت لا یسمع اھ (المنحۃ الوھبیۃ ص۱۰ طبع استنبول)

کرنے کا سلسلہ ہو اور جب مُردہ سُنتا ہے اور اس طریقہ سے جواب رَد نہیں کر سکتا جو متعارف ہے بلکہ وہ ایسے طریقہ سے رَد کرتا ہے جس پر ہم ایمان تو لاتے ہیں مگر غالباً سُنتے نہیں، اور اس طریقہ سے تکلّم عُرفی کی حقیقت حاصِل نہیں ہوتی تو اس وجہ سے حضرات فقہاء کرامؒ نے کہا ہے کہ وہ سُنتا نہیں، نہ اس وجہ سے کہ سچ مچ مُردہ نہیں سُنتا۔

حضرت ملا علی ن القاری رح نے یہ بحث مرقات ج۴ ص۱۱ میں کی ہے۔ جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ کلام سے جو مقصُود ہوتا ہے وہ یہاں مفقوُد ہے۔ اِس لئے قسم اٹھانے والا حانث نہ ہوگا کیونکہ کلام سے مقصُود یہ ہوتا ہے کہ دُوسرا سمجھ کر اور سُن کر اس کو جواب دے جس کو متکلّم سُن سکے۔ اور میّت گو آواز سُنتی اور جواب بھی دیتی ہے مگر اس کی آواز عادۃً سُنی نہیں جاتی اِس لئے یہ کلام عُرفی کلام کی مَد میں شامل نہیں اور اس پر حنث بھی نہیں۔ مُردہ تو آخر مُردہ ہے۔ فِقہ سے اِس کا بھی ثبوت ہے کہ بعض اوقات حضرات فقہاء کرام رح زندہ آدمی کے کلام کو بھی کلام نہیں کہتے۔ چنانچہ علّامہ ..... ابن عابدین الشامی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

وفی التحریر وتبطل عباراتہ	اور تحریر (الاصول) میں ہے کہ سونے والے کی
من الاسلام والردۃ والطلاق	عبارات اسلام ۔ ردّت اور طلاق وغیرہ سب
ولم توصف بخبرٍ ولا انشاءٍ	میں باطل ہیں اور اس کی عبارتیں نہ تو خبر اور
وصدقٍ وکذبٍ کالحان الطیور	انشاء سے متصف ہیں اور نہ سچ اور جھوٹ
ومثلہ فی التلویح فھذا	سے ۔ جیسے پرندوں کی بولیاں اور اسی طرح
صریح فی ان کلام النائم لا	تلویح میں ہے ۔ پس اِس بیان میں اس
یسمّٰی کلامًا لا لغۃً ولا شرعًا	کی تصریح ہے کہ سونے والے کا کلام نہ تو
بمنزلۃ المھمل اھ (شامی	لُغت کے لحاظ سے کلام ہے اور نہ شرع کے
ج ۲ ص۵۸۸ طبع مصر مطلب طلاق المدہوش)	اعتبار سے بلکہ یہ بمنزلہ مہمل کے ہے ۔

ملاحظہ فرمائیے کہ سونے والا باقاعدہ بولتا ہے اور سُننے والے سُنتے ہیں مگر بایں ہمہ اس کے کلام کو حضرات فقہاء کرام رح نہ لُغتہً کلام کہنے کو تیار ہیں اور نہ شرعًا محض اس لئے کہ نیند کی حالت میں آدمی حدیث کے رُو سے (رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتّٰی یستیقظ الحدیث الجامع الصغیر ج ۲ ص۲۴ حم ۔ د ۔ ن ۔ ہ ۔ ک ۔ صحیح) مرفوع القلم اور غیر مکلّف ہوتا ہے اور چونکہ وہ بے بس و بے اختیار ہے ۔ اس لئے اس کے کلام پر کلام کا اطلاق بھی نہیں ہوتا اور نہ اسلام و ردّت اور طلاق وغیرہ کے شرعی اور فقہی احکام اس پر مترتب ہوتے ہیں اور اس کا کلام نہ خبر ہے نہ انشاء اور نہ سچ ہے اور نہ جھوٹ بلکہ اس کو

ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے طوطا وغیرہ پرندے بولیاں بولتے ہیں۔ اور قسم کا تو مدار ہی عُرف پر ہے۔ کُتبِ فقہ۔ فتاویٰ اور تفاسیر میں اس کی بے شمار جزئیات موجود ہیں۔ صرف بات کو واضح اور مبرہن کرنے کے لئے ہم یہاں چند جزئیات باحوالہ عرض کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ میں آٹا نہیں کھاؤں گا۔ اگر اُس نے آٹے سے تیار کی ہوئی روٹی وغیرہ کھالی تو حانث ہوگا اور اگر تکلیف اُٹھا کر آٹا ہی پھانک گیا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری صـ۲۰۷) اور یہ اس لئے کہ عُرفِ عام میں آٹا پھانکا نہیں جاتا بلکہ اس کی روٹی کھائی جاتی ہے۔

اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں سر نہیں کھاؤں گا تو یہ اُس سر پر بولا جائے گا جو عادۃً بازار میں فروخت ہوتا ہے (حضرت امام ابُوحنیفہ رح کے نزدیک گائے، بھینس، بھیڑ اور بکری کا اور حضرات صاحبین رح کے نزدیک صرف بھیڑ اور بکری کا سر) اگر کسی نے چڑیا وغیرہ جانور کا سر کھالیا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری صـ۲۰۸ و التوضیح والتلویح صـ۱۱۳) اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ چڑیا وغیرہ جانوروں کا سر، سر ہی نہیں ہوتا۔ سر تو بہر حال ہوتا ہے مگر عُرفِ عام میں وہ بازاروں میں فروخت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے استعمال سے حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ بیت (گھر) میں داخل نہ ہوگا۔ اگر وہ بیت اللہ شریف یا مسجد یا گرجا یا کلیسا وغیرہ عبادت خانوں میں

داخل ہوگیا تو حانث نہ ہوگا (قدوری ص۲۰۶) اگرچہ حقیقتاً یہ بھی گھر ہی ہیں اور ان کی بھی عموماً دیواریں اور چھتیں ہوتی ہیں اور ان میں بھی بسا اوقات رات گزاری جاتی ہے اور ان میں بھی بیتوتت (یعنی رات گزارنے) کا تحقق ہوتا ہے لیکن عرفِ عام میں ان کو عام اور مطلق بیت نہیں کہتے اس لئے اس سے حِنث لازم نہیں آتا۔ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں کلام نہیں کروں گا۔ اُس نے اگر نماز شروع کی اور اس میں اس نے قرآنِ کریم پڑھا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری ص۲۰۶) حالانکہ قرآن کریم بھی کلام ہے مگر اللہ تعالیٰ کا اور عرفِ عام میں اس پر کلام نہیں بولا جاتا۔

اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ اس نے اگر مچھلی کا گوشت کھالیا تو حانث نہ ہوگا (قدوری ص۲۰۷) اگرچہ قرآنِ کریم میں اس پر لحم کا لفظ بولا گیا ہے (لَحْمًا طَرِيًّا۔ یعنی تازہ گوشت) مگر عرفِ عام میں مطلق لحم اور گوشت کا لفظ اس پر نہیں بولا جاتا۔ اس لئے مچھلی خور اس قسم کی وجہ سے حانث نہ ہوگا۔ کتُب فقہ و اصول میں یہ مسئلہ بصراحت مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں میوہ اور پھل نہیں کھاؤں گا اور اس نے انگور اور انار کھالئے تو حضرت امام ابُوحنیفہ رح کے نزدیک وہ حانث نہ ہوگا (شرحِ وقایہ ج۲ ص۲۲۲، نورُ الانوار ص۱۱۶، والتوضیح والتلویح ص۱۱۵) اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کی تحقیق میں ان میں تفکہ اور تلذذ سے زائد معنی موجود

ہیں یعنی میوہ تلذّذ کے لئے کھایا جاتا ہے اور انگور و انار سے ان کے نزدیک بعض علاقوں میں خوراک اور غذا کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے کھانے والا حانث نہ ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ فلاں عورت سے مجامعت نہیں کرے گا اور اس کو بوسہ نہ دے گا۔ اگر اس عورت کی زندگی میں یہ کارروائی ہوئی تو حانث ہو جائے گا۔ اگر اس عورت کے مرنے کے بعد یہ کارروائی اس سے کی گئی تو حانث نہ ہوگا۔ (فتاویٰ سراجیہ صـ۵۸ طبع نولکشور و نحوہ فی جامع الکبیر للامام محمدؒ صـ۳۷) اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس عورت کے رخسار اور شرمگاہ ہی مرنے کے بعد غائب ہوگئی ہے اور بوسہ و مجامعت کا تحقّق ہی نہیں ہوا مگر چونکہ عرفِ عام میں یہ کارروائی زندہ سے مراد لی جاتی ہے لہٰذا مُردہ کے ساتھ اس کارروائی سے حنث لازم نہ ہوگا۔

اگر کسی نے یہ قسم اُٹھائی کہ میتہ (بے ذبح کیا ہوا جانور) نہیں کھاؤں گا۔ اور اس نے مچھلی اور مکڑی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم اٹھائی کہ میں دم (خون) نہیں کھاؤں گا اور اس نے جگر اور تلّی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم اٹھائی کہ میں دابہ (جانور) پر سوار نہیں ہوں گا اور وہ کافر پر سوار ہوگیا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ حدیث میں مچھلی و مکڑی پر میتہ اور جگر و تلّی پر دم کا اطلاق ہوا ہے۔

(اُحِلَّ لنا المیتتان الدمان فاما المیتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالکبد والطحال ہ۔ ک۔ ھق عن ابن عمرؓ صحیح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۳ طبع مصر)

اور کفار کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۲۱۵ طبع مصر) یعنی بدترین جانور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر ہیں)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ "پھر الاشباہ والنظائر میں عُرف اور شرع میں باہم تعارض ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ جب عُرف اور شرع میں باہم تعارض ہووے تو استعمال کے بارے میں جو عرف ہوگا وُہی مقدم سمجھا جاوے گا۔ خصوصًا قسم کے مسائل میں۔ مثلاً جب کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ فرش پر نہ بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ بساط پر نہ بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ سراج (چراغ) کی رَوشنی سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا تو وہ شخص اس صُورت میں حانث نہ ہوگا کہ زمین پر بیٹھے اور نہ اس صورت میں حانث ہوگا کہ آفتاب کی رَوشنی سے فائدہ اٹھاوے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں زمین کو فرش اور بساط فرمایا ہے اور سراج کا لفظ شمس کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے اور اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ گوشت نہ کھاؤں گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں لحم کا لفظ مچھلی کے گوشت کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے۔ اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ دابّہ پر سوار نہ ہوگا تو اس صُورت

میں حانث نہ ہوگا کہ مثلاً پالکی پر سوار ہووے اور وہ پالکی کفار لے جاویں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دابہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور اگر قسم کھا کر کہا کہ سقف (چھت) کے نیچے نہ بیٹھوں گا اور اس کے بعد آسمان کے نیچے بیٹھا تو حانث نہ ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سقف ارشاد فرمایا ہے۔ انتھی (فتاویٰ عزیزی ج۲ ص۲۷۹ مترجم اردو و اصل فارسی ج۲ ص۱۲۸، ص۱۲۹ طبع مجتبائی دہلی)۔

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس نے شوربا کھایا یا مچھلی کھائی تو حانث نہ ہوگا۔ ہاں مگر جب نیت کرے تو الگ بات ہے اور اگر اس نے قسم اٹھائی کہ دابہ پر سوار نہیں ہوگا یا میخ اور کیل پر نہ بیٹھے گا اور وہ پہاڑ پر جا بیٹھا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ قرآن کریم میں مچھلی پر گوشت کا، کافر پر دابہ کا اور پہاڑوں پر کیلوں (وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا) کا اطلاق ہوا ہے اور یہ نہ حانث ہونا عرف کی وجہ سے ہے۔ (رسائل ابن عابدین ص۳۰۰ طبع مصر)

الحاصل کتب فقہ و فتاویٰ و اصول و تفسیر وغیرہ میں قسم کے سلسلہ میں عرفِ عام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا گیا لہٰذا فقہ کی اس جزئی سے مطلقاً سماعِ موتیٰ کی نفی پر استدلال قطعاً صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ خود مائۃ مسائل میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ مُردے سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں اور یہ حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اگر مائۃ مسائل میں پیش اور نقل کردہ ان فقہی حوالوں سے ان کے نزدیک مطلقاً

سماعِ موتیٰ کی نفی مراد ہوتی تو پھر مُردے کے کلام سُننے کا کیا مطلب ہے؟
لہٰذا حضرت ملا علی ن القاری رحؒ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحؒ، مولانا عبدالحی صاحب رحؒ، حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب رحؒ اور حضرت مولانا عثمانی رحؒ وغیرہ حضرات کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ فقہ کے اس جزئیہ سے سماعِ موتیٰ کی نفی نہیں ہوتی اور یہ سب حضرات خود فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور یہ سب حضرات محقق حنفی ہیں اور مؤخّر الذکر دونوں بزرگ علمائے دیوبند میں بلند پایہ شخصیّتیں ہیں۔

ایک مغالطہ اور اُس کا جواب

مؤلف اقامۃ البرہان (دیکھئے ص۵، ص۷) وغیرہ نے ہدایہ، فتح القدیر، بنایہ، طحطاوی اور مبسوط (ج ۹ ص۹۷) کی ایک عبارت سے عدمِ سماعِ موتیٰ پر استدلال کیا ہے۔ واللفظ للآخر

فان المقصود من الکلام الافہام	کیونکہ کلام سے مقصود افہام ہے اور یہ موت
وذلک لایحصل بعد الموت	کے بعد حاصل نہیں ہوتا۔

الجواب: اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میّت سرے سے علم و فہم اور اِدراک و شعور ہی سے محرُوم ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ جو مُنکرین سماعِ موتیٰ میں پیش پیش سمجھی جاتی ہیں۔ مُردوں کے لئے علم و فہم تو وہ بھی ثابت کرتی ہیں۔ جیساکہ بخاری وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تصریح گزر چکی ہے۔

اور اگر سچ مچ مُردوں میں فہم وشعور نہیں ہوتا تو پھر وہ نکیرین کے سوالات کو کیسے سمجھتے ہیں؟ اور پھر بلا فہم وشعور ان کو جواب کیسے دیتے ہیں؟ اور پھر ان غیر شعوری جوابات کا عند اللہ تعالیٰ اعتبار کیوں کیا جاتا ہے؟ اور پھر ان جوابات پر راحت وعذاب کیسے مترتب ہے اور پھر فہم وشعور کے بغیر وہ اس راحت وعذاب کا ادراک کیسے کرتے ہیں؟ اور پھر زندوں کا سلام سُن کر اُن کو جواب کیسے دیتے ہیں؟ (جس کی صحیح احادیث سے پوری بحث پہلے گزر چکی ہے) اور جب زندوں کے بعض اعمال اُن پر پیش کئے جاتے ہیں تو اچھے کاموں سے وہ خوش ہوتے ہیں اور بُرے کاموں پر ان کے لئے وُہ دُعائیں کرتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ غیر شعوری طور پر ہی اُن سے صادر ہوتا ہے؟ اس نظریہ کے پیشِ نظر تو راحت وعذاب قبر کی جملہ احادیث پر اور کُتب عقائد میں اہل السنّت والجماعت کی طرف سے پیش کردہ تمام عقلی اور نقلی دلائل پر پانی پھر جاتا ہے۔ کون عقلمند اس نکمّی بات کو تسلیم کر سکتا ہے؟ الغرض بقول حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ مُردوں کے ادراک وشعور کا انکار اگر کفر نہیں تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شُبہ ہی نہیں ہے (عبارت ان کی پہلے عرض کی جا چکی ہے) کُتبِ فقہ کی اس عبارت اور جزئیہ کا مطلب اس کے سِوا اور کچھ نہیں کہ تکلیفی زندگی کی طرح جس پر عادۃً کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے، مُردوں میں اس قسم کا

افہام و تفہیم نہیں اور عرفِ عام کے لحاظ سے کلام کا جو مقصود ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن الھمام رح (صاحب فتح القدیر) اور علّامہ عینی رح (صاحب بنایہ) کی عبارتیں پہلے گزر چکی ہیں کہ وہ فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ پھر ان کی عبارات کی ان کی مرضی کے خلاف توجیہ کرنا توجیہ الکلام بما لایرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے۔ اور حافظ ابن الھمام رح نے علم کلام کی کتاب المسایرہ میں میّت کے فہم اور ادراک کا اثبات کیا ہے (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۱۱۶ مع المسایرہ طبع مصر)۔

عدمِ سماعِ موتیٰ کی ایک اور دلیل

مؤلّف شفاء الصدور (ص ۵۷ میں) اور صاحب تسکین القلوب (ص ۹۷ میں) لکھتے ہیں: واللفظ لہ لانزاع فی ان المیت لا یسمع (شرح مقاصد ص ۱۶۳ بحوالہ البصائر ص ۴۰) اس میں کوئی نزاع نہیں کہ میّت نہیں سُنتی۔ پھر حنفیہ کرام کے یہ اصحاب فتاویٰ۔ البحر الرائق۔ الظہیریہ۔ طحطاوی حاشیۂ مراقی الفلاح، الجوہرہ، جامع الرموز، سراج الوہاج، فتاویٰ قاضیخان، اور نہر الفائق سب اس پر متفق ہیں کہ امام سلام پھیرتے وقت نمازِ جنازہ سے میّت کو سلام دینے کا ارادہ نہ کرے اس لئے کہ وہ اس کا اہل نہیں یعنی سُنتا نہیں۔ البصائر ص ۴۰ انتہیٰ بلفظہٖ۔

الجواب: فقہ کے اس جزئیہ سے عدمِ سماعِ موتیٰ پر استدلال صحیح نہیں

ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ میّت کو سلام میں مُراد لینے اور نہ لینے کا مسئلہ خود حضرات فقہاء احناف رح میں اختلافی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :۔

ولم یُبیّن المنوی بالتسلیمتین للاختلاف ففی التبیین و فتح القدیر ینوی بهما المیت مع القوم و فی الظهیریة ولا ینوی الامام المیت فی تسلیمتی الجنازة بل ینوی من عن یمینه فی التسلیمة الاولیٰ ومن عن یساره فی التسلیمة الثانیة اھ وھو الظاهر لان المیّت لا یخاطب، بالسلام علیه حتّٰی ینوی به اذ المیّت بیس اهلاً له الخ

(البحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۳ طبع مصر)

دونوں سلاموں میں جس کو مُراد لیا گیا ہے اس کا ذکر انھوں نے نہیں کیا اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے۔ تبیین اور فتح القدیر میں ہے کہ ان دونوں سلاموں میں قوم کے ساتھ میّت کو بھی مُراد لے اور ظہیریہ میں ہے کہ امام جنازہ کے دونوں سلاموں میں مَیت کی نیت نہ کرے بلکہ دائیں اور بائیں طرف کے سلام میں انھیں لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں اور بائیں ہیں اور ظاہر بات بھی یہی ہے کیونکہ (اس تکلیفی) سلام کا میّت اہل ہی نہیں لہٰذا اس کو سلام اور خطاب کرنا کیسا؟

اور حافظ ابن الھمام رح لکھتے ہیں کہ :۔

وینوی بالتسلیمتین المیّت

کہ امام دونوں سلاموں میں قوم کے

مع القوم انتہی (فتح القدیر ج ۱ صفحہ ۲۶ طبع مصر) ساتھ میت کی نیت بھی کرے۔

جب یہ مسئلہ خود حضرات فقہاء احناف رح میں اختلافی ہے تو اس سے بلا اختلاف بتائے استدلال کرنا کون سی علمی خدمت ہے۔ حیرت ہے ان بزرگوں پر جو فقہ کی بہت سی کتابوں کا نام لکھ کر عوام کو یہ باور کرا رہے ہیں بلکہ مغالطہ دے رہے ہیں کہ یہ جزئیہ متفق علیہا ہے۔ الغرض جہاں سلام میں میت کی نیت نہ کرنے والے حضرات موجود ہیں، وہاں حافظ ابن الھمام رح جیسے محقق میت کو نیت میں مراد لینے والے بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اس جزئیہ کے اختلافی ہونے کے باوجود اس کو غیر مسلّم کہنے والے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین الشامی الحنفی رح لکھتے ہیں کہ :-

وقولہ ھنا اذ المیت لیس اھلاً لہ غیر مسلّم وسیأتی ماورد فی اھل المقبرۃ السلام علیکم دار قوم مؤمنین وتعلیمہ صلے اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلم السلام علی الموتٰی (منحۃ الخالق ج ۲ ص ۱۸۳ طبع مصر)

ابن نجیم رح کا اس مقام پر یہ کہنا کہ میت سلام کی اہل نہیں، مُسلّم نہیں ہے اور عنقریب اہلِ قبور کے بارے جو وارد ہوا ہے، آ رہا ہے کہ ان کو السّلام علیکم دار قوم مؤمنین کے الفاظ سے سلام کہا جائے اور آں حضرت صلّے اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے (اُمّت کو) مُردوں پر سلام کہنے

کی تعلیم بھی دی ہے ۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ علامہ شامی رح نے اس امر کا صاف انکار کیا ہے کہ میّت سلام کی اہل نہیں اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ علامہ شامی رح بھی فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ لہٰذا مؤلف "شفاء الصدور کا صلا میں اور ندائے حق صلا میں علامہ شامی رح کو منکرینِ سماعِ موتیٰ میں شامل کرنا قطعاً غلط ہے۔

وثانیاً اس لئے کہ ان عبارات میں "اہل نہیں" کا یہ مطلب نہیں کہ میّت سُنتی نہیں بلکہ یہاں حضرات فقہاء کرام رح کا مطمحِ نظر ہی اور ہے قاضی خان کی عبارت یہ ہے :۔

ولا ینوی الامام المیت فی تسلیمتی الجنازۃ بل ینوی من عن یمینہ بالتسلیمۃ الاولیٰ ومن عن یسارہ بالتسلیمۃ الثانیۃ انتہیٰ (فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۹۲ طبع نولکشور)	اور جنازہ کے دونوں سلاموں میں امام میّت کا ارادہ نہ کرے بلکہ پہلے سلام میں ان لوگوں کا ارادہ کرے جو اس کے دائیں طرف ہیں اور دوسرے سلام میں اُن کی نیّت کرے جو اُس کی بائیں جانب ہیں

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ پہلے سلام کو بائیں طرف والے اور دوسرے سلام کو دائیں طرف والے نہیں سُنتے بلکہ مقصد یہ ہے کہ پہلے سلام کے دائیں طرف والے اہل اور مستحق ہیں اور دوسرے سلام کے بائیں جانب

والے اور اسی طرح جامع الرموز ج ۱ صـ۷۲ میں لکھا ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت امام ان انسانوں اور جنّوں کی نیّت کرے جو اس کی دائیں جانب ہیں اور بائیں طرف سلام میں بائیں طرف کے انسانوں اور جنّوں کی نیّت کرے اور کافی کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ہمارے زمانہ میں سلام میں عورتوں کی نیّت ہی نہ کرے اور یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سلام میں فاسقوں کی نیّت نہ کرے۔ اور یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ پہلے سلام میں حاضرین کی نیت کرے اور دُوسرے سلام میں تمام انسانوں اور جنّوں کی نیّت کرے اور ج ۱ صـ۷۳ میں یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ بعض کے نزدیک منفرد تمام انسانوں کی نیّت کرے (ملخصہٗ) ان عبارات میں اس کا کہ امام سلام پھیرتے وقت عورتوں اور فاسقوں کی نیت نہ کرے، یہ مطلب تو یقیناً نہیں کہ عورتیں اور فاسق سلام سُنتے ہی نہیں۔ اور اس معنیٰ میں وہ اہل نہیں کہ وُہ سُننے سے قاصر ہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ عورتیں جو عموماً مبداء فساد ہیں (مشہور مقولہ ہے کہ مبداء فساد تین چیزیں ہیں۔ زن۔ زر۔ زمین۔) اور فاسق جو رب تعالیٰ کے نافرمان ہیں، اس سلام کے اہل اور مستحق نہیں ہیں۔ اسی طرح جو شخص وفات پاچکا ہے اس کے لئے بعد از موت دُنیا کی تکالیف اور مصائب سے سلامتی کی دُعا کا کیا معنیٰ؟ چونکہ زندہ انسان کو اس تکلیفی زندگی میں طرح طرح کے مصائب پیش آتے رہتے ہیں اس لئے اس کے حق میں سلام

کرنا اور سلامتی کی دُعا کرنا درست ہے اور وہ اس کا اہل و مستحق ہے بخلاف میّت کے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جامع الرموز میں ایک قول یہ بھی تو نقل کیا گیا ہے کہ منفرد بعض حضرات فقہاء کے نزدیک سلام پھیرتے وقت تمام انسانوں کو مُراد لے (ینوی جمیع الناس) کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تمام انسان اس کے سلام کو سُنتے ہیں اور اس معنی میں وہ اس کے اہل ہیں لہٰذا وہ ان بعض حضرات فقہاء کرام کے نزدیک سلام میں سب کی نیّت کرے؟ کون عقلمند یہ معنیٰ مُراد لے سکتا ہے؟

وثالثاً اِس لئے کہ کُتبِ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ بعض اوقات ایسے لوگوں کو بھی سلام کہنا مکروہ ہے جو باقاعدہ سُنتے ہیں۔ امام صدر الدین الغزی الحنفی رح کا عربی قصیدہ جو سلامك مكروه على من ستسمع سے شروع ہوتا ہے درمختار (ج ۱ ص۲۷۵ طبع مصر) میں منقول ہے۔ جس میں تقریباً بیس اشخاص ایسے بتائے ہیں جنھیں سرے سے سلام کہنا ہی مکروہ ہے، جن میں نمازی، مؤذّن، محدّث، خطیب، اقامت کہنے والا، اجنبی عورتیں، شطرنج کھیلنے والا اور قضائے حاجت میں مصروف وغیرہ اشخاص مذکور ہیں، اور فتاویٰ سراجیہ ص۲۷ میں ہے کہ حمام میں سلام نہ کہے، اور فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص۷۹۲ میں ہے کہ جو لوگ خطبہ سُن رہے ہوں، انکو بھی سلام نہ کہے۔ اگر کسی نے سلام کیا تو سامعین پر ردِّ سلام واجب نہیں

ان فقہی احکام کا یہ مقصد تو ہرگز نہیں کہ یہ تمام لوگ کانوں سے بہرے ہوتے ہیں اور سلام نہیں سُنا کرتے، اس لئے ان کو سلام نہیں کہنا چاہیئے سلام نہ کہنے یا سلام کہہ کر کسی کی سلام میں نیت نہ کرنے سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ وہ سُنتا نہیں؟

ورالعا[۴] اس لئے کہ حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کی روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گزرے، جس میں مسلمان، بُت پرست اور یہودی وغیرہ تھے اور ان میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ بھی تھا۔ آپ نے اُنھیں سلام کہا۔ (محصلہ بخاری ج۲ ص۹۲۴) اس حدیث کی شرح کے فوائد میں علامہ قسطلانی رح (وغیرہ شراحِ حدیث) لکھتے ہیں کہ:-

ففیہ انہ یسلم بلفظ التعمیم ویقصد بہ المسلم (ھامش بخاری ج ۲ ص ۹۲۴)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلام تو عام لفظ سے کہے لیکن قصد اور نیت صرف مسلمان کی کرے۔

کون یہ باطل اور بے بنیاد دعویٰ کر سکتا ہے کہ مشرک، یہودی اور بُت پرست وغیرہ کافر اس لئے سلام کے اہل نہیں کہ وہ سُنتے نہیں؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ نافرمان امن اور سلامتی کی دُعا کے اہل و مستحق نہیں ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بلا ضرورت و مجبوری ان کو ابتداءً سلام کہنا درست نہیں ہے اور

جب وہ سلام کہیں تو بفحوائے حدیث ان کو صرف "علیکم" کہہ دینا کافی ہے
دخامسًا اس لئے کہ حدیث کے رُو سے سلام یا تو تکلیفی زندگی کے
لئے ثابت ہے جس میں انسان طرح طرح کی دینی اور دُنیوی پریشانیوں میں
مبتلا رہتا ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ
تجھے سلامتی سے رکھے اور یا قبر کی زندگی کے لئے ثابت ہے جس میں انسان
طرح طرح کی آزمائشوں میں گھِر جاتا ہے۔ مثلاً مُنکر نکیر کا سوال اور متعدد دیگر
اُمور۔ اسی وجہ سے اس کے لئے تثبت کی دُعا کی تلقین آئی ہے اور اس کے
بعد عذاب و راحت اور تخفیفِ عذاب اور رفعِ درجات کا سلسلہ تو حشر
تک باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اس وقت بھی اس کے لئے السلام علیکم کہہ کر سلامتی
کی دُعا کی جا سکتی اور ثابت ہے بخلاف موت کے بعد دفن سے پہلے درمیانی
وقفہ میں شرعًا صراحت کے ساتھ اس کے لئے سلام ثابت نہیں ہے لہٰذا
اس کو سلام نہیں کہنا چاہیئے اور اس سلامتی کی دُعا کا اس لئے وہ اہل نہیں
کیونکہ دُنیوی مصائب سے تو وہ چھوٹ چکا ہے اور قبر کا سلسلہ ابھی تک شروع نہیں
ہوا۔ ہاں بطورِ حزن اس کو خطاب کرنا یا دعا کرنا کہ اسکی مدمیں شامل ہو جائے درست ہے
وسادسًا اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ دفن سے پہلے مُردہ سلام
کا اہل نہیں ہوتا۔ یعنی بقول ان حضرات کے سُنتا نہیں تو اس کی وجہ یہ
ہے کہ اس سے روح نکال لی جاتی ہے جس سے ظاہری طور پر فہم و ادراک، علم و شعور اور

سماع کی اہلیت وابستہ ہے۔ اور جب اس کو قبر میں دفن کر لیا جاتا ہے تو صحیح حدیث کے رُو سے اُس کی طرف اُس کی رُوح لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک گونہ حیات حاصل ہو جاتی ہے (تسکین الصدور ملاحظہ کریں) لہٰذا اب وہ سُنتا ہے جیسا کہ صحیح روایات اور فقہاء کرام رح اور محدّثین عظام رح کے حوالے اس پر پہلے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا قبل از دفن کی حالت پر بعد از دفن کی حالت کو قیاس کر کے مطلق سماع موتیٰ کی نفی کرنا دلائل اور براہین کے لحاظ سے ہرگز درست اور صحیح نہیں ہے اور فقہ کا یہ جزئیہ بھی نہ عدم سماع موتیٰ کا مثبت ہے اور نہ مؤید جیسا کہ کسی بھی ذی فہم و علم سے یہ مخفی نہیں ہے۔

شرح مقاصد کا حوالہ

علّامہ تفتازانی رح تحریر فرماتے ہیں:۔

واما قولہٗ تعالیٰ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ فتمثیل لحال الکفرۃ بحال الموتیٰ ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۲۱ طبع محرم آفندی ترک)

کہ بہر حال اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ اور تو نہیں سُنا سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں تو اس میں کافروں کے حال کو مُردوں کے حال سے مثال دی گئی ہے اور کوئی نزاع نہیں کہ مُردے نہیں سُنتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے نہیں سُنتا اور یہ عدم سماع کا مسئلہ اتفاقی

ہے ' اختلافی اور نزاعی نہیں ہے۔

الجواب : اس عبارت سے استدلال کرنے والوں نے دھوکہ کھایا ہے اور مغالطہ دیا ہے جس سے ان کا مقصد کسی طرح بھی پورا نہیں ہوتا اور سوء فہم سے انہوں نے شرح مقاصد کا مطلب نہیں سمجھا۔ بات در اصل یہ ہے کہ علامہ تفتازانیؒ نے متن (مقاصد الطالبین) میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ المبحث السادس سوال القبر وعذابه حق الخ یعنی سمعیات کے سلسلہ کی چھٹی بحث یہ ہے کہ قبر میں (فرشتوں کا) سوال اور عذاب قبر حق ہے۔ پھراس کی شرح (شرح المقاصد) میں یہ تحریر فرمایا ہے

اتفق الاسلاميون على حقية سوال منكر ونكير وعذاب الكفار وبعض العصاة فيه ونسب خلافه الى بعض المعتزلة الى قوله لنا الآيات الى قوله والاحاديث المتواترة الى قوله تمسك المنكرون بالسمع والعقل اما السمع الى قوله ولا نزاع فى ان الميت لا يسمع واما العقل الى قوله والجواب اجمالا الى قوله وتفصيلا الخ

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبر میں منکر اور نکیر (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا سوال اور تمام کفار اور بعض گنہگاروں پر قبر میں عذاب حق ہے اور اس میں بعض معتزلہ کی طرف اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ (پھر اس کی تشریح کی) آگے فرمایا ہمارے دلائل میں قرآن کریم کی آیات ہیں (اور بعض آیات کا حوالہ دیا) پھر آگے فرمایا اور احادیث متواترہ بھی ہیں (پھر ان میں سے بعض کا ذکر فرمایا) پھر آگے فرمایا اور منکروں نے دلیل سمعی اور دلیل عقلی سے استدلال کیا ہے۔ بہرحال دلیل سمعی یہ ہے (پھر

اس کی خاصی تفصیل بیان کی جس کے
آخر میں یہ بھی ہے ولا نزاع فی
ان المیت لا یسمع) پھر ان کی
عقلی دلیل نقل کی پھر فرمایا کہ معتزلہ کی
سمعی اور عقلی دلیل کا اجمالی جواب یہ
ہے پھر فرمایا کہ تفصیلی جواب یہ ہے۔
پھر آگے اجمالی اور تفصیلی جواب کی
تشریح کی۔

مقاصد اور شرح مقاصد کی مفصل عبارت کا جو تقریباً" دو صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے' یہ نہایت ہی مختصر خلاصہ ہے۔ سماع موتی کے منکرین نے سوء فہم سے ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع کو اپنی دلیل سمجھ لیا ہے کہ عدم سماع موتی اتفاقی مسئلہ ہے حالانکہ یہ جملہ معتزلہ کی سمعی دلیل کا چربہ اور اس کا تتمہ ہے جس کو نقل کر کے آگے علامہ تفتازانیؒ نے ان کی سمعی اور عقلی دلیل کا اجمالاً" اور تفصیلاً" خوب خوب رد کیا ہے مگر منکرین سماع موتی نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ' معتزلہ کے اس جملہ کو اچک کر اپنی دلیل بنا ڈالا اور پھولے نہیں سماتے کہ ہم نے علم کلام کی معتبر کتاب سے مفید مطلب حوالہ ڈھونڈ نکالا ہے مگر

تم جو دیتے ہو نوشتہ وہ نوشتہ کیا ہے
جس میں ایک حرف وفا بھی کہیں مذکور نہیں

علّامہ تفتازانی رح فلاسفہ کے اس باطل نظریہ کی کہ بدن سے جب رُوح جدا ہو جاتی ہے اور بدن ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تو جزئیات کا ادراک اُسے نہیں ہوتا، تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

بل الظاهر من قواعد الاسلام انه
يكون للنفس بعد المفارقة
ادراكات متجددة جزئية
واطلاع على بعض جزئيات
احوال الاحياء سيما الذين كان
بينهم وبين الميت تعارف
(قلت الصحيح تعارف او تقارن
كما لا يخفى صفدر) فى الدنيا
ولهذا ينتفع بزيارة القبور
والاستعانة بنفوس الاخيار
من الاموات فى استنزال
الخيرات واستدفاع الملمات
فان للنفس بعد المفارقة

اِسلام کے قواعد سے یہ ظاہر ہے کہ رُوح
کے لئے بدن سے جدائی کے بعد بھی نئے
نئے جزئی ادراکات ہوتے رہتے ہیں
اور زندوں کے بعض جزئی اعمال پر
بھی انھیں اطلاع ہوتی ہے خصوصًا
ان لوگوں کے احوال سے کہ ان کے
اور میّت کے درمیان دُنیا میں تعارف
اور لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قبور کی زیارت
سے انتفاع ہوتا ہے اور نیک مُردوں
کے نفوس سے (ان سے دُعا کرانے کی برکت
سے) بھلائیاں طلب کرنے میں استعانت
کی جاتی ہے اور اسی طرح پریشانیاں دُور
کرنے میں بھی کیونکہ رُوح کا بدن سے جدا

تعلق ما بالبدن و بالتربۃ التی	ہونے کے بعد بھی ایک گونہ تعلق بدن
دفنت فیھا فاذا زار الحی تلک	سے ہوتا ہے اور اس مٹی سے بھی ہوتا
التربۃ و توجھت تلقاء نفس	ہے جس میں میّت دفن کی جاتی ہے ۔
المیت حصل بین النفسین	جب زندہ قبر کی زیارت کے لئے آتا ہے
ملاقاۃ و افاضات انتھٰی	اور اُس کی رُوح کی میّت کی رُوح کی طرف
(شرح مقاصد ج ۲	متوجہ ہوتی ہے تو دونوں رُوحوں میں ملاقات
صـ ۴۳)	اور افاضات حاصل ہوتے ہیں۔

یہ بات تو اونچے طبقے کے حضرات صوفیاء رح ہی جان سکتے ہیں کہ قبور سے یہ فیض کیسے حاصل ہوتا ہے ؟ ہم لوگ اس کے اہل نہیں ہیں لیکن اصولاً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے اور یہ ممکن ہے (ملاحظہ ہو حاشہ فیض الباری ج ۳ صـ ۴۳۴ وغیرہ)

اس عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ رُوح کا جسم اور قبر سے ایک گونہ تعلّق ضرور ہوتا ہے اور زیارت کنندہ کی زیارت سے میّت کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور اہل زیارت کنندہ بھی افاضات سے جھولی بھر کے جاتا ہے۔ یہ سب کچھ تسلیم کرتے ہوئے کُلّیۃً سماع کا انکار کیسے درست ہے؟ ہاں یہ بات گزر چکی ہے کہ سماعِ نافع اور سماع قبول نہیں ہوتا اور اس پر سب کا اتفاق ہے

ایک مغالطہ مؤلف ندائے حق اس مغالطہ کا شکار ہیں کہ قبور کے پاس قریب سے دعا کی درخواست کرنا بھی شرک ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

نقل تصحیح ہے؟ آپ کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی عالم کا کسی بات کو نقل کر دینا، یہ اسکی تصحیح ہے تو آپ خود بہت جگہ پھنس جائیں گے۔ دیکھیے حضرت شیخ رح تفسیر بے نظیر صفحہ ۴۶ میں بحوالہ ابن تیمیہ رح کہ جو وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت کے قریب سے پکارتے ہیں، وہ بھی مشرک ہیں۔ الاستفتاء اب کیا فرماتے ہیں سواتی برادران اس بارے میں کہ جو شخص انبیاء کو خصوصاً نبی اکرم صلعم کو قبر کے پاس جاکر پکارتا ہے اور کہتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ ادع اللہ لی یارسول اسئلك الشفاعۃ واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلماً علیٰ ملتك وسنتك السلام علیك یارسول اللہ من فلان بن فلان (بین السطور لکھتے ہیں چلو علم غیب بھی ثابت ہو گیا۔ بلفظہ۔ نہ معلوم کسی کا سلام پہنچانے سے علم غیب کیسے ثابت ہو گیا۔ صفدر) یستشفع بك الیٰ ربك وغیر ذٰلك آیا وہ مشرک ہے یا نہ؟ حضرت مولانا حسین علی رح نے تو امام ابن تیمیہ رح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ مشرک ہیں گویا ان (حضرت صاحب نے اپنی کتاب میں نقل فرما کر اس کو صحیح سمجھا۔ پھر صاحب تسکین کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو اس شرک کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں، وہاں قبر پر جاکر مندرجہ بالا پکار ضرور کرد۔ حضور سے

دُعا کراؤ۔ حضور سے سفارش کراؤ اور دوسروں کا نام لے کر کہو کہ فلاں بندہ فلاں کا بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے پھر صرف حضور کو نہ پکارو بلکہ ان کے ساتھی ابُوبکر رض اور عمر رض کو بھی پکار پکار کر کہو اے ابابکر! اے عمر! حضور کو تم ہی ہماری بابت کہو کہ ہماری سفارش کریں اور ہمارے حق میں اللہ سے دُعا مانگیں کہ اللہ ہماری سعی قبول فرمائے اور ہمیں اپنے دین پر رکھے اور دین پر مارے اور اسی زمرے میں ہمیں اٹھائے پھر کہے۔ الشفاعۃ۔ الشفاعۃ۔ الشفاعۃ یارسُول اللہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ بتاؤ ان کو مُشرک کہیں یا نہ؟ اگر مُشرک نہ کہیں تو صاحبِ تسکین کا قاعدہ کُلیہ ٹوٹ جائے گا اگر مُشرک کہیں تو صاحبِ تسکین اور اس کے اتباع اس فتویٰ سے مُستثنیٰ ہیں۔ اگر ہیں تو کس قاعدہ کے تحت مستثنیٰ ہیں بینوا توجروا۔ نیز جو شخص بہاول حق یا معین الدین اجمیری یا داتا گنج بخش یا شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو دور و نزدیک سے پکارے، وہ مُشرک ہے یا نہ؟ اگر مُشرک ہے تو اس میں کیا فرق ہے کہ نبی اکرم صلعم اور ابوبکر و عمر کو پکارے تو موحد اگر ان تین کے علاوہ اوروں کو پکارے تو مُشرک؟ کیا نزدیک و دور کا فرق کرتے ہو؟ اگر یہی ہے تو پھر فرمایئے کہ جو حضرت اسمٰعیل ع کی مزار پر کھڑے ہو کر پکارے یا لات بزرگ کی قبر پر کھڑے ہو کر پکارے اور دُعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو کہ میرا فلاں کام ہو جائے، یہ شرک تھا یا نہ؟ اگر شرک نہیں تھا تو خدا نے والذین تدعون من دون اللہ کے ساتھ من بعید کی قید کیوں نہیں لگائی؟ الخ (ندائے حق ص ۲۹۷، ۲۹۸)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی سطحی فہم کی واضح دلیل ہے اور محض ہوائی قلعہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ کسی عالم کا کسی کے قول کو نقل کرنا اور اس کا کہیں

بھی رد نہ کرنا بلکہ اس سے استدلال و احتجاج کرنا حقیقتاً اس کی تصحیح ہے۔ تصحیح اور کس چیز کا نام ہے؟ وثانیاً آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر سفارش کی التجاء اور دعا کرانا اور اسیطرح حضرات شیخین رض سے ایسا عرض کرنا اگر شرک ہوتا تو نور الایضاح سے لے کر فتاویٰ عالمگیری تک معتبر کتب حنفیہ میں اسکی اجازت ہرگز نہ ہوتی اور حضرت گنگوہی رح جیسے قطب وقت اور فقیہ النفس بزرگ جو اپنے وقت میں مؤحدین کے مرجع تھے، اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔ اس کے کچھ ضروری حوالے اسی پیش نظر کتاب میں عرض کئے جا چکے ہیں اور مزید تفصیل تسکین الصدور طبع دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔ سواتی برادران بھی اسی کے داعی ہیں جس کے یہ تمام ذمہ دار حضرات داعی ہیں۔ سواتی برادران بھی صرف اسی فتویٰ کے مستحق ہیں جو ان اکابر پر لگے گا وثالثاً قریب سے پکارنا صرف اس صورت میں شرک ہے، جب مردہ سے مراد مانگی جائے جیساکہ فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے، ان سے دعا کرانا شرک نہیں ہے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رح حافظ ابن تیمیہ رح کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

لا یجوز لاحد ان یستغیث باحد	کسی کے لئے جائز نہیں کہ غائب اور مردہ
من المشائخ الغائبین ولا المیّتین	بزرگوں سے مدد طلب کرے مثلاً یہ کہے
مثل ان یقول یا سیّدی فلان اغثنی	کہ اے میرے فلاں سردار آپ میری مدد
وانصرنی وادفع عنی وانا فی حسبک	کریں اور آپ میری نصرت فرمائیں اور مجھ

ونحو ذلك بل كل هذا من الشرك الذی حرّمہ اللّٰہ ورسولہ وتحریمہ مما یعلم بالاضطرار من دین الاسلام الخ (القاعدۃ الجلیلۃ صـ۱۲۸ بلغۃ الحیران صـ۵۵)

سے تکلیف دور کریں یا کہے کہ میں آپ کی نگرانی میں ہوں اور اسکی مانند اور الفاظ کہے یہ شرک کی اس حد میں ہیں جس کو اللّٰہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور اس کا حرام ہونا دینِ اسلام (کے قطعی دلائل اور یقینی براہین) سے بالاضطرار معلوم ہے۔

اور خود حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں۔ اور دعا کا معنی عبادت نہیں ہے بلکہ حاصل معنیٰ بیان کرتے ہیں اور لفظ عبادت کہہ دیتے ہیں یعنی دعا سے مراد پکارنا غائبانہ ہے اور فادعوا اللّٰہ کا معنیٰ عبادت والا حاصل معنیٰ ہے کیونکہ مطلق پکار تو منع نہیں ہے۔ (بلغۃ الحیران صـ۲۱) نیز فرماتے ہیں یعنی سوائے حق تعالیٰ کے غائبانہ حاجات میں نہ پکارو۔ اور اسی پر محدثین فقہاء کا اتفاق ہے اور اس پر اجماع امت ہے (بلغۃ الحیران صـ۲۴۱)

الغرض حافظ ابن تیمیہؒ نے جس چیز کو شرک کہا ہے وہ میت سے مراد مانگنا ہے اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے مطلق پکار سے منع نہیں کیا بلکہ غائبانہ پکار سے منع کیا ہے اور اسی پر انھوں نے محدثین فقہاء کا اتفاق اور امت کا اجماع نقل کیا ہے لہٰذا قریب وبعید کا فرق نہ کرنا سراسر باطل ہے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یعنی یہ بت یا بعض

انبیاء یا فرشتے جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو۔ اگر مصیبت کے وقت پکاروگے تو اوّلا یہ تمھاری بات سُن ہی نہ سکیں گے کیونکہ بتوں میں تو سُننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر وہ نہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سُنتے ہیں۔ آگے فرمایا اگر بالفرض وہ سُن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمھاری درخواست پوری نہ کریں گے کیونکہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اُس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے الخ۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ہفتم ص ۳۲۹)

غرضیکہ پکار میں قرب و بُعد کا فرق ایک واضح حقیقت ہے اور حضرت مفتی صاحب نے بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا۔

خاتمہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مفتیٔ اعظم کی ہی ایک عبارت پر سماعِ موتیٰ کے اس رسالہ کو ختم کردیں چنانچہ وہ سورۂ نمل میں اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی تفسیر میں یہ لکھنے کے بعد کہ اس سماع سے سماعِ نافع مراد ہے یعنی نفی سماعِ نافع کی ہے، تحریر فرماتے ہیں، اِس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مُردے کوئی کلام کسی کا سُن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماعِ موتیٰ کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابلِ نظر ہے کہ مُردے کسی کا کلام سُن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماعِ اموات

یہ مسئلہ کہ مُردے کوئی کلام سُن سکتے ہیں یا نہیں۔ ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضؓ کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماعِ موتیٰ کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت اُم المؤمنین صدیقہ

عائشہ رض اس کی نفی کرتی ہیں اِسی لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے۔ بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے، دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے :۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سُنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔ اِن تینوں آیتوں میں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان میں کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مُردے نہیں سُن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سُنا سکتے۔ تینوں میں اسی تعبیر و عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مُردوں میں سُننے کی صلاحیت ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سُنا سکتے۔ الخ (تفسیر معارف القرآن جلد ششم صہ ۵۹) اس کے بعد انہوں نے صہ ۵۹۱، صہ ۵۹۲ میں اس مسئلہ پر خاصی تفصیلی بحث کی ہے۔ اہلِ ذوق حضرات اس کا مطالعہ فرمائیں۔

سرِ دست ہم ان ہی دلائل اور حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر انشاء اللہ العزیز طبع جدید میں مزید وضاحت کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصّب و تحزّب اور غلو فی الدین سے محفوظ رکھے اور اللہ تعالےٰ ہی اپنے خصوصی فضل و کرم سے ہمیں جمہور علماءِ اُمّت اور اکابر کے دامن سے وابستہ

رکھے اور اپنی رائے کی پیروی اور خود پسندی سے بچائے اور ایمان و اسلام پر قائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز۔ خطیب جامع مسجد۔ گکھڑ منڈی
و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ

۲ رجب ۱۳۹۵ھ

۱۲ جولائی ۱۹۷۵ء